[illegible]

[illegible]

احمد ایاز

(ایک تاریخی ناول)

رئیس احمد جعفری

ناشر

ایجوکیشنل بک ڈپو، حیدرآباد (پاکستان)

قیمت ۰-۱۲-۷

احمد ایاز

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

طبع اوّل ۱۹۵۷ء

مطبوعہ ضیاء برقی پریس آرام باغ
کراچی

کتابت
حامد حسین فرید آبادی، ادارۂ ادب، کراچی

قیمت فی جلد ——— سات روپے بارہ آنے

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُن کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

"اقبال"

مصنف ——— رئیس احمد جعفری

پیدائش ——— دسمبر ۱۹۱۲ء

تعلیم ——— ندوۃ العلماء لکھنؤ

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

مشاغل ——— ایڈیٹر روزنامہ خلافت بمبئی (۳۸ - ۱۹۳۹ء)

" روزنامہ ہندوستان بمبئی (۴۰ - ۱۹۴۲ء)

" روزنامہ انقلاب بمبئی (۴۳ - ۱۹۴۷ء)

" روزنامہ خورشید کراچی (۱۹۴۸ء)

" روزنامہ زمیندار لاہور (از دسمبر ۱۹۵۴ء)

ابواب	عنوان	صفحہ
۱۲	نامۂ دلدار	۱۳۰
۱۳	تلوار کی نوک ،	۱۴۷
۱۴	انہیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے ،	۱۵۰
۱۵	نیا طوفان ،	۱۵۶
۱۶	من موہن بیر بھو ،	۱۷۲
۱۷	دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا ،	۱۸۳
۱۸	تصویرِ حیرت ،	۱۹۸
۱۹	گم صم	۲۰۹
۲۰	————	۲۱۳
۲۱	بڑے کھگوان	۲۲۳
۲۲	اپالی	۲۳۵
۲۳	اے موت تو کہاں ہے ؟	۲۴۱
۲۴	وہ اندھیری اور خوفناک رات ،	۲۵۶
۲۵	تشنگی ،	۲۶۷
۲۶	لاجونتی ۔ لاجونتی تم آگئیں ؟	۲۷۷
۲۷	نہ سنو میری داستاں نہ سنو ،	۲۹۰
۲۸	فکر ،	۳۰۱
۲۹	کارساز ما بہ فکر کار ما ،	۳۰۸
۳۰	فکر و تشویش ،	۳۱۴

فہرست عنوانات

ابواب	عنوان	صفحہ
۱	محبت کا طوفان،	۱۳
۲	شہرِ آرزو۔	۲۱
۳	صبحِ اُمید	۳۱
۴	دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آئے ہے؛	۴۱
۵	اور اچانک ایک دن،	۵۲
۶	نافرمان بیٹیا،	۷۰
۷	ذلت بخش شکست	۸۰
۸	دردِ لا دوا	۸۹
۹	کُفر ٹوٹا خدا خدا کرکے	۱۰۸
۱۰	راز و نیاز، سوز و ساز،	۱۱۸
۱۱	نامۂ شوق۔	۱۳۷

احمد ایاز

یہ ایک تاریخی ناول ہے، اس میں سوز بھی ہے اور ساز بھی، درد بھی، اور راحت بھی، غم بھی، اور نشاط بھی، دکھ بھی، اور آرام بھی،

اس ناول کا ہیرو، ہردیو، کوئی خیالی شخص نہیں ہے، ایک تاریخی وجود ہے، علاؤالدین خلجی نے جب تلنگانہ پر چڑھائی کی، تو یہ گرفتار ہو گیا، رہا ہوا، تو اسلام کا اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا، پھر حسن اتفاق سے سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا۔ محبوب الٰہی کی بارگاہ میں پہنچا، اور یہاں پہنچتے ہی اس کی کایا پلٹ گئی اس نے بہت مزاحمت کی، لیکن آخر مسلمان ہوتے ہی بنی، ہردیو، محبوب الٰہی کا مُرید باصفا بن گیا، احمد ایاز نام پایا، غیاث الدین تغلق

ابواب	عنوان	صفحہ
۳۱	کرامت	۳۲۲
۳۲	جلالِ فقر	۳۳۴
۳۳	خان قاتحاں	۳۵۳
۳۴	قدرت کا انتقام	۳۶۱
۳۵	شہزادہ درویش کے لباس میں	۳۷۴
۳۶	زہر	۳۸۶
۳۷	عزمِ جہاد	۳۹۲
۳۸	زنانی بیگم	۴۰۱
۳۹	شورشیں اور یورشیں	۴۰۹
۴۰	فرمان	۴۱۶
۴۱	اتنی بڑی تبدیلی	۴۲۵
۴۲	خلوص کی برکت	۴۳۴
۴۳	بسترِ علالت	۴۴۱
۴۴	دہشت	۴۵۲
۴۵	ہنوز دلّی دور است	۴۶۳
۴۶	مریم	۴۷۹
۴۷	زندگی کا مقصد	۴۹۰
۴۸	تحفہ	۵۰۳

باب (۱)

محبت کا طوفان

ہندوستان کے ایک دُور دراز گوشۂ دکن میں ، ایک آزاد اور خود مختار حکومت تھی تلنگانہ ، یہاں کا راجہ رام دیو، سکھ اور چین کی زندگی بسر کر رہا تھا ۔ رعایا شاد اور فارغ البال تھی ، بُت خانوں سے گھنٹے اور ناقوس کی صدائیں ، بُلند ہوتی رہتیں ، پجاریوں اور مہنتوں نے راجہ کے دل و دماغ پر قبضہ کر رکھا تھا ، وہ زیادہ متعصب اور تنگ دل بن گیا تھا ، ہر غیر ہندو اس کی نظر میں نہ صرف بے دین تھا ، بلکہ واجب القتل تھا ، ہر وہ تہذیب جس پر ہندو کلچر کی چھاپ نہ ہو ، اس کی نگاہ میں حقیر و ذلیل تھی ، اسے اپنے بُتوں پر ناز تھا ، اپنے اوتاروں

کے عہد میں چمکا ، اور محمد تغلق جیسے باجبروت شہنشاہ اعظم کا وزیر اعظم بھی بنا ، اور داماد بھی ، !

ہر دیو نے اپنی داستان اور خود نوشت کتاب " چہل روزہ " میں ، بڑے دلچسپ انداز میں لکھی ہے ، جسے حضرت خواجہ حسن نظامی مرحوم و مغفور نے ، اپنی کتاب " نظامی بنسری " میں خلاصۃً شائع کر دیا ہے ، یہ ناول اسی کتاب پر مبنی ہے ، !

ہر دیو نے اپنے اور حضرت محبوب الٰہی کے جو واقعات لکھے ہیں ، وہ میں نے سلیقہ اور ترتیب کی تبدیلی کے ساتھ بے کم و کاست لے لئے ہیں ، البتّہ رومان ، اور رومان کے گل بوٹے ، اور ان گل بوٹوں کی رعنائیاں افسانہ نگار کی تخلیق ہیں ،

رئیس احمد جعفری
ایڈیٹر روزنامہ زمیندار
میکلوڈ روڈ - لاہور
۱۶ - جون ۱۹۵۵ء
(وقت ۱۲ ½ بجے شب)

زندگی کا قافلہ اسی طرح اپنی منزل کی سمت بڑھ رہا تھا، ــــــــ اور اس قافلہ کے ساتھ تمنائیں تھیں، حوصلے تھے، اُمنگیں تھیں، ولولے تھے، حسرتیں تھیں،! منزل ابھی قریب نہیں آئی تھی، لیکن سامنے نظر آ رہی تھی،! دونوں نوخیز تھے، نوجوان تھے، زمانہ کے نشیب و فراز سے ناواقف، آسمان کی کجروی سے ناآشنا، گردش اور اس کی ستم رانی سے غافل، وہ سمجھ رہے تھے، زندگی ایک سپاٹ میدان ہے، جس پر آنکھ بند کر کے چلا جاسکتا ہے، وہ یہ نہیں جانتے تھے، کہ یہ سپاٹ میدان نہیں ایسی گذرگاہ ہے، جس میں بل کھاتی ہوئی، پرپیچ ندیاں اور خطرناک نالے ہیں، پتھر ہیں، چٹانیں ہیں، بلند و بالا ٹیلے ہیں، گہرے اور جان لیوا غار ہیں، یہاں ٹھوکر لگ سکتی ہے، یہاں قدم پھسل سکتا ہے، غاروں کی گہرائی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے، یہاں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے، یہاں ایک قدم اٹھانے سے پہلے دس مرتبہ سوچنے کی ضرورت ہے، یہاں پھول کھلتے ہیں، تو مرجھا بھی جاتے ہیں، یہاں بہار کی روح افزا، خنک اور عطر بیز، ہوائیں چلتی ہیں تو باد سموم کے جھکڑ بھی چلتے ہیں، جو صرف بدن ہی کو نہیں، ہڈیوں ہی کو نہیں، روح تک کو جھلسا دیتے ہیں، طوفان بھی آتے ہیں، سر بفلک موجیں بھی اٹھتی ہیں، اور آن کی آن میں دنیا بدل جاتی ہے، لہلہاتے ہوئے امیدوں کے کھیت جھلس جاتے ہیں، مسرتوں کے

پر گھمنڈ تھا، اپنے رشیوں اور مہاتماؤں پر فخر تھا، اپنے مندروں اور دیویوں پر غرور تھا، وہ سمجھتا تھا، اور پنڈتوں نے یہ بات اچھی طرح اس کے ذہن نشین کر دی تھی، کہ جو ہندو نہیں وہ ناپاک اور نیچ ہے، صرف اس لئے پیدا ہوا ہے کہ چاکری، اور غلامی کی زندگی بسر کرے، صرف اس لئے عالم وجود میں آیا ہے کہ ہندوؤں کی برتری، اور عظمت کے آگے سر جھکا دے، صرف اس لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے کہ، ہندوؤں کے جلال و کبریائی کو دیکھے، اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا اور بھگوان سے دعا کرے کہ، آئندہ جنم میں اسے ہندو بنا کر اس دنیا میں بھیجے، اپنے ان خیالات اور عقائد میں وہ بہت سخت تھا، نہ کوئی اس کی نظر میں جچتا تھا، نہ کسی کی وہ تعریف سن سکتا تھا،

راجہ رام دیو کے رنواس میں، ایک راجکماری تھی، جس کا نام تھا، لاجونتی، بڑی سندر، بڑی من موہن، اور بڑی روپ وتی لڑکی تھی، یہ راجہ کے تن جہانی بھائی کی بڑی لاڈلی، اور چہیتی بیٹی تھی، اور اب اس کے مرنے کے بعد، رام دیو کے زیر سایہ پروان چڑھ رہی تھی، رام دیو نے اسے اپنی بیٹی کی طرح پالا تھا، وہ تھی بھی اس لائق کہ، اسے چاہا جائے خوب صورت تو تھی ہی، لیکن ذہن بھی غضب کا تھا، سوجھ بوجھ میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی، حکومت، اور حکومت کے نظم و نسق سے اسے کوئی سروکار نہ تھا، لیکن، جہانداری کے معاملات میں بھی وہ ایسی جچی تلی، رائے دیتی تھی، کہ رام دیو ششکر ہو کر رہ جاتا تھا، جب کوئی ذھنگی سرحد

باب (۲)

شہر آرزو!

راجہ رام دیو کے حکم سے ہردیو، ایک مہم پر گیا تھا، اس مہم کے سر کرنے میں اسے بڑی دیر لگ گئی، جاتے وقت وہ، لاجونتی سے کہہ گیا تھا، جلد جلد تمہیں اپنی خیریت سے مطلع کروں گا، لیکن جب سے گیا تھا، آج تک اس کی کوئی خیر خبر نہیں معلوم ہوئی، خود راجہ بھی اس سکوت سے بہت پریشان تھا، اور لاجونتی کے اضطراب اور تشویش کی تو کوئی حد ہی نہیں تھی، وہ ہر صبح و شام، رنواس کے دروازہ کی طرف، اپنی بارہ دری سے ٹکٹکی لگائے دیکھا کرتی، کہیں ہردیو تو نہیں آرہا ہے؟ اس کا

چمن ویران ہو جاتے ہیں، آرزوؤں کے شہر کھنڈر بن جاتے ہیں اور ایسا معلوم ہونے لگتا ہے۔ جیسے تباہی، بربادی اور ہلاکت کے سوا یہاں کچھ تھا ہی نہیں، جیسے یہاں زندگی کی رمق کبھی موجود ہی نہیں تھی، جیسے ہمیشہ سے یہاں خزاں کا دَور دَورہ ہے'!

لیکن یہ باتیں تجربہ کار لوگ سوچتے ہیں، نوخیز اور جوان نہیں!

بارے میں بات چیت کر رہے تھے،

لاجونتی :- کیا کہہ رہے تھے؟ بتاتی کیوں نہیں؟

پدمنی :- جی وہ کہہ رہے تھے، بہت دن ہو گئے، راجکمار کو گئے ہوئے مگر کوئی خیر خبر نہیں معلوم ہوئی،!

لاجونتی : بس، اور کچھ نہیں؟ کچھ اور نہیں کہا،

پدمنی :- اور کہہ رہے تھے کہ، اگر دو چار دن اور حال نہ معلوم ہو تو کسی کو بھیج کر معلوم کریں گے کیا بات ہے؟

لاجونتی :- دو چار دن کے بعد؟ کیوں؟

پدمنی :- جی راجکماری، یہی کہہ رہے تھے وہ تو،!

لاجونتی :- دو چار مہینے کے بعد کیوں نہیں بھیجتے کسی کو؟ اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے آخر؟

پدمنی :- کہہ رہے تھے مہاراجہ بھی بہت پریشان ہیں،!

لاجونتی :- (تلخی سے) جانتی ہوں سب اتنے پریشان ہیں کہ کسی کو، سُدھ بدھ لینے کا بھی ہوش نہیں ہے،!

پدمنی :- نہیں یہ بات تو نہیں، واقعی بہت چنتا (فکر) ہے انہیں!

لاجونتی :- ہاں ضرور ہوگی، لیکن پدمنی تجھے پردھان جی سے ایک بات تو پوچھنی چاہئے تھی،!

پدمنی :- اب بتا دیجئے، ابھی پوچھ آؤں گی جا کر،!

لاجونتی :- تجھے پوچھنا چاہئے تھا، اگر پردھان جی کا بیٹا، کسی مہم کا

کوئی سپاہی درد فراق کی داستانوں سے بھرا خط لے کر تو نہیں آرہا ہے؟ لیکن ہر روز مایوسی ہوتی اور وہ آنکھوں میں آنسو بھرے چپ چاپ اپنے کمرہ میں واپس آ جاتی، سکھیاں اور سہیلیاں اس کی اس کیفیت کو سمجھ رہی تھیں، لیکن ہیاؤ نہیں پڑتا تھا کہ پوچھیں، دریافت کریں، ٹوہ لگائیں، اس لئے کہ راجکماری اگرچہ سب سے بڑے چاؤ محبت اور مہربانی کا برتاؤ کرتی تھی، لیکن اس کا وقار اور دبدبہ ایسا تھا کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ بات چیت میں پہل کر سکے یا جس بات کا وہ خود ذکر نہ کرے اس کے بارے میں کچھ پوچھ گچھ کر سکے، لاجونتی کی خاموشی سب کو خاموش کر دیتی تھی، اور جب وہ باتیں کرتی تو سکھیوں اور سہیلیوں کے منہ سے بھی پھول جھڑنے لگتے تھے،

کئی دن اسی طرح گذر گئے، لاجونتی اپنی بارہ دری میں اُداس اور مضمحل بیٹھی تھی، ادھر ادھر سکھیاں اور سہیلیاں بھی چپ چاپ دُبکی دبکائی بیٹھی تھیں، لاجونتی نے اپنی ایک منہ چڑھی سہیلی پدمنی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،

لاجونتی:۔ ذرا باہر جاکر پردھان جی سے پوچھ تو آ، راجکمار ہردیو کا کوئی خط آیا یا نہیں،؟

پدمنی:۔ آپ کا حکم ہو تو چلی جاؤں گی، لیکن آج جب میں صبح صبح ان کے ہاں اپنی بہن سے ملنے گئی تو وہ خود، آپس میں، راجکمار ہردیو کے

لاجونتی :- ہاں ٹھیک ہے، جا ابھی جا، یونہی کہنا ،

پدمنی :- ابھی جاتی ہوں سرکار، لیکن راجکماری، اگر پردھان جی نے مہاراجہ سے شکایت کردی تو، ؟

لاجونتی :- تو کیا ہوگا، کیا مار ڈالی جائے گی؟ ڈرتی ہے ؟

پدمنی :- نہیں ڈرتی تو نہیں، لیکن مہاراجہ کے غصہ سے ڈر لگتا ہے ، اُن کی آواز سنکر میں تو کانپ جاتی ہوں' !

لاجونتی :- پگلی کہیں کی، وہ کچھ نہیں کہیں گے ؟

پدمنی :- اور اگر کہیں تو آپ کا نام لے لوں ؟

لاجونتی :- (ایک عزم کے ساتھ) ہاں لے دینا، مجھے تو پتاجی سے بھی شکایت ہے کہ وہ ۔ ————————

پدمنی :- (خوشی سے بے قابو ہوکر) بڑی عمر، ———— اے لو وہ ———— وہ آگئے ———— راجکمار ————

لاجونتی نے نظر اٹھا کر دیکھا ۔ تو راجکمار ہردیو، سامنے سے چلا آرہا تھا، وہی مسکراہٹ، وہی بانکپن، وہی سپاہیانہ وضع، وہی آن، وہی شان، لاجونتی اسے دیکھ کر پھول کی طرح کھل گئی، اب تک وہ بے جھجک بیٹھی تھی، اسے آتا دیکھ کر، شرماتے موئے سمٹ کر بیٹھ گئی، اتنے میں ہردیو قریب آگیا، لاجونتی اُسے اپنے قریب دیکھ کر اور لجا گئی، پدمنی سے ضبط نہ ہوسکا، اس نے کہا، !

پدمنی :- ابھی آپ ہی کا ذکر ہو رہا تھا، !

بیڑا اٹھا کر گیا ہوتا، اور یوں لاپتہ ہو جاتا تب بھی وہ یونہی
اطمینان سے بیٹھے چنتا (فکر) کیا کرتے ؟

پدمنی مسکرانے لگی۔

لاجونتی :۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے ؟ کچھ غلط کہہ رہی ہوں ؟
بتا، تب وہ کیا کرتے ؟

پدمنی :۔ پھر تو کسی کو بھیجنے کی بجائے، خود ہی ہانپتے کانپتے توند سہلاتے
بھاگ کھڑے ہوتے، ؟

لاجونتی :۔ (تبسم کے ساتھ) پھر اب وہ ایسا کیوں نہیں کرتے ؟ ویسے
بڑا دعویٰ کرتے ہیں، محبت کا، ایک دفعہ میرے سامنے پتا جی
(مہاراجہ) سے کہہ رہے تھے، ہردیو پر اگر ضرورت ہو، تو اپنی
ساری اولاد قربان کر دوں، وہ ہیرا ہے، ہیرا، !

پدمنی :۔ ہاں اس میں تو شک نہیں، وہ ہیرا ہے، سارے راج میں
ہر شخص اس کے گن گاتا ہے، کسی کو اس سے شکایت نہیں
سب اس کی مہربانی اور حسنِ سلوک کے مداح ہیں، !

لاجونتی :۔ تو نے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں، جا پردھان جی
کی خبر لے جا کر، !

پدمنی :۔ ابھی جاتی ہوں، اور پوچھوں گی، یہ تو بتاؤ، پردھان جی، اگر
رن پر تمہارا کوئی بیٹا گیا ہوتا، تو کیا یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے
بیٹھے رہتے ؟ اور اڑاتے ہو کہ اپنی اولاد سے زیادہ چاہتا ہوں ؟ !

ہردیو:۔ آج معلوم ہوا، ہم کیا ہیں؟ کسی کی نظر میں ہماری قدر و منزلت کتنی ہے؟

لاجونتی:۔ بس رہنے دیجئے، زیادہ باتیں نہ بنایئے!

ہردیو:۔ راجکماری باتیں کرنے سے مجھے نہ رکو، اتنے دنوں کے بعد اب تمہارے حضور میں پہنچا ہوں، تصور کے پردہ پر تمہاری تصویر ہر وقت اپنی چھب دکھایا کرتی تھی۔ آج تم خود سامنے ہو۔ میرا جی چاہتا ہے دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہو کر بس تمہارے سامنے بیٹھا رہوں تم سے باتیں کرتا رہوں!

لاجونتی:۔ (پدمنی وغیرہ کی طرف آنکھوں سے اشارہ کر کے) راجکمار آپ کو کیا ہو گیا ہے، کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں آپ؟

ہردیو:۔ میں کسی کی پروا نہیں کرتا، جو دل میں آئے گا وہ کہوں گا مجھے نہ روکو، کہہ لینے دو سب کچھ!

لاجونتی:۔ اچھا کہئے جو چاہتے، منع کون کرتا ہے آپ کو لیکن یہ تو بتایئے۔ اتنے دن سے غائب کہاں تھے؟

ہردیو:۔ شکار کو گیا تھا!

لاجونتی:۔ لیکن آپ تو خالی ہاتھ آ رہے ہیں!

ہردیو:۔ ہاں ــــ اس لئے کہ خود شکار ہو کر آ رہا ہوں!

لاجونتی:۔ ہائے رام ــــ کہاں سے؟

ہردیو:۔ دل کی دنیا سے! ــــ یہ کمبخت بھی بڑا پاپی ہے کبھی

ہردیو:- بھلا ذکر ہو رہا تھا، بڑے خوش قسمت ہیں ہم تو پھر ——
کیا ذکر ہو رہا تھا! راجکماری برا بھلا کہہ رہی ہوں گی ہیں ؟

پدمنی:- یہ تو آپ کے لئے پردھان جی سے بگڑ بیٹھی تھیں، وہ تو خیریت ہوئی کہ آپ آ گئے، نہیں تو بیچارے کو بھاگتے راستہ نہ ملتا!

ہردیو:- کیوں کیوں خیر تو ہے ؟ کیا بات تھی ؟

پدمنی:- کہہ رہی تھیں، راجکمار ہردیو کو گئے اتنے دن ہو گئے، اور کوئی خیر خبر نہیں معلوم ہوئی، اگر تمہارا کوئی بیٹا رن پر گیا ہوتا اور یوں لاپتہ ہو جاتا، تو کیا یونہی بیٹھے توند سہلایا کرتے ؟

ہردیو:- (ہنس کر) ارے ارے، اگر تو یہ کہہ دیتی جا کر تو واقعی بڑا غضب ہو جاتا!

پدمنی:- راجکماری تو مہاراج سے بھی خفا ہو گئی تھیں،

ہردیو:- (تعجب سے) مہاراج سے بھی خفا ہو گئی تھیں ؟ ——
کیوں انہوں نے کیا خطا کی تھی ؟

پدمنی:- اس سے بڑھ کر خطا کیا ہو گی کہ راج کمار ہردیو غائب تھے، اور وہ محل میں بیٹھے تھے، ان کا فرض تھا کہ جاتے اور پتہ لگاتے!

لاجونتی نے آہستہ سے پدمنی کے چٹکی لی، اور جھوٹ موٹ خفا ہوتے ہوئے کہا،

لاجونتی:- چپ —— بیکار کی بک بک نہ کیا کر!

پدمنی چپ ہو گئی!

یہ باتیں سنکر فخر سے لاجونتی کا چہرہ چمک اٹھا، اسے یہ اعتماد تھا کہ ہردیو کو جو کام سونپا جائے وہ ضرور پورا ہوگا۔ اس نے کہا!

لاجونتی:۔ "مجھے یقین تھا، تم کامیاب واپس آؤ گے،!"

ہردیو:۔ اور جب تک میں زندہ ہوں، تمہارا یقین کبھی متزلزل نہیں ہونے پائے گا، جب کسی مہم کا بیڑا اُٹھاتا ہوں، تمہاری تصویر آنکھوں میں پھرنے لگتی ہے، ایسا محسوس کرتا ہوں کہ تم مجھے دیکھ رہی ہو، میری نگرانی کر رہی ہو، میری کامیابی کی دُعا کر رہی ہو، میرا دل بڑھا رہی ہو، بس پھر مجھ میں ایسی امنگ پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر پہاڑ بھی سامنے آجائے۔ تو ٹکرا جاؤں، اور سمندر بھی سامنے ہو تو کود پڑوں،!

لاجونتی:۔ آدمی کا سب سے بڑا ہنر یہ ہے کہ بہادر ہو،!

ہردیو:۔ میں جانتا ہوں، یہ تمہارا عقیدہ ہے، لیکن نہ جانے تم مجھے بہادر سمجھتی ہو یا نہیں؟

لاجونتی:۔ میں کیا چیز ہوں ایک دنیا تمہیں بہادر مانتی ہے، ابھی اس دن پتاجی کہہ رہے تھے بہادری اور شجاعت ہردیو پر ختم ہے،!

ہردیو:۔ ہاں وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں،!

لاجونتی:۔ صرف وہی ــــــــ ؟

اور یہ کہتے کہتے وہ شرما گئی خود بخود اس کی آنکھیں جھک گئیں،

میرا ساتھ نہیں دینا'!

لاجونتی ان بے جھجک باتوں سے شرما گئی، اس نے آہستہ سے کہا،

لاجونتی :- چپ بھی رہو، سب یہ باتیں سُن رہے ہیں، تم تو جیسے پی کر آئے ہو'!

ہردیو :- یہی سمجھ لو، اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نشہ چھایا ہوا ہے دل و دماغ پر، ——— دیکھو گھوڑے سے اتر کر سیدھا تمہارے پاس آ رہا ہوں، نہ کپڑے بدلے، نہ نہایا دھویا، نہ پردھان جی سے ملا، نہ مہاراج کی خدمت میں باریاب ہوا،

لاجونتی :- تو اتنی جلدی کیا تھی، تھوڑی دیر کے بعد آ جاتے یہاں' ——— لیکن پرماتما کے لئے یہ تو بتاؤ، جس مہم پر گئے تھے اس کا کیا ہوا؟

ہردیو :- بھگوان کی کرپا سے سب ٹھیک ہوا، دشمن زیر ہو گیا'!

لاجونتی :- کون تھا وہ دشمن؟

ہردیو :- وہی راجہ بلاسپور، ——— باج دینے سے انکار کر رہا تھا، مع سود کے سب وصول کر لیا،

لاجونتی :- اچھا وہاں گئے تھے، ——— بڑا مغرور کہ ہے وہ بھی، سُنا ہے، اپنے آپ کو بہت بڑا آدمی سمجھنے لگا ہے'!

ہردیو :- پہلے سمجھتا تھا، اب نہیں سمجھتا، میری تلوار کی نوک نے بڑا اچھا سبق دے دیا ہے' اسے'!

(۳)

باب

صُبحِ اُمید

ہردیو، لاجونتی کے پاس سے اُٹھ کر سیدھا، راجہ رام دیو کی خدمت میں پہنچا۔ مہاراجہ کچھ متفکر سے نظر آرہے تھے، پاس ہی مہارانی بھی بیٹھی تھیں، ان کے بھول سے چہرہ پر بھی فکر کے آثار تھے، ہردیو کو دیکھ کر دونوں مسکرانے لگے مہاراجہ نے اسے گلے لگایا، مہارانی نے شفقت سے اُس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، اور وہ ادب سے مسند شاہی کے ایک گوشہ پر سر جھکا کو بیٹھ گیا، کچھ دیر تک خاموشی سی طاری رہی، پھر مہاراجہ رام دیو نے محبت بھری نظروں سے ہردیو کو دیکھا اور فرمایا،

جیسے کوئی بڑی بے تکی بات منہ سے بے ساختہ نکل گئی ہو، ــــــــ!

ہردیو نے اس کی یہ کیفیت دیکھی اور مسکرانے لگا ــــــــ اتنے میں ایک داسی آئی اور اس نے راجہ رام دیو کا پیام سنایا، !

"چلئے، آپ کو مہاراجہ یاد کر رہے ہیں، ــــــــ ــــــــ!"

ہردیو چُپ چاپ اُٹھ کر اس کے ساتھ چلا گیا، لاجونتی اس وقت تک اسے دیکھتی رہی، جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ !

رام دیو :۔ اوہو! اس کے نیک، من چلے اور جیالے ہونے سے ہم کب انکار کرتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ عقل بھی کچھ ہے یا نہیں؟
مہارانی :۔ کیوں وہ بے عقل کیوں ہوتا، بہادری کی طرح اس کی عقل و دانش اور فہم و فراست کی بھی دھوم ہے!
رام دیو :۔ (مسکرا کر) ضرور ہوگی، اور خاص طور پر تازہ ارادے نے تو ان کو ساری دنیا میں مشہور کر دیا ہوگا؟
مہارانی :۔ کیوں کیا ہوا؟ مجھے تو نہیں معلوم کہ اس کا پرانا ارادہ کون سا تھا، اور نیا ارادہ کون سا ہے؟
رام دیو :۔ ہمارے ولی عہد راج کمار منگل دیو نے پھر تیرتھ یاترا کا پروگرام بنایا ہے!
مہارانی :۔ تو کون سا جرم کیا ہے؟ کون سی خطا کی ہے؟ بھگوان ہر آدمی کو تیرتھ یاترا کی توفیق بخشیں، آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے وہ کوئی جرم کر رہا ہے! پاپ کر رہا ہے؟
مہادیو :۔ (مسکرا کر) سنو تو مہارانی ——————
مہارانی :۔ (جل کر) ہاں سن رہی ہوں! کہئے!
رام دیو :۔ اور ولی عہد بہادر اکیلے نہیں جا رہے ہیں، لاؤ لشکر سمیت جا رہے ہیں جیسے وہ تیرتھ یاترا کرنے نہیں کسی ملک کو فتح کرنے نکلے ہوں، بھلا کہو تو سہی یہ بھی کوئی عقلمندی ہے؟ اسی کا نام فہم و فراست ہے؟

"ہمیں خوشی ہے کہ تمہاری ذات سے جو امیدیں ہم نے قائم کی تھیں، وہ پوری ہوئیں۔ بلاس پور کا راجہ بہت گھمنڈ کرنے لگا تھا، اپنے بل پر۔ لیکن تم نے اس کے کس بل نکال دیئے، امید ہے یہ سبق وہ زندگی بھر نہ بھولے گا،!"

ہردیو نے اپنے اوپر خاکساری اور فروتنی کی کیفیت طاری کرتے ہوئے کہا؛

مہاراجہ کی کرپا سے بلاسپور کو واقعی ایسا سبق اس غلام نے دیا ہے کہ اب وہ کبھی سر نہ اٹھا سکے گا'!

مہاراجہ: اور باج بھی وصول کیا تم نے؟

ہردیو:۔ ایک ایک پائی، سود در سود سمیت، اس کے علاوہ بہت سے قیمتی تحائف بھی،!

رام دیو:۔ شاباش، (مہارانی کی طرف دیکھ کر) ایک یہ لڑکا ہے اور ایک وہ تمہارے دلی عہد بہادر ہیں، جنہیں پوجا پاٹ، سیر و شکار، اور تیرتھ یاترا سے فرصت ہی نہیں ملتی'

مہارانی:۔ (ذرا تلخی کے ساتھ) آپ تو میرے بچے منگل دیو سے خواہ مخواہ خفا رہتے ہیں، حالانکہ دنیا جانتی ہے وہ بڑا منچلا اور جیالا ہے'! ——— بھگوان کو یاد کرنا کچھ پاپ تو نہیں،!

چیں بہ جبیں ہو کر واپس چلی گئیں،

مہارانی کے جانے کے بعد مہاراجہ نے پہلو بدلا اور ہردیو سے مخاطب ہو کر محبت بھرے لہجہ میں کہا،!

رام دیو :- کیوں بیٹا جانتے ہو، ہم نے تمہیں کیوں بلایا اس وقت؟ حالانکہ ہم جانتے تھے کہ ابھی ابھی تم رن سے آئے ہو، نہ سستا سکے ہو نہ آرام لے سکے ہو،!

ہردیو :- کوئی مضائقہ نہیں، میں آپ کا داس اور غلام ہوں، پھر ایک سپاہی کو سستانے اور آرام لینے کا حق بھی کیا ہے؟

رام دیو :- نہیں تم سپاہی نہیں، ہمارے لختِ جگر ہو، ہم تمہیں اتنا ہی چاہتے ہیں جتنا اپنے بیٹے منگل دیو کو، ہم تم پر جتنا اعتماد کرتے ہیں اتنا منگل دیو پر بھی نہیں کرتے،!

ہردیو :- یہ بندہ پروری ہے مہاراج کی، —— غلام کی بڑی تمنا تو یہ ہے کہ یہ زندگی، اپنے مہاراج کے چرنوں (قدموں) پر نچھاور کر دے،!

رام دیو :- ہمیں یقین ہے، جو کچھ کہتے ہو سچ کہتے ہو،! —— اس وقت مہارانی ایک خاص مقصد سے ہمارے پاس آئی تھیں،!

ہردیو :- جی، —— میں نے دیکھا تھا مہارانی کو ابھی تو تشریف لے گئی ہیں

مہارانی :۔ تو وہ کوئی معمولی آدمی تو نہیں ہے، ایک بہت بڑے راجہ کا لڑکا ہے، ایک بہت بڑے ملک کا ولی عہد ہے، اسے اس طرح جانا چاہئے کہ جدھر سے نکل جائے، دھوم مچ جائے، جو دیکھے پکار اٹھے کہ ہاں کسی کی سواری جا رہی ہے، !

رام دیو۔ مہارانی، تم سے ہم نہیں جیت سکتے، ہار گئے ہم ـــــــ ہار مان لی ہم نے، واقعی منگل دیو بڑا اچھا۔ اور ہونہار لڑکا ہے، لیکن ہمیں ڈر لگتا ہے کہیں ہماری گدّی پر بیٹھنے کے بعد، وہ کسی دن یہ پروگرام نہ بنا لے کہ تیرتھ یاترا کو جائے گا۔ اور سارے ملک کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ وہ اپنی فوج اور رعایا کے ساتھ تیرتھ یاترا کر رہا ہوگا، اور یہاں کوئی دشمن موقع سے فائدہ اٹھا کر، راج دھانی، اور ملک پر قبضہ کرے گا، ـــــ!

مہارانی :۔ (کانپ کر) بھگوان نہ کرے، آپ بعض وقت کیسی باتیں کرنے لگتے ہیں، میرا تو دل کانپ گیا،

رام دیو :۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا؟!

مہارانی :۔ (اٹھ کر جاتے ہوئے) میں آپ سے بحث نہیں کر سکتی، !

مہاراجہ رام دیو نے ایک پُر زور قہقہہ لگایا اور مہارانی

رام دیو :۔ تم ہر بات پر صرف "جی" کہہ رہے ہو، اس سے کام نہیں چل سکتا۔ ہم تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں؟

ہر دیو : غلام آقا کے سامنے لب کشائی کی جرأت کہاں سے لا سکتا ہے؟

رام دیو :۔ نہیں یہ نہ کہو، یہ زندگی نباہنے کا معاملہ ہے، اس میں مروت، دباؤ، اور لحاظ سے کام نہیں چل سکتا، ہماری سچائی کے ساتھ یہ رائے ہے کہ لاجونتی تمہاری بہترین رفیقۂ حیات ثابت ہو سکتی ہے، اس میں دنیا جہان کے گن ہیں، اس میں ہر طرح کی خوبیاں ہیں، وہ خوبصورت ہے، خوب سیرت ہے، تعلیم یافتہ ہے، خوش سلیقہ ہے وہ جس گھر میں بھی جائے گی وہاں کی زینت اور آرائش بن کر رہے گی، لیکن یہ ہماری رائے ہے، ہو سکتا ہے کہ تمہاری رائے کچھ اور ہو، ہو سکتا ہے کہ تم کسی اور سے محبت کرتے ہو کسی اور سے شادی کرنا چاہتے ہو کسی اور کو تمہاری نگاہِ انتخاب نے پسند کیا ہو، لہٰذا ہم تمہارے آڑے آنا کبھی نہیں چاہتے، تمہاری رائے اور فیصلہ پر اثر انداز ہونا کبھی ہمیں منظور نہیں، ہم تمہیں خوش اور مسرور دیکھنا چاہتے ہیں، یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے کسی فیصلہ کی وجہ سے تمہاری خوشی چھن جائے، اگر تمہاری

رام دیو :- وہ اس لئے آئی تھیں کہ وہ لاجونتی کو بہت زیادہ چاہتی ہیں لہٰذا اُن کی تمنا ہے کہ اپنے بھائی کے لڑکے بھگوان سے اس کا بیاہ کردیں"! ـــــ سُنا تم نے"؟

یہ سنکر ہردیو کا چہرہ دفعتہً سفید پڑ گیا جیسے کسی بے گناہ کو پھانسی کا حکم سُنا دیا گیا ہو، لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا،

ہردیو :- "جی" ــــ بے شک"!

رام دیو :- "لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم بھی لاجونتی کو بہت زیادہ چاہتے ہیں شاید مہارانی سے بھی زیادہ، اور ہم اسے کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے کہ وہ ہردیو کی موجودگی میں کسی اور کی دھرم پتنی بنے"!

یہ سنکر دفعتہً ہردیو کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا اس کا جی چاہا کہ شکریہ میں اپنی جان نذر کردے لیکن وہ منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکا، مہاراجہ نے اس پر ایک نظر ڈالی اور کہا

رام دیو :- "سُن لیا ہردیو تم نے، ہم کیا چاہتے ہیں"؟ ــــ ــــ ہماری کیا خواہش ہے ہم کیسا سہانا خواب دیکھ رہے ہیں"؟

ہردیو :- (عالمِ خود رفتگی سے چونک کر) جی ــــ غلام نے سُن لیا"!

دل پر بھی ہماری نگاہ رہتی ہے"!

ہردیو :۔ اس نوازش پر غلام جتنا بھی فخر کرے کم ہے"!

رام دیو :۔ ہم نے اس وقت مہارانی سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہمارا ارادہ اس بارے میں کیا ہے، ہم نے یہ بھی صاف کہہ دیا تھا کہ سب سے پہلے ہم ہردیو سے پوچھیں گے، اگر وہ آمادہ نہ ہوا تو پھر بھگوان کے معاملہ پر غور کیا جائے گا"!

ہردیو :۔ غلام اس مہربانی کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کرے"!

رام دیو :۔ نہیں، شکریہ کی ضرورت نہیں، اصل شکریہ یہ ہے کہ ہم اپنی قیمتی پونجی جو تمہیں سونپنے والے ہیں اس کی قدر کرو! اسے آرام سے رکھو، اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھو"

ہردیو :۔ ایسا ہی ہوگا مہاراج"!

رام دیو :۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے"! ہمیں تمہاری ذات سے یہی امید ہے"!

تھوڑی دیر تک پھر خاموشی رہی، پھر مہاراجہ رام دیو نے کچھ سوچتے ہوئے فرمایا،

رام دیو :۔ ہمیں یقین ہے کہ لاجونتی بھی ہماری رائے کو پسند کرے گی، لیکن جس طرح ہم نے تمہاری رائے لی ہے اسی طرح ہم اس کا عندیہ بھی ضرور لیں گے"!

ہردیو :۔ (خوش ہو کر، اعتماد کے ساتھ) بے شک ایسا ضرور

بھی لاجونتی کے بارے میں وہی رائے ہو جو ہماری ہے تو ٹھیک ہے، یہ رسم انجام پا جائے گی، لہٰذا بے جھجک اپنی رائے اور فیصلہ کا اظہار کردو، ہم بہر حال اسے مان لیں گے، یقین کرو ہم تمہاری رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دیں گے!

ہردیو:- مہاراج ———

رام دیو:- ہاں کہو، کیا کہہ رہے تھے تم؟

ہردیو:- راجکماری لاجونتی جس کی جیون ساتھی بنے گی اس پر آسمان کے فرشتے رشک کریں گے، وہ کون بدبخت ہو سکتا ہے جو اس کے بارے میں اچھی رائے نہ رکھے، جو اسے ایک عطیۂ خداوندی نہ سمجھے، جو اسے پاکر اپنے آپ کو دنیا کا سب سے زیادہ خوش قسمت اور کامران و کامگار انسان نہ تصور کرے؟

رام دیو:- (زیرِ لب تبسم کے ساتھ) ابھی تو تم بالکل خاموش تھے اور اب تمہاری گویائی کا سمندر لہریں مارنے لگا، یہ دفعتہً قوتِ گویائی کہاں سے آگئی تم میں؟

ہردیو:- اس اندیشہ سے کہ کہیں مہاراج غلام کے بارے میں کوئی غلط رائے قائم نہ کر لیں!

رام دیو:- (ہنس کر) نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، ہم ہردیو کو خوب سمجھتے ہیں، ہم صرف اس کا چہرہ نہیں دیکھتے اس کے

باب (۴)

"دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے"

ہردیو شاد کام و بامراد، اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا اُس کے دل میں اس وقت مسرت کا طوفان اُٹھ رہا تھا ؛ اسے یقین تھا کہ 'لاجونتی' اس کی ہے، اس کو ملے گی، لیکن اس کا تو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اس آسانی سے اور اتنی جلدی اسے حاصل ہو جائے گی، اپنی قسمت پہ ناز کرتا، اپنے آپ پر رشک کرتا، نئی زندگی کے منصوبے بناتا وہ مہاراجہ کے محل سے نکل کر پائیں باغ پہنچا، اسی راستہ سے وہ محل کے اس حصہ میں جایا کرتا تھا جہاں وہ رہتا تھا ؛ پائیں باغ کے ایک گوشہ میں اس نے دیکھا راجکماری لاجونتی بیٹھی ہے، چہرہ اترا ہوا،

ہونا چاہئے، مہاراج ،!

رام دیو:- بہت جلد ہم اس کا فیصلہ کرکے کوئی تاریخ مقرر کر دیں گے ،!

ہردیو نے کوئی جواب نہ دیا ، مہاراجہ نے مسند سے اٹھتے ہوئے کہا ،

"اب تم جا سکتے ہو ، ہم نے اسی لئے تمہیں بلایا تھا ،!"

ہردیو آداب بجا لایا - اور فخر و مسرت کے جذبات کے ساتھ اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گیا ، !

نہیں کرسکتا، خنجر تم نے چھین لیا، لیکن میں اپنے ہاتھ سے بھی
اپنا گلا گھونٹ سکتا ہوں، میں تمہیں اس حالت میں
نہیں دیکھ سکتا"!

لاجونتی :- میں نے ایک ایسی بات سنی ہے جس کے بعد میرا زندہ رہنا
بیکار ہے"!

ہردیو :- اُف ـــــ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ کیا ہو رہا ہے،
ـــــ تم نے ایسی بات سُنی ہے جس کے بعد تمہارا
زندہ رہنا بیکار ہے اور میں نے ایسی بات سنی ہے کہ اگر مر بھی
چکا ہوتا تو زندہ ہو جاتا"!

لاجونتی :- (حیرت سے ہردیو کو دیکھ کر) کیا بات سُنی ہے تم نے؟

ہردیو :- سب کچھ بتا دوں گا لیکن پہلے تم سے سُن لوں"!

لاجونتی :- وہ ایسی بات ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چل سکتا"!

ہردیو :- مہاراج کا بھی نہیں؟

لاجونتی :- (ٹھنڈی سانس بھر کر) نہیں، ان کا بھی نہیں، ـــــ
وہ بھی مہارانی سے بہت دبتے ہیں، چوں نہیں کر سکتے اُن
کے سامنے"!

ہردیو :- آخر ہوا کیا؟ کیا مہارانی نے تمہیں بُرا بھلا کہا؟

لاجونتی :- نہیں، وہ آئیں، مجھے گلے سے لگایا، میری پیشانی چومی،
اور، اور ـــــ

آنکھیں پُرنم، ہردیو کو حیرت ہوئی کہ اتنی ذرا سی دیر میں کیا انقلاب ہوگیا، کیا حادثہ پیش آیا کہ لاجونتی کی مسرت فکر و اندوہ سے بدل گئی، وہ گھبرایا ہوا اس کے پاس پہنچا، اور گویا ہوا،

"کیا بات ہے، راج کماری، تمہارا پھول سا چہرہ اس وقت مرجھایا ہوا کیوں نظر آرہا ہے؟ ابھی جب میں گیا تھا جب تو تم خوش تھیں، اتنی دیر میں کیا ہوگیا،!"

لاجونتی نے کوئی جواب نہیں دیا، اُس نے آنکھ اٹھاکر ہردیو کو دیکھا، اور اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے بڑے بڑے موتی، قطرات اشک کی صورت میں گرنے لگے، یہ حال دیکھ کر ہردیو اور زیادہ پریشان ہوگیا، وہ وہیں زمین پر لاجونتی کے سامنے بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگا،

"بھگوان کے لئے بتا دو کیا بات ہے، کیوں ملول و افسردہ نظر آرہی ہو، اگر یونہی خاموش رہیں تو خنجر نکال کر ابھی اس سے اپنا کام تمام کرلوں گا،!"

لاجونتی نے ہردیو کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا اور کہا،!

"اس کی تمہیں نہیں، مجھے ضرورت ہے!"

یہ سنکر ہردیو کا اضطراب اور بڑھ گیا، اس نے دیوانہ وار اُسے دیکھا اور کہا،!

"میں کہتا ہوں بتا دو کیا بات ہے،؟ ورنہ میں انتظار

کا پیام لائی تھیں اور مجھے تو خوشخبری سنا رہی تھیں کہ اگر میں نے ان کی دھرم پتنی بننے کا اعزاز حاصل کر لیا تو میری یوں کایا پلٹ جائے گی، یوں میں سونے چاندی کے محل میں رہوں گی، ریشم اور کمخواب کے کپڑے پہنوں گی، ہیرے جواہرات اور موتیوں میں تلوں گی، اور جب اُن کے والد یعنی مہارانی کے بھائی کا انتقال ہو جائے گا تو ریاست کی مہارانی بنجاؤں گی، وہ مجھ پر جان چھڑکتے ہیں، اور شادی کے بعد تو جی جان نثار رہا کریں گے، وہ سارا راج پاٹ میرے نام لکھ دینے پر تیار اور آمادہ ہیں، مہارانی صاحبہ اب مجھے اپنی بیٹی کی طرح چاہتی ہیں، پھر اور زیادہ چاہنے لگیں گی"!

ہردیو بڑے غور اور توجہ سے لاجونتی کی باتیں سن رہا تھا اور مسکرا رہا تھا، اب اس سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے ایک زور کا قہقہہ لگایا اور کہا،

"تو تم نے منظور کر لیا ہوتا؟ ——— کر لیا نا؟"

اور پھر ہنسنے لگا"!

لاجونتی نے اسے ملامت آمیز نظروں سے گھورا اور کہا،!

"تم بھی ہنس لو، خوب مذاق اڑا لو میرا، ———

میں کسی کے پیچھے نہیں دوڑتی، اگر تم پیچھے ہٹ رہے ہو تو میں پیچھے ہٹ جاؤں گی، تمہاری باتیں فریب تھیں

ہردیو :- اُف، ——— اور، اور، اور، ——— پھر؟
کیا وہ عورت کے لباس میں مرد بن گئیں، آخر تم ان کے پیار سے گھبرا کیوں گئیں؟ ان کے پیار سے جان دینے پر کیوں تیار ہوگئیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کیا کہنا چاہتی ہو، ؟

لاجونتی :- انہوں نے کہا، ———

ہردیو :- پھر خاموشی، ——— ارے بھئی انہوں نے کیا کہا؟ وہ شادی کرنا چاہتی ہیں تم سے ؟

لاجونتی :- (بھرائی ہوئی آواز میں) ہماری جان پر بنی ہے، اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے، سچ کہہ رہی تھی پدمنی، دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہوتا، ———

اور یہ کہہ کر لاجونتی باقاعدہ رونے لگی، !

ہردیو نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بڑے جوش اور جذبہ کے عالم میں کہا،

ہردیو "اگر تم نے ایک منٹ کے اندر اندر نہ بتا دیا کہ بھابی نے کیا کہا تو میں ابھی جا کر ان کا گلا گھونٹ دوں گا"!

لاجونتی :- ہوں، ——— اور تم بچ جاؤ گے پھر؟

ہردیو :- نہیں، ——— لیکن مجھے ایسے بچنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ ——— نہیں بتاؤ گی انہوں نے کیا کہا، ؟

لاجونتی :- ان کے بھائی کے ایک صاحبزادے ہیں، بھگوان، اُن

لاجونتی :۔ شوق سے دم لیجئے، میں کچھ منع تو نہیں کرتی آپ کو، ! ——
لیکن آپ نے بات بنائی خوب ؟ ——————
یہ تو بتایئے، کیا کہنے آئے تھے، وہ خوش خبری کیا تھی، جس
کا اتنا چرچا ہو رہا تھا، ؟

ہردیو :۔ تو بتادوں پھر؟
لاجونتی :۔ نہیں بھئی، میں نہیں جانتی کچھ، اچھی طرح سے غور کر لیجئے،
ایسا نہ ہو کہ کچھ اونچ نیچ پڑے بعد میں، اور لینے کے دینے
پڑ جائیں اور آپ سارا الزام مجھ غریب پر ڈال دیں، !
یہ باتیں کرتے کرتے لاجونتی مسکرا دی، !
اسے مسکراتا دیکھ کر ہردیو کا دل بھی ناچ اٹھا، اس نے کہا،
" بس جی چاہتا ہے کہ تم آنکھوں کے سامنے بیٹھی اسی
طرح مسکراتی رہو، اور ہم دیکھتے رہیں، !
لاجونتی جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اس نے کہا، !
" اچھا اب اس وقت تو اجازت دیجئے، بہت دیر
ہوگئی ہے، مجھے یہاں بیٹھے بیٹھے "
ہردیو :" کہاں جاؤگی ؟ مہارانی صاحبہ کے پاس، !
لاجونتی :۔ ہاں وہیں جا رہی ہوں، شام کو ہر روز مجھے ان کے پاس
بڑی دیر تک بیٹھنا پڑتا ہے، !
ہردیو :۔ یہ کیوں آخر ؟ —— اس فضول کام کا مقصد ؟

یہ بات آج مجھے معلوم ہوئی ، لیکن مہارانی کی آشا (امید)
پوری ہو ، یہ بھی نہیں ہو سکتا ، لاجونتی ، لاجونتی ہے ،
وہ کسی کی زر خرید یونڈی نہیں ہے ، ! "
ہردیو نے سنجیدہ بن کر کہا ' !
" کیسی باتیں کرتی ہو ، لاجونتی ؟ ———————
جب تک ہردیو زندہ ہے تم کسی کی نہیں بن سکتیں ،
کسی میں ہمت نہیں کہ تمہاری طرف ہاتھ بڑھا سکے ،
اور اگر کسی نے ایسی جرأت کی تو دیکھ لینا ، کیا ہوتا ہے '
——————— لیکن میں تو ایک دوسری بات کہنے آیا
تھا ، ایک خوشخبری سنانے ، ! "

ان باتوں سے لاجونتی کی ڈھارس بندھی اس نے پوچھا ،
" تو وہ کون سی بات ہے ، جو تم کہنے آئے تھے ،
" وہ خوشخبری کیا ہو سکتی ہے ؟ یہ تو میری سمجھ میں نہیں آتا " !

ہردیو :- آجائے گا ، ابھی آجائے گا ، ——————— (پھر لاجونتی کی طرف
دیکھ کر) یہ کمھلایا ہوا پھول تر و تازہ ہو جائے گا ، یہ سوگوار
تبسم ، نشاط ، مسرت ، اور خوشی کا آئینہ دار بن جائے گا " !

لاجونتی :- لیکن یہ سب کچھ کب ہوگا ؟ کہتے کیوں نہیں کیا بات ہے ؟

ہردیو :- کہہ دوں گا ، سن لینا ، اتنی جلدی کیا ہے ؟ ——————— خدا
دم تو لینے دو " !

لاجونتی :- ہنسکر فضول کام کی بھی خوب رہی، یہ رنو اس کا معمول ہے'!

ہردیو :- ہوا کرے تمہیں اس پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں'!

لاجونتی :- ابھی تو آپ کا حکم نہیں چلتا مجھ پر، مہارانی ہی کا چلتا ہے'!

ہردیو :- اور اگر انہوں نے پھر وہی بات چھیڑ دی تو کیا ہوگا؟

لاجونتی :- بتائیے آپ؟

ہردیو :- آخر تمہاری سمجھ میں کیا آتا ہے؟ کیا کہو گی؟

لاجونتی :- وہی جو پہلے کہا تھا'!

ہردیو :- یعنی ——— ؟ کیا کہا تھا ہم بھی تو سنیں

لاجونتی :- بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا جواب دینے سے خاموش رہنا بہتر ہے'! نہ پہلے کوئی جواب دیا تھا اور نہ اب دوں گی!

ہردیو :- نہیں ——— ہمت سے کام لو، اور صاف صاف کہہ دو، اپنے بھگوان جی کو اپنے دامن سے باندھ کر رکھئے، آئندہ ان کا ذکر کبھی نہ کیجئے گا'!

لاجونتی :- یہ کہہ دوں؟ ——— تم کہتے ہو، اجازت ہے تمہاری؟

ہردیو :- ہاں ——— کچھ تامل تو نہیں تم کو، یہ کہنے میں؟ تم خود نہ کہنا چاہو تو دوسری بات ہے۔

لاجونتی :- تامل اور جھجک تو کچھ نہیں، لیکن یہ سوچتی ہوں کہ کہیں وہ تمہاری دشمن نہ بن جائیں؟

لاجونتی :۔ میں بھی نہیں پوچھتی، نہ کہو، !
ہردیو :۔ روٹھ گئیں، تم تو، !
لاجونتی :۔ ہاں روٹھ تو گئی، جیسے تم منا ہی تو لو گے مجھے، !
ہردیو :۔ بے شک مناؤں گا، کیسے نہیں منو گی، بھلا ہردیو کسی کو منائے اور وہ نہ منے؟ یہ ہو سکتا ہے؟
لاجونتی :۔ بڑا بھروسہ ہے اپنے اوپر، !
ہردیو :۔ ہاں کیوں نہیں، ——— لیکن اپنے اوپر نہیں، اپنے اوپر تو سب کو بھروسہ ہوتا ہے، !
لاجونتی :۔ پھر کس پر ہے، یہ بھروسہ آپ کا؟
ہردیو :۔ لاجونتی پر، ——— جو میرا دل ہے، میری جان ہے، میری روح ہے، میرا سرمایۂ نشاط و طرب ہے، میری سب سے قیمتی پونجی ہے، جسے میں جان و دل سے چاہتا ہوں، جو سچائی کے ساتھ مجھ سے پریم کرتی ہے؟ ———
کیوں لاجونتی، میں غلط تو نہیں کہتا، ؟
لاجونتی :۔ ہم نہیں جانتے، ؟
ہردیو :۔ واہ تم نہیں جانتیں، تو یہ ٹیڑھا سوال پھر کس سے کریں؟
لاجونتی :۔ خود اپنے آپ سے، !
ہردیو :۔ اگر فیصلہ ہم پر چھوڑتی ہو تو ہم وہی کہیں گے جو ابھی کہہ رہے تھے، !

نہ ہو تو کوئی کام بھی بن سکتا ہے؟ ——— اچھا ہاں ایک بات
تو بتاؤ : میں نے سنا ہے تم پھر کہیں جا رہے ہو'؟

ہردیو نے جواب دیا'
نہیں میں کہیں نہیں جاتا ، راجکمار منگل دیو تیرتھ یاترا
کو جا رہے ہیں' مجھے بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے'
میرا خیال تو ہے یہ بھی مہارانی کی حرکت ہوگی'———

لاجونتی :- " ہاں ضرور' انہی کی حرکت ہوگی کہ تم ٹل جاؤ تو من مانی کر
گزریں "! ہرگز نہ جانا ،

ہردیو :- ——— میں ایسا بے وقوف کب ہوں؟ میں نے انکار
کر دیا ، میں نے کہا' میں نہیں تیرتھ یاترا کروں گا ،

لاجونتی :- بہت اچھا کیا' ——— اتنا بڑا رن مار کر آئے ہو ، ذرا
ستاؤ ، آرام کرو ، ابھی آئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں'

ہردیو :- اجی اور کیا' ——— یہ بھی کوئی تیرتھ یاترا کا زمانہ ہے'
یہ چیزیں بڑھاپے میں اچھی لگتی ہیں'! بوڑھے ہونے کے بعد
ہم تم دونوں ساتھ ساتھ چلیں گے'!

لاجونتی مسکرا دی'!

ہردیو :- کیوں میری دشمن کیوں بنیں گی ؟ میں نے کیا بگاڑا ہے اُن کا ؟ ـــــــــ

لاجونتی :- جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ میں کس کے لئے انکار کررہی ہوں تو کیا وہ تمہاری دشمن نہیں ہو جائیں گی ؟

ہردیو : (استغنا سے) اوہ ، ـــــ میں کوئی پرواہ نہیں کرتا ، ـــــ خود مہاراج انہیں بتا چکے ہیں سب کچھ ' ـــــ

یہ سنکر لاجونتی چونک پڑی ، اس نے بڑی حیرت کے ساتھ پوچھا ،

لاجونتی :- کیا مہاراج ہمارے راز سے واقف ہیں ؟

ہردیو :- نہیں ، ـــــ لیکن ان کی یہ رائے ہے کہ لاجونتی ہردیو کے لئے ، اور ہردیو لاجونتی کے لئے ضروری ہیں ' ؟

لاجونتی :- (خوش ہوکر) سچ ؟ ـــــ کیسے جانا تم نے ؟

اور پھر ہردیو نے ساری کتھا از اول تا آخر سنا ڈالی ، !

یہ تفصیل سنکر لاجونتی بہت خوش ہوئی ، اس نے کہا ،

لاجونتی :- " بھگوان کا شکر ہے ، اس نے ہم پر رحم کیا ، ہماری سن لی "

ہردیو :- " میرے سامنے بھگوان کا نام نہ لیا کرو ، ! "

لاجونتی مسکرا دی ،

لاجونتی " واہ ہم تو اپنے بھگوان کی باتیں کررہے ہیں ، ان کی کرپا

قدم باہر نکال رہا ہے، مہارانی کی خوشی اور مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی، وہ اس خوشی میں جلائی کا غم بھی بھول گئی تھیں انہوں نے آگے بڑھ کر بیٹے کے ماتھے پر اپنے ہاتھ سے تلک لگایا اور دعائیں دیں، منگل دیونے سر جھکا کر پرنام کیا، چرن (قدم) چومے اور روانہ ہو گیا، تماشہ دیکھنے والوں میں لاجونتی بھی تھی اور ہر دیو بھی، ہر دیو مہاراجہ کے قدم سے قدم ملائے کھڑا تھا اور لاجونتی مہارانی کے شانہ سے شانہ ملائے کھڑی تھی!

اس تقریب کے تین چار روز بعد ایک دن مہاراجہ نے ہر دیو کو بلایا اور اُسے خوشخبری سنائی کہ لاجونتی کا عندیہ لے لیا گیا، اور منگل دیو کے آتے ہی رسم شادی انجام پا جائے گی، اس اثنا میں تیاریاں ہوتی رہیں گی، یہ سنکر ہر دیو نے مہاراجہ کا شکریہ ادا کیا اور کہا،

"یہ مہاراج کی کرپا ہے سچ تو یہ ہے کہ جب تک جان میں جان ہے مہاراجہ کے شکر و سپاس کا حق ادا نہیں ہو سکتا"!

مہاراج نے شفقت سے ہر دیو کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور کہا،

"تم ہمارے بیٹے ہو، ہم نے جو کچھ کیا ہمارا فرض تھا!"

محل میں دھوم دھام سے لاجونتی اور ہر دیو کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں، جیسے جیسے منگل دیو کے آنے کے دن قریب آتے

باب (۵)

اور اچانک ایک دن!

راج کمار منگل دیو بڑی دھوم دھام کے ساتھ ایک بہت بڑا لشکر لے کر شاہانہ تزک و احتشام سے تیرکتھ یاترا پر روانہ ہو گیا، اسے رخصت کرنے کے لئے شہر کے عوام اور خواص، وزیر و امیر، حتیٰ کہ خود مہاراج رام دیو تک شہر پناہ سے باہر تک آئے، جیکاروں کے نعرے بلند ہو رہے تھے، داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے جا رہے تھے، پھولوں کی بارش ہو رہی تھی، عطر اور گلال کا چھڑکاؤ ہو رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے سکندر اعظم، دنیا فتح کرنے کے لئے مقدونیہ سے

یہ ہوا تھا کہ جس روز منگل دیو آئے گا اس دن بڑے جاہ وتجمل سے اس کا شاہانہ استقبال کیا جائے گا، اس کی آمد کی خوشی میں جشن منایا جائے گا، اور اس جشن مسرت کے دوران میں لاجونتی اور ہردیو کی شادی کردی جائے گی، لیکن انسان سوچتا کچھ ہے، ہوتا کچھ ہے، چاہتا کچھ ہے، اور بھگتنا کچھ پڑتا ہے، یہی بات لاجونتی اور ہردیو کے ساتھ ہوئی، نہ صرف ان دونوں کے ساتھ بلکہ خود راجہ رام دیو اور المیان شہر کے ساتھ بھی،

ایک روز صبح سویرے جب لوگوں کی آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ شہر محاصرہ میں ہے اور جلال الدین خلجی شہنشاہ دلی کا بھتیجا اور داماد علاؤالدین خلجی، جو کڑہ مانک پور کا صوبہ دار تھا اچانک اپنی فوجیں لے کر اتنا دور دراز کا فاصلہ طے کرتا، طرح طرح کی مصیبتیں اور پریشانیاں برداشت کرتا، دیوگڑھ[1] پہنچ گیا ہے،

راجہ رام دیو اگرچہ مرہٹہ نسل سے تھا اور بڑا بہادر تھا، لیکن اس اچانک حملے سے اس کے اوسان خطا ہو گئے اس لئے کہ ایک

---

[1] دیوگڑھ اب ریاست حیدرآباد دکن کا ایک حصہ ہے جسے دولت آباد اور خلد آباد کہتے ہیں، یہ مقام اورنگ آباد دکن سے بہت قریب ہے، شہنشاہ اورنگ زیب کا مزار بھی یہیں ہے نیز حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے دو خلفا، خواجہ حسن اور مولانا برہان الدین غریب بھی یہیں آسودہ خاک ہیں۔۔۔
یہ واقعہ ۶۹۳ھ کا ہے!!

جاتے تھے ایسے ایسے لاجونتی اور ہردیو کی خوشیوں میں اضافہ ہورہا تھا، ہر روز جو دن گذرتا تھا، فراق کی مدت میں ایک دن کم کردیتا تھا" اور وصال دائمی کو ایک دن کے بقدر اور زیادہ قریب کردیتا ،!

جب تک منگنی نہیں ہوئی تھی اور شادی کی تاریخ کا باقاعدہ اعلان نہیں ہوا تھا اس وقت تک ہردیو اور لاجونتی میں ملاقات ہوتی رہتی تھی، باتیں ہوتی رہتی تھیں، غم فراق اور آرزوئے وصل کی حکایتیں، بیان ہوتی رہتی تھیں، لیکن جب سے منگنی ہوئی تھی اور شادی کی تاریخ مقرر ہوئی تھی ان دونوں کا ملنا جلنا یکسر بند ہوگیا تھا، مہارانی اگر اس رشتہ سے خوش ہوتیں تو کبھی کبھی ملنا جلنا اب بھی ہوسکتا تھا لیکن چونکہ وہ خفا تھیں، کیونکہ ان کی مرضی کے خلاف وہ ہردیو کو عطا کردی گئی تھی اس لئے اور زیادہ محتاط رہنا پڑتا تھا دونوں کو ورنہ مفت میں بات کا بتنگڑ بن جاتا"!:

بعض دفعہ حادثات اتنی خاموشی سے واقع ہوتے ہیں کہ ان کا سان وگمان بھی نہیں ہوتا، !———— اور جب وہ واقع ہوچکتے ہیں تب آدمی سوچتا ہے یہ کیا ہوا! ؟

منگل دیو کے آنے میں اب صرف ایک ہفتہ رہ گیا تھا، شہر کی رونق اور گہما گہمی میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہوگیا تھا، طے

اس اثناء میں منگل دیو، تیرتھ یترا سے فارغ ہوکر اپنی فوج گراں کے ساتھ واپس آرہا تھا۔ کہ دیوگڑھ پر پہنچنے سے پہلے اسے اس حادثہ کی اطلاع ملی، اس نے "شرائط صلح" کا ذکر سنتے ہی سرپر ہاتھ مارا اور کہا،

"ہائے ری قسمت، ہم مرہٹے اب اتنے بزدل ہوگئے ہیں کہ یوں بغیر لڑے کھڑے۔ ایک غریب ملک کے رہنے والے، ایک غیر ملک کے مذہب پر عمل کرنے والے شخص سے دب جائیں اور اس کا کہا مان لیں، اس سے صلح کرلیں، ——— نہیں، جب تک منگل دیو زندہ ہے یہ نہیں ہوسکتا، اب یا علاؤالدین زندہ رہے گا، یا منگل دیو، زندگی کی دیوی دونوں پر بیک وقت مہربان نہیں ہوسکتی، اسے ہم دونوں میں سے ایک کو چننا پڑے گا، !"

پھر منگل دیو نے اپنی فوج کا جائزہ لیا تو بہت خوش ہوا اس طرح کے ساز و سامان سے آراستہ فوج موجود تھی جو علاؤالدین کی فوج سے کئی گنی زیادہ تھی اور ایک بات اور بھی تھی یہ کہ یہ فوج تازہ دم تھی، اس کے حوصلے بلند تھے، علاؤالدین کی فوج تھکی ہوئی تھی، اس کے حوصلے پست ہورہے تھے، اسے یقین ہوگیا کہ ہم جیتیں گے!

لیکن لشکر میں ایک اور شخص بھی تھا، جہاں دیدہ، کارآزمودہ، سرد و گرم

تو افواج کا بڑا حصہ منگل دیو کے ساتھ تتر بتر یا تاراکو گیا ہوا تھا دوسرے، اس حملے آنا جواس باختہ کر دیا تھا کہ اسے اپنی شکست کا یقین ہو گیا تھا لہٰذا وہ کسی قیمت پر بھی علاؤالدین سے جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ اس نے اپنا ایلچی خلجی کی خدمت میں بھیجا، اور استدعا کی کہ صلح کر لی جائے۔!

چونکہ جنگ (باقاعدہ) نہیں ہوئی تھی اور راجہ نے لڑنے کے مقابلہ میں "صلح" کو ترجیح دی تھی لہٰذا شرائط صلح یہ طے پائے کہ مہاراجہ رام دیو باج اور خراج کے طور پر کچھ نہیں دینگے

"البتہ جو ساہوکار اور مہاجن علاؤالدین نے محاصرہ میں گرفتار کر لئے ہیں۔ ان سے وہ جتنا چاہے فدیہ لے سکتا ہے، علاؤالدین نے یہ شرط بغیر کسی تامل کے قبول کر لی، چنانچہ گرفتار شدہ ساہوکاروں اور مہاجنوں کے وارثوں نے جو "فدیہ" اس کی خدمت میں پیش کیا ان میں پچاس من سونا اور کئی من موتی شامل تھے"۔[1]

خلجی نے یہ رقم وصول کر کے لشکر میں واپسی کا اعلان کر دیا، چنانچہ روانگی کی تیاریاں ہونے لگیں اور دیوگڑھ کے لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا"!

---

[1] ہردیو کا فارسی زبان میں لکھا ہوا روزنامچہ "چہل روز" ملاحظہ ہو۔

اور سپاہیوں کے ساتھ فوجی کمک لینے کے لئے اڑوس پڑوس
کی ہندو ریاستوں کا دورہ کرنے نکل کھڑا ہوا تاکہ ضروری امداد
حاصل کرکے جلد از جلد متحدہ یلغار شروع کردی جائے، جلدی اس
لئے تھی کہ اندیشہ تھا کہیں، وہ متحدہ افواج کے پہنچنے سے پہلے
بھاگ نہ جائے"!

چشیدہ، یہ تھا بوڑھا سپاہی روپ سہائے، اس نے ادب سے ہاتھ جوڑ کر ولی عہد سلطنت سے کہا،

"بے شک ہماری فوج تازہ دم ہے، تعداد میں زیادہ ہے، بہادر اور دلیر ہے، اور یقیناً یہ علاؤ الدین خلجی کے سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دے گی، پھر بھی عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ آس پاس کے رجواڑوں اور ریاستوں سے بھی مدد لی جائے، اور جو فوج خلجی پر حملہ کرے وہ صرف آپ کی نہ ہو بلکہ متحدہ فوج ہو، اس میں بہت سے راجاؤں اور مہاراجاؤں کی فوج شامل ہو تاکہ خلجی کو بھاگنے کا راستہ نہ مل سکے، تاکہ اس کا ایک سپاہی بھی زندہ بچ کر نہ جا سکے، تاکہ آیندہ کے لئے ترکوں[1] کو یہ حوصلہ نہ ہو کہ وہ ہم پر چڑھائی کا ارادہ بھی کریں، خلجی اور اس کے سپاہیوں کو ایسا سبق ملنا چاہئے کہ دوسرے بھی اس سے عبرت حاصل کریں"

بات معقول تھی، منگل دیو کی سمجھ میں آ گئی، اس نے اپنے لشکر کو ہدایت کی کہ وہ اسی جگہ قیام کریں اور جب تک حکم نہ ملے اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں اور خود روپ سہائے اور چند دوسرے ساتھیوں

---

[1] اس زمانہ میں "ترک" کا لفظ مسلمانوں کے لئے، عام ہو گیا تھا، ہر ہندو، مسلمان کو مسلمان نہیں "ترک" کہتا تھا!

ہم ان سب چیزوں سے پیار کرتے ہیں، کسی طرح بھی ان سے دست بردار نہیں ہو سکتے، لیکن ایک سرپھرا ترک علاؤالدین خلجی کچھ لٹیروں کو لے کر آ دھمکا ہے، پتاجی بوڑھے ہو چکے ہیں، ہمت ہار بیٹھے لیکن میری رگوں میں زندگی اور جوانی کا خون دوڑ رہا ہے، میں تو اپنے دھرم کی توہین برداشت نہیں کر سکتا، میرے پاس بہت بڑی فوج ہے، اور جتنی بڑی ہے، اس سے زیادہ بہادر بھی ہے، ہیرے جواہرات کے ڈھیر اور سونے چاندی کی سلیں میرے لشکر کے بازاروں میں چل کر دیکھ لو۔ اناج اتنا ہے کہ سالہا سال کے لئے کافی ہے، میں اکیلا اس مہم کو سر کر سکتا ہوں، علاؤالدین خلجی کے چھکے چھڑا سکتا تھا، اس کے لٹیرے ساتھیوں کو ناکوں چنے چبوا سکتا تھا، اس کی فوج کو مولی گاجر کی طرح کاٹ کر پھینک سکتا ہوں، لیکن نہیں، یہ ثواب میں اکیلا لوٹنا نہیں چاہتا، آؤ میرا ساتھ دو، آنے والی نسلیں تمہارے کارناموں پر فخر کریں گی، بھگوان نئی زندگی میں تمہیں ایسے انعامات دے گا، جن کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے، ——!

یہ تقریر نہ تھی، جادو تھا، ہر راجہ بھڑک اٹھا، اور اپنا لاؤ لشکر لے کر ساتھ ہو گیا، منگل دیو اپنے لشکر میں، بہت سے لشکر لے کر پہنچا۔ تو ہر شخص کے دل میں نیا حوصلہ اور نیا جذبہ پیدا ہو گیا وہ اپنے زرکار اور زرنگار خیمہ میں ان راجاؤں۔ مہاراجاؤں کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا، سروپ سہائے کو اپنا ایلچی بنا کر باپ کے پاس بھیجا

باب (۶)

نافرمان بیٹا!

منگل دیو آس پاس کے رجواڑوں کے پاس پہنچا اور اُس نے دھرم کے نام پر ایک آگ لگا دی، اُس نے ہر راجہ کے قدم پکڑ لئے اور کہا، ہم پشت ہا پشت سے حکومت کرتے چلے آرہے ہیں، دیس اپنا ہے، ملک اپنا ہے، جنتا اپنی ہے، ہمارا دھرم سب سے الگ ہے، ہماری رسمیں سب سے جدا ہیں۔ ہمارے طور طریقے، ہمارا رہنا سہنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، ہر چیز میں ایک انفرادیت ہے، ایک امتیاز ہے، ہمیں اپنے دھرم پر، قوم پر، رسم و رواج پر، بھروسہ ہے،

باتیں کر رہا تھا، سروپ سہائے کو دیکھ کر رام دیو نے شفقت اور مہربانی کے لہجہ میں کہا،

"ہم منگل دیو سے خوش ہیں کہ وہ یہاں نہیں آیا، اس سے کہو سیر و شکار میں چند دن اور بسر کرے اور علاؤالدین خلجی کے واپس جانے کے بعد راجدھانی میں قدم رکھے"

سروپ سہائے نے دست بستہ پرنام کیا اور کہا، !

"مہاراج۔ راج کمار نے تو کچھ اور کہلایا ہے"!"

رام دیو۔ منگل دیو نے کوئی پیام بھیجا ہے؟ ——— کیا کہلوایا ہے اس نے؟ کہتے کیوں نہیں؟

سروپ سہائے:۔ انہوں نے کہلایا ہے کہ آپ راج سنگھاسن (تخت حکومت) کا حق کھو چکے ہیں، میں خلجی سے نبٹ کر آتا ہوں اور اب راج پاٹ میرے ہاتھ میں ہوگا، نہ کہ آپ کے، بوڑھا خون سرد ہو جاتا ہے وہ جوان خون کی گرمی نہیں لا سکتا۔

رام دیو:۔ (زہر خندہ کے ساتھ) اُس سے کہہ دینا، راج پاٹ کی آرزو واقعی اب میرے دل میں نہیں رہ گئی ہے، وہ جب چاہے آئے، میں خود تاج شہریاری اس کے سر پر رکھوں گا، لیکن وہ ابھی ناتجربہ کار ہے، ترکوں سے؛ اور ان کی قوت سے

میرے باپ سے کہنا ، مجھے آپ کے بڑھاپے پر رحم آتا ہے ، دُنیا کے دھندے چھوڑیئے اور آرام سے راج محل کے گوشہ میں بیٹھ کر خدا کو یاد کیجئے ، میں آگیا ہوں اور اس ترک سے ایسا نبٹوں گا کہ زندگی بھر یاد کرے گا ،

پھر اس نے سروپ سہائے سے کہا ،

پتا جی سے یہ باتیں کہہ کے علاؤ الدین خلجی کے لشکر میں جانا اور اس سے کہنا ، بغیر کسی جھجک اور خوف کے کہنا ،

" تم نے ایک بوڑھے اور کم ہمت راجہ کو دبا لیا اور سمجھ بیٹھے کہ دیوگڈھ تمہارے زیر نگیں ہو گیا ، یہ تمہاری بھول تھی ، دیوگڑھ کا مالک میں ہوں ، اگر بہادر ہو تو میدان میں آؤ ، دو دو ہاتھ ہو جائیں ، اگر بزدل ہو تو رات کی تاریکی پردہ پوشی کرے گی ، جدھر منہ اٹھے بھاگ جاؤ ، ہم بہادر ہیں اور بہادر بھگوڑوں کا پیچھا نہیں کیا کرتے ، لیکن جانے سے پہلے وہ ساری رقم جو تم نے ہمارے مہاجنوں اور ساہوکاروں سے فدیہ کے طور پر حاصل کی ہے ، واپس کرتے جاؤ[1] "

سروپ سہائے سیدھا راجہ رام دیو کے پاس پہنچا ، وہ اس وقت رنواس میں اطمینان سے بیٹھا ہر دیو سے ادھر اُدھر کی

---

[1] ملاحظہ ہو ہر دیو کی کتاب " چہل روز "

ہردیو راج کمار کے لشکر میں پہنچا ، اور راجہ رام دیو کی باتیں اس کے گوش گذار کیں ، یہ باتیں سنکر وہ تلملا اُٹھا ، اُس نے حقارت کی ایک نظر ہردیو پر ڈالی اور کہا ، !

راجہ منگل دیو :- یہ پیام تم لے کر آئے ہو ؟ ہردیو تم ؟ ——— ہم تمہیں اپنا دست و بازو سمجھتے تھے ، تمھاری بہادری پر ہمیں ناز تھا ، تمہاری تلوار کا ، جو ہر ہم نے دیکھا ، اور فخر کے ساتھ دیکھا ، لیکن یہ نہ معلوم تھا کہ تمہارے سینہ میں بھی وہ دل دھڑک رہا ہے جو قدرت صرف عورتوں کو عطا کرتی ہے پتا جی سے کہہ دینا وہی ہوگا جو میرا فیصلہ ہے ——— ہردیو ، اب تم واپس جا سکتے ہو ، لیکن ٹھیرو ، کہیں راستہ میں کوئی ترک سپاہی نہ مل جائے ، اور تم اُسے دیکھکر بیہوش نہ ہو جاؤ ، ہمارے دس جوان تمھارے ساتھ جائیں گے ، تمھاری حفاظت کریں گے ، خود کٹ مریں گے ، لیکن تم پر آنچ نہ آنے دیں گے ، جاؤ اور محل کے ایک گوشہ میں دبک کر بیٹھ جاؤ ، آرام سے ، ذرا بھی نہ ڈرو ، ترک سپاہی لاکھ بہادر ہوں لیکن منگل دیو سے ٹکرّ نہیں لے سکتے ، تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے جاؤ ، !

ہردیو :- (انتہائی برہمی کے عالم میں) راج کمار یہ باتیں اگر کسی اور نے کہی ہوتیں تو اُس کی لاش تڑپ رہی ہوتی ، لیکن

ناواقف ہے، اس لڑکپن میں وہ خود بھی ڈوبے گا اور قوم
کو بھی لے ڈوبے گا"!

سروپ سہائے:- نہیں مہاراج، یہ بات نہیں، راج کمار بہادر ہیں،
نڈر ہیں، جیالے ہیں، وہ خلجی کو ایسی شکست دیں گے کہ وہ
سات پشتوں تک یاد رکھے گا، انہوں نے غضب کی تیاریاں
کر لی ہیں، وہ ہار نہیں سکتے!

رام دیو:- کاش ایسا ہو سکتا، لیکن جو کچھ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں
تم میں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا، وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے، میرے
دل کا سرور اور آنکھوں کا نور ہے، اسے دیکھ لیتا ہوں تو
میرا بوڑھا دل پھر سے جوان ہو جاتا ہے، اسے دیکھ کر میرے
خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے، اگر میں نے اسے کھو دیا تو کیا
کروں گا؟ یہ زندگی وبال بن جائے گی میرے لئے، بٹیا ہردیو
تو راج کمار کے پاس جا، اسے سمجھا اور راہِ راست پر لانے کی
کوشش کر، اس سے کہنا: "اگرچہ تیری فوج خلجی کی فوج سے
کئی گنا زیادہ ہے، پھر بھی مجھے کامیابی کی امید نہیں، ابھی ہمارا کچھ
نہیں گیا ہے، صرف رعایا نے کچھ دیا ہے، رعایا کا نقصان ہم
پورا کر دیں گے، تو اس بلا کو یہاں سے جانے دے، راستہ
روک، مقابلہ نہ کر" سروپ سہائے تم واپس جاؤ"!

سروپ سہائے واپس چلا گیا"!

توہین کرے گا تو یہ تلوار کوڑے کی طرح برسے گی۔ شیر بھی اگر مجھے حقارت کی نظر سے دیکھے تو اس کا کلہ چیر ڈالوں گا۔ مست اور چنگھاڑتے ہوئے ہاتھیوں کی فوج بھی مجھے راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ میں ہر دیو ہوں، ننگل دیو نہیں؟

راجکمار:۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) خود ہمارا بھی تمھارے بارے میں یہی خیال تھا، بلکہ ہم تمھیں اس سے بھی زیادہ سمجھتے تھے۔ ہمارا عقیدہ تھا کہ ہر دیو شجاعت اور دلیری کا پتلا ہے اور کاش ہمارا یہ عقیدہ قائم رہتا! کاش ہمارے اعتماد کو صدمہ نہ پہنچتا، کاش ہمارے حسنِ ظن کا قلعہ یوں منہدم نہ ہوتا!

ہر دیو:۔ بتائیے، آپ نے اپنا عقیدہ کیوں بدلا؟ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے، میرا کھلونا صرف تلوار رہی ہے، کیا یہ غلط ہے؟ کیا آپ اس کی شہادت دینے سے انکار کرتے ہیں؟

راجکمار:۔ بالکل سچ کہتے ہو میرے دوست، میرے بھائی، میرے عزیز!

ہر دیو:۔ یہ بھی سچ ہے، اور وہ بھی سچ، یہ نہیں ہو سکتا، آپ مجھے بہادر بھی مانتے ہیں، اور بزدل بھی، آپ مجھے تلوار کا دھنی بھی سمجھتے ہیں، اور بھگوڑا بھی، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دونوں باتیں ایک وقت میں سچی نہیں ہو سکتیں!

میں آپ کو معاف کرتا ہوں، آئندہ ایسی باتیں نہ کہئے گا!

راجکمار :- اوہ، ——— تم ہمیں معاف کرتے ہو؟ شکریہ، تمھیں غصہ آگیا شاید، تم اپنی بہادری کی توہین نہ برداشت کر سکے، ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے تمہارا دل دکھایا، تمہاری بہادری پر طعنہ زن ہوئے،

ہردیو :- میرا دل اتنا کمزور نہیں، کہ چند بے معنی الفاظ اسے دکھ پہنچا سکیں،

راجکمار :- پھر تمھارا چہرہ سُرخ کیوں ہو رہا ہے؟ تمہارے بدن پر لرزہ کیوں طاری ہے؟ تمھاری آنکھوں سے انگارے کیوں برس رہے ہیں؟ تمہاری تیوریاں کیوں چڑھی ہوئی ہیں؟"

ہردیو :- اس لئے کہ کوئی بہادر آدمی جھوٹ کو برداشت نہیں کر سکتا آپ نے میرے بارے میں غلط رائے قائم کی، غلط بیانی سے کام لیا، جھوٹ بولے!

راجکمار :- یعنی تم بہادر ہو؟ ہم نے غلطی سے تمہیں بُزدل سمجھ لیا؟

ہردیو :- آپ کو اگر میری بہادری میں کوئی شبہہ ہے تو (میان سے تلوار نکال کر) آئیے، ابھی فیصلہ ہوا جاتا ہے!

راجکمار :- تم ہم سے لڑنا چاہتے ہو؟ لڑوگے ہم سے؟ اب تم اتنے گستاخ ہوگئے ہو کہ ہمارے سامنے تلوار نکالتے ہو؟

ہردیو :- ضرور لڑوں گا، آپ ہی سے نہیں، اگر پہاڑ بھی میری

سکتے، سمجھانے نہیں۔"

راجکمار :۔ لیکن کس لئے؟ کیا اس لئے نہیں کہ ہم ایک غیر ملکی بادشاہ کی غلامی قبول کر لیں؟ اسے باج دینا منظور کر لیں؟ اس کی رعایا بن جائیں؟

ہردیو :۔ ہرگز میرا یہ مقصد نہیں تھا!

راجکمار :۔ پھر کیا تھا تمہارا مقصد؟

ہردیو :۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ آپ کو یہ بتا دوں کہ مہاراج آپ کے اقدام وعمل کے بارے میں کیا رکھتے ہیں؟ جو کچھ آپ کر رہے ہیں، جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں، اس کے بارے میں مہاراج کی رائے کیا ہے؟

راجکمار :۔ تمہارا وہ مقصد پورا ہو گیا، ہم نے سن لیا، تم نے کیا کہا اور مہاراج نے کیا کہلایا، اب ہمارے چند سوالوں کا جواب دو،

ہردیو :۔ فرمائیے، کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ؟ میں ضرور جواب دوں گا،!

راجکمار :۔ کیا ہمارے لئے یہ مناسب ہے کہ خلجی کی غلامی قبول کر لیں،؟ —— ایمان سے کہنا،!

ہردیو :۔ ہرگز نہیں، کوئی خود دار اور قوم پرست آدمی ایسا مشورہ نہیں دے سکتا،!

راجکمار :۔ تم نے یہ ایسی بات کہی، جو تمہارے شایانِ شان ہے،

راجکمار:۔ ہاں، لیکن اس کا جواب اپنے آپ سے لو'! خود اپنے دل سے پوچھو، اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو، اپنے کردار پر نظر ڈالو'!

ہردیو:۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں، آپ بھی تو کچھ کہئے'، ویسے مجھے معلوم ہے کہ میں کیا ہوں!

راجکمار:۔ (بہت زور سے گرج کر) مجھ سے سننا چاہتے ہو، سن سکو گے تم؟

ہردیو:۔ ضرور، شوق سے سنوں گا'! اشتیاق ہے مجھے آپ کے فرمودات سننے کا'!

راجکمار:۔ تم بہادر ہو، جیالے ہو، دلیر ہو، "تلوار تمہارا کھلونا ہے'، تم پہاڑ سے ٹکرا سکتے ہو، شیر سے لڑ سکتے ہو، سمندر کی ہیبتناک موجوں سے مقابلہ کر سکتے ہو، لیکن علاؤ الدین خلجی سے نہیں لڑ سکتے'، تم اتنے بڑے بزدل ہو کہ ہمیں سمجھانے آئے ہو کہ ہم بھی اس سے نہ لڑیں ——— ہردیو، بحث کی ضرورت نہیں۔ تم مجھے قائل نہیں کر سکتے، تم اپنے نفاق کو چھپا نہیں سکتے، اپنے گریبان میں منہ ڈالو، اور خود غور کرو، کیا ایک بہادر کو وہی کرنا چاہئے جو تم کر رہے ہو؟ بہادر اور ساونت ایسے ہی ہوتے ہیں، جیسے تم؟

ہردیو:۔ میں صرف مہاراج کا ایلچی بن کر آیا ہوں، اپنی بہادری کا

ہم ایک ایک انچ زمین کے لئے اپنی جان لڑا دیں گے ایک چپہ پر بھی کسی غیر کا قبضہ برداشت نہیں کر سکتے ۔

راجکمار:۔ (بلند آواز سے) اگر تم سچے ہو، تو تمہاری تلوار میان سے باہر کیوں نہیں نکلتی؟ آؤ ہمارا ساتھ دو، اسے بھول جاؤ کہ مہاراج نے کیا کہا؟ اسے یاد رکھو کہ ہمارا دھرم کیا کہتا ہے؟ ہمارا فرض کیا کہتا ہے؟ ہمارا دل کیا کہتا ہے؟ ہمارا ضمیر کیا کہتا ہے؟ دیکھو وہ میدانِ جنگ سامنے ہے، آج وہاں سناٹا چھایا ہوا ہے، کل خون کی ندی بہے گی، ممکن ہے اس ندی میں ہمارا سر بھی تیر رہا ہو، لیکن ہردیو ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ تمہارا سر بھی اس ندی میں تیرے، ہم جوان ہیں، ہماری رگوں میں خون گردش کر رہا ہے، اگر ہم نے ہتھیار ڈال دیئے، اگر ہم نے بھی بُزدلی دکھائی، اگر ہم بھی کچھ نہ کر سکے، اگر ہم نے بھی ہار مان لی، حوصلہ ہار گئے، تو بتاؤ یہ دھرتی ماتا ہم سے کتنی نفرت کرنے لگے گی؟ یہ آکاش ہم پر نفرت کے انگارے برسانے لگے گا، آنے والی نسلیں ذلّت اور حقارت کے ساتھ ہمارا نام لیں گی، ـــــــ ہردیو، ہمارے منہ سے یقیناً کچھ سخت الفاظ نکلے، ہم اس کی معافی چاہتے ہیں، معاف کردو، لیکن ہمارا ساتھ نہ چھوڑو، ہم جانتے ہیں تم بہادر

اب یہ بتاؤ، کیا ہمیں یہ گوارا کر لینا چاہئے کہ خلجی کی فوجیں شہر میں داخل ہوں اور شہریوں کو لوٹ لیں ؟

ہردیو :- ہرگز نہیں، کون محب وطن اور باہوش آدمی یہ رائے دے سکتا ہے ؟

راجکمار :- کیا کوئی خود دار شخص اپنی زندگی میں یہ دیکھ سکتا ہے کہ دشمن کا لشکر، مردوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈی بنائے ؟

ہردیو :- ہرگز نہیں، جو اسے برداشت کرے، وہ بزدل ہے، ملک و ملت کا غدار ہے۔

راجکمار :- کیا ہمارا دھرم اس کی اجازت دیتا ہے کہ ایک نئے دھرم کی بالا دستی قبول کر لیں ؟ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر لیں اور اس نئے دھرم کے پیروؤں کو اپنے اوپر مسلط ہونے کی اجازت دے دیں ؟

ہردیو :- ہرگز نہیں، ہمارا دھرم خود سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے، وہ کسی کی بالا دستی قبول نہیں کر سکتا !

راجکمار :- یہ لہلہاتے ہوئے کھیت، یہ سر سبز وادیاں، یہ گل پوش پہاڑ، یہ بل کھاتی ہوئی ندیاں، ہمارے ہیں، لیکن کل ان پر ایک ترک لٹیرا قابض ہو جائے گا۔ ہم پوچھنا چاہتے ہیں کیا باحمیت انسان جیتے جی اسے برداشت کر سکتا ہے ؟

ہردیو :- (بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ) ہرگز نہیں، قطعاً نہیں،

راجکمار:- ادھر آؤ، بالکل قریب!

ہردیو بالکل پاس آکر کھڑا ہوگیا، اور راجکمار نے بڑھ کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا، اس سے معانقہ کیا، اور بھرائی آواز میں کہا،

راجکمار:- دیکھتے ہو میرے پاس کتنا لاؤ لشکر ہے؟

ہردیو:- ہاں دیکھتا ہوں، آپ کا لشکر علاؤ الدین خلجی سے کئی گنا بڑا ہے،

راجکمار:- دیکھ رہے ہو، ہمارے ساتھ کتنے راجے اور مہاراجے ہیں، کتنی بڑی بڑی فوجیں ہیں؟ کہاں کہاں کے بہادر سُورما اور ساونت ہیں؟

ہردیو:- جی ہاں دیکھ رہا ہوں، چوٹی کے راجا مہاراجہ، سُورما اور ساونت آپ کے ساتھ ہیں۔

راجکمار:- لیکن ہم سچ کہتے ہیں یہ لشکر، یہ راجا، یہ مہاراجا، یہ سپاہی، ان میں سے کوئی چیز بھی ہمارے لئے اتنی باعث فخر و مسرت نہیں، جتنا تمہارا وجود، تم ان سب سے زیادہ گراں قیمت ہو، تمہیں پاکر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم نے سب کچھ پالیا ہے، دل اب اتنا مطمئن ہے جیسے ہم نے لڑائی جیت لی ہے،!

ہردیو:- یہ آپ کی نوازش ہے، کرم گستری ہے، ورنہ من آنم

ہو، اور تم جیسے بہادر بھی اگر وقت پر ساتھ نہ دیں تو پھر
اور کس سے توقع کی جا سکتی ہے' ؟

ہردیو:- (ایک تاثر کے عالم میں) راجکمار، ہردیو آپ کے
ساتھ ہے، وہ زندگی کی آخری سانس تک آپ کا ساتھ
دے گا، یقین کیجیے پہلے اس کی گردن کٹے گی۔ پھر آپ
زخمی ہوں گے،

راجکمار:- (بے انتہا مسرور ہوکر) سچ کہتے ہو ہردیو؟ تمہاری اس
بات کو مان لوں ؟

ہردیو:- بالکل سچ، آپ نہیں مانیں گے، تو آنے والے دن
بتا دیں گے کہ ہردیو سچ کہہ رہا تھا۔

راجکمار:- تم ہمارا ساتھ دو گے ؟ ہمارے دشمن سے
لڑو گے ؟

ہردیو:- ضرور ساتھ دوں گا، ضرور دشمن کا خون پیوں گا!

راجکمار:- تم خلجی سے لڑو گے ؟

ہردیو:- کیوں نہیں لڑوں گا، ——— آخر خلجی کو آپ
نے سمجھا کیا ہے ؟ کیا دیو ہے ؟ پہاڑ ہے ؟ سمندر ہے؟
ہمارا ہی ایسا آدمی ہے، اس سے لڑنا ہمارا ایمان ہے؛
خون کا آخری قطرہ جب تک ختم نہ ہو جائے، ہم اس
سے لڑیں گے،

ہردیو :- اور تو کوئی بات نہیں، صرف اس خیال سے دُکھ ہوتا ہے کہ اُنہیں صدمہ ہو گا، وہ جب یہ سُنیں گے کہ ہم نے اُن کے مشورے کو ٹھکرا دیا، تو ضرور ملول و افسردہ ہو جائیں گے،

راجکمار :- ہردیو، ——— وہ میرے باپ ہیں، یقیناً تم اُنھیں بہت چاہتے ہو، لیکن میں تم سے بھی زیادہ ان سے پیار کرتا ہوں، مانتا ہوں کہ ہماری روش سے انہیں بھاری صدمہ ہو گا، اُن کا دل دکھے گا، لیکن میرے دوست اور بھائی، یہ بھی تو سوچو کہ اگر ہم نے علاؤالدین خلجی کی کٹی ہوئی گردن اُن کے قدموں پر لاکر ڈال دی تو اُنہیں کتنی مسرت ہو گی، کیا تم سمجھتے ہو کہ پھر بھی وہ ہم سے خفا رہیں گے؟

ہردیو :- (مُسکراکر) نہیں، پھر تو وہ خوش ہو جائیں گے، فخر کریں گے آپ پر!

اور عین اس وقت جب ہردیو اور راجکمار میں یہ باتیں ہو رہی تھیں سروپ سہائے علاؤالدین خلجی کے خیمہ میں کھڑا اپنے آقائے نامدار کا پیام پہنچا چکنے کے بعد بید لرزاں کی طرح کانپ رہا تھا، علاؤالدین خلجی نے شیر کی طرح گھورا اور کہا، !

کہ من دانم، مجھے آپ کی خاکِ پا ہونے پر ناز ہے،
البتہ رہ رہ کر مہاراج کا خیال آتا ہے، اجازت
دیجئے کہ جاؤں اور انھیں بھی آپ کا حامی اور
مددگار بنادوں'

راجکمار:۔ نہیں ہرگز نہیں، تمہارے وہاں جانے سے کوئی
فائدہ نہیں بلکہ نقصان کا اندیشہ ہے'!

ہردیو:۔ یہ آپ کیسے کہتے ہیں؟ مجھے تو بڑی امید ہے
کامیابی کی'!

راجکمار:۔ یہ تمہاری ناتجربہ کاری ہے، مہاراج بوڑھے ہوچکے
ہیں، اُن کا خون سرد ہوچکا ہے، وہ اب ولولہ
اور حوصلہ سے محروم ہوچکے ہیں۔ ان میں دم نہیں رہا،
وہ اب دُور اندیش ہوگئے ہیں، ہم لوگوں پر جنون کی کیفیت
طاری ہے، وہ ہماری نہیں سمجھ سکتے، ہم ان کی نہیں سمجھ سکتے،
وہ ہمارے جذبات نہیں محسوس کرسکتے، ہم اُن کے جذبات
کو کوئی اہمیت نہیں دے سکتے۔

ہردیو:۔ تو آپ کا مطلب یہ ہے انھیں اُن کے حال پر چھوڑ
دیا جائے'؟ اور ہم میدان میں کود پڑیں؟

راجکمار:۔ ہاں، ہم یہی چاہتے ہیں، حُبِ وطن کا یہی
تقاضہ ہے'!

علاؤالدین خلجی :۔ تمہاری گردن صرف اس لئے سلامت ہے کہ ایلچی
ہو، ورنہ علاؤالدین اپنی توہین برداشت نہیں
کرسکتا، خواہ کوئی ہو،!

سروپ سہائے :۔ (لرزتے اور کانپتے ہوئے) میں تو غلام ہوں سرکار،
شما (معاف) کر دیجئے، اب کبھی نہیں آؤں گا،

علاؤالدین خلجی :۔ تمہاری جان بخشی کی جاتی ہے، ——————
"یہاں آؤ" (زور سے) —————— !

فوراً ننگی تلوار لئے ہوئے مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ آگیا،
علاؤالدین نے سپاہیوں سے کہا،
"یہ راجکمار کا ایلچی ہے!"

سروپ سہائے :۔ نہیں مہاراج! میں باز آیا، میں کسی کا ایلچی نہیں
ہوں، آپ کا داس ہوں، غلام ہوں،
(لرزاں و ترساں) مجھے آپ کا ہونے پر فخر ہے،!

علاؤالدین خلجی :۔ تم اپنے لشکر میں واپس جاؤ، اور ہمارا جواب
راجکمار تک پہنچا دو،!

سروپ سہائے :۔ جی سرکار، ابھی جاتا ہوں، ابھی گیا،

علاؤالدین خلجی :۔ (سپاہیوں سے مخاطب ہوکر) اس کے
منہ پر سیاہی ملو،

سروپ سہائے :۔ مہاراج، سرکار،!

"ہاں، تو راج کمار کے ایلچی ہو تم"

سروپ سہائے:- (کانپ کر) جی سرکار"

علاؤالدین خلجی:- تمہارے راجکمار ہم سے لڑنا چاہتے ہیں؟

سروپ سہائے:- جی وہ کہہ تو یہی رہے تھے،

علاؤالدین خلجی:- تمہارے ساہوکاروں اور بنیوں سے جو روپیہ ہم نے لیا ہے، اُسے بھی راجکمار نے واپس مانگا ہے!

سروپ سہائے:- جی، ——— وہ یہ روپیہ واپس لینا چاہتے ہیں، (لرزتے ہوئے) انھوں نے تاکید کر دی تھی، کہ وہ آپ سے واپس لے لیا جائے!

علاؤالدین خلجی:- اور انھوں نے اجازت دی ہے کہ رات کی تاریکی میں ہم راہِ فرار اختیار کریں:

سروپ سہائے:- (بہت زیادہ سہمے انداز میں) بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ مہاراج! آپ کے دشمن بھاگیں، کیا آپ بھاگ سکتے ہیں؟

علاؤالدین خلجی:- ہوں، ——— اور کیا چاہتے ہیں تمہارے راج کمار؟

سروپ سہائے:- جی کچھ نہیں، یونہی مزاج میں لڑکپن ہے، بھلا آپ سے کیا لڑیں گے وہ، ——— چڑھی ہے یہ ندی اُتر جائے گی، آپ سے لڑنے کے لئے شیر کا دل چاہیئے!

باہر ے جاکر سٹراک سٹراک تین چار چابک اتنے زور سے رسید کئے کہ گدھا تیر کی طرح بھاگا، اور بغیر کہیں رُکے ہوئے، سیدھا راجکمار کے لشکر میں پہنچ گیا، لشکر کے لوگوں نے پہلے تو یہ سمجھا کہ کوئی مسخرا سوانگ بھر کر آیا ہے، ہنستے اور قہقہے لگاتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے، کچھ لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کر دیں، سب اس کے پیچھے ہولئے، مجمع دیکھ کر گدھا اور بھڑکا، اور اُس نے اِدھر اُدھر ٹوک دم بھاگنا شروع کر دیا، سروپ سہائے لاکھ لاکھ چیختا رہا کہ میں راجکمار کا ایلچی ہوں، خلجی کے لشکر سے آیا ہوں، لیکن کسی نے ایک نہ سُنی، اور وہ بے چارہ زندگی سے بیزار تماشائیوں کے لئے بڑی دیر تک تماشا بنا رہا۔

علاؤالدین خلجی :۔ اس کے کپڑے اُتار کر لنگوٹی پہنا دو، !

سروپ سہائے :۔ مہاراج ! میں نے تو کوئی خطا نہیں کی، مجھے معاف کر دیجئے، آپ سرکار ہیں، مہاراج ہیں، ہم غلام ہیں، داس ہیں،

علاؤالدین خلجی :۔ اسے گدھے پر بٹھاؤ،

سروپ سہائے :۔ سرکار، مہاراج، دُھائی،

علاؤالدین خلجی :۔ رسیوں سے جکڑ دو، اسے گدھے پر کہ یہ جنبش نہ کر سکے، !

روپ سہائے :۔ اب کبھی ایلچی نہیں بنوں گا، اس دفعہ معاف کر دوں گا

علاؤالدین خلجی :۔ اس کا منہ کالا کرو، پھر ہمارے لشکر کا گشت کراؤ بعد ازاں لشکر سے باہر لے جا کر، گدھے کو جوتوں کا ہار پہناؤ، اور اس سروپ سہائے کو بھی، پھر زور سے تین چار چابک مارو کہ گدھا کہیں رُکے بغیر اس ایلچی کو راجکمار کے لشکر میں پہنچا دے،

سروپ سہائے :۔ مر جاؤں گا سرکار، دھائی ہے مہاراج کی، !

سپاہیوں نے آن کی آن میں تعمیل حکم کی، سروپ سہائے کے چہرے پر سیاہی ملی، اُسے گدھے پر بٹھایا، اور رسیوں سے جکڑ دیا، پھر شاہی لشکر کا گشت کرایا، اور اس کے بعد لشکر سے

علاؤ الدین کو یہ خبر مل چکی تھی کہ منگل دیو جنگ کی تیاریاں مکمل کر چکا ہے، اور یہ سنتے ہی اس نے جنگ کی تیاریاں زور شور سے شروع کر دی تھیں، لیکن منگل دیو اور علاؤ الدین کی تیاریوں میں زمین آسمان کا فرق تھا،

منگل دیو یہیں کا رہنے والا تھا، خود اس کی فوج بہت بڑی اور ہر طرح کے ساز و سامان جنگ سے آراستہ تھی، پھر اس نے چالاکی یہ کی تھی کہ آس پاس کی ریاستوں اور رجواڑوں سے بھی زیادہ سے زیادہ فوجی امداد حاصل کر لی تھی، سارے وسائل و ذرائع اس کے قبضہ میں تھے، دولت کی کوئی کمی نہ تھی، حسب ضرورت اناج مہیا ہو سکتا تھا، جتنا روپیہ درکار ہو وہ فراہم ہو سکتا تھا، شکست کی صورت میں آس پاس کے مقامات پر پناہ لی جا سکتی تھی، علاؤ الدین کو ان میں سے ایک سہولت بھی حاصل نہیں تھی، اس کے پاس جو لشکر تھا اس میں کمی تو ہو سکتی تھی، اضافہ کا کوئی امکان نہ تھا، اس کے خزانہ میں جو روپیہ تھا وہ بھی گھٹ سکتا تھا مگر بڑھ نہیں سکتا تھا، اناج صرف ضرورت کے موافق تھا، طویل قیام کی صورت میں قحط اور فاقہ کشی کا امکان صاف نظر آ رہا تھا، شکست کی صورت میں راہِ فرار اختیار کرنے اور جائے پناہ تلاش کرنے میں کامیابی کی ذرا امید نہ تھی، جس زمین کا چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ دشمن جان ہے، وہاں کسی بھلائی اور عافیت کی توقع کس بنیاد

(۷)

باب

ذلّت بخش شکست

ایلچی کی درگت دیکھ کر منگل دیو کا خون کھولنے لگا، اُس نے ہردیو کو بُلایا اور کہا، !

"جنگ کا ڈنکا بجا دو، علاءالدین کی شامت آئی ہے، کل ہم اُس کا سر کچل دیں گے، اس نے ایلچی کی نہیں ہماری توہین کی ہے، اور ہم ہرگز اپنی توہین نہیں برداشت کر سکتے۔"

ہردیو نے جواب دیا،

مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے، کل علاؤالدین کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا، ہم اسے سکھا دیں گے کہ راجاؤں، اور مہاراجاؤں کی عزت کس طرح کی جاتی ہے"!

دوسرے روز فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں،
علاؤالدین کی فوج چند ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی، اور منگل دیو کی فوج حدِ شمار سے خارج تھی، جس طرف نظر اٹھتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آدمیوں کا ایک جنگل اُگ رہا ہے،

منگل دیو نے اپنے فوج کے سپاہیوں اور افسروں کو مخاطب کرکے ایک دل ہلا دینے والی تقریر کی، اُس نے کہا،!

یہ دھرم کی جنگ ہے ہم کسی کے دشمن نہیں کسی کے مخالف نہیں، امن امان کے ساتھ اپنے دیس میں بیٹھے تھے، راجا شاد، پرجا بامراد، اناج سستا، پاپ نایاب، لیکن ہمارے دیس پر ایک ترک اپنی مٹھی بھر فوج لے کر چڑھ آیا، وہ ہمارے دھرم کو برباد کرنا چاہتا ہے، ہماری تہذیب و تمدن کو غارت کر دینا چاہتا ہے، ہمارے رسم و رواج کو ختم کر دینا چاہتا ہے، ہم غلام بننے سے انکار کرتے ہیں، ہم لڑیں گے اور اس وقت تک لڑیں گے جب تک دشمن ختم نہ ہوجائے۔ یا راہِ فرار اختیار کرے، یہ سامنے بڑے بڑے مندر نظر آرہے ہیں، سورج کی روشنی میں ان کے کلس اور زیادہ چمک گئے ہیں، ان مندروں کے اندر بت رکھے ہیں جنہیں ہم پوجتے ہیں، جن کے قدموں پر ہم سر رکھتے ہیں، جن سے ہم اپنی مرادیں مانگتے

پر کی جا سکتی تھی ؛ سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے چچا جلال الدین خلجی بادشاہ دہلی سے اس کے تعلقات خوشگوار نہیں تھے ، شکست کی صورت میں بدنامی ، رسوائی اور ذلت کا سامنا ناگزیر تھا ، پھر یہ چڑھائی اس نے بادشاہ کی اجازت لے کر نہیں کی تھی ، صرف ذاتی حوصلہ مندی کی یہ کارفرمائی تھی ، مشکلات راہ کا پورا پورا احساس تھا ، لیکن وہ ان لوگوں میں سے تھا ، جو ٹوٹ سکتے ہیں ، لچک نہیں سکتے ، فوج کے بعض افسروں نے دبی زبان سے مشورہ دیا کہ عافیت اسی میں ہے کہ جنگ کا خیال ترک کر دیا جائے ، اور باعزت پسپائی اختیار کر لی جائے اور سنگل دیو کے پیش کردہ شرائط چپ چاپ مان لئے جائیں ، علاؤ الدین نے اس مشورے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اس نے کہا ، !

" آپ سب واپس جا سکتے ہیں ، جتنے سپاہی آپ کے ساتھ جانا چاہیں انھیں بھی اجازت ہے ، لیکن میں پیٹھ نہیں پھیر سکتا ، لڑوں گا اور تنہا لڑوں گا ، ! "

اس فیصلہ کن گفتگو نے بات وہیں ختم کر دی ، پھر کسی کی ہمت نہ پڑی کہ کچھ کہتا ، !

(۰)

باوجود ہمیشہ بڑے بڑے لشکروں کو شکست دی ہے ، اور کامیاب ہوئے ، یاد رکھو کامیابی اس کے حصہ میں آتی ہے جو زندگی کی پرواہ نہ کرتا ہو اور موت سے بغل گیر ہو سکتا ہو، ایک مسلمان کی شان یہی اور صرف یہی ہے ، ایک مرتبہ میں پھر اعلان کرتا ہوں ، جسے زندگی عزیز ہے وہ واپس چلا جائے لیکن جو مرنا چاہتا ہے ، وہ میرے ساتھ آئے ،

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ!

علاؤالدین یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی ، اور دشمنوں کے سمندر میں پہنچ گیا ، !

• ——— لڑائی بہت سخت تھی ، !

• ——— دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی ، !

• ——— دشمن کا حوصلہ بھی بہت بلند تھا ، !

• ——— لیکن اسے اپنی کامیابی کا یقین تھا ، !

• ——— اور وہ پوری بہادری کے ساتھ داد شجاعت دے رہا تھا ، ایک مرتبہ تو ایسا معلوم ہوا کہ علاؤالدین کی فوج ہار جائے گی ، اور منگل دیو کی فوج غالب آجائے گی ، ہندو سپاہی فاتحانہ شان کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے اور مسلمانوں میں ہراس و دہشت کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی ، اور وہ پیچھے رہے تھے ،

اور پاتے ہیں، جو ہزاروں سال سے ہم پہ خدائی کرتے چلے آئے ہیں، علاؤالدین کے سامنے سر جھکا دینے کے یہ معنی ہیں کہ یہ مندر ڈھا دیئے گئے، بتوں کو توڑ دیا گیا، پھر یہاں سے گھنٹہ اور ناقوس کی صداؤں کے بجائے، اذانوں کی آوازیں بلند ہوں گی۔ اگر آپ لوگ اس کے لئے تیار ہیں تو جا ئیے دشمن سے صلح کر لیجئے، یقیناً وہ آپ کی جان بخشی کرے گا لیکن اگر آپ اس کے لئے تیار نہیں ہیں تو ہمت اور حوصلہ سے کام لیجئے، آگے بڑھئے، حملہ کیجئے اور دشمن کو ختم کر دیجئے، دشمن کا ایک آدمی بھی بچ کر جانے نہ پائے۔

ہر دیو کے ان الفاظ نے ایک جادو کر دیا۔ سپاہیوں اور افسروں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ وہ میدانِ جنگ میں جانے کے لئے مچل رہے تھے!

اور عین اس وقت جب یہاں یہ سب کچھ ہو رہا تھا، علاؤالدین اپنے افسروں اور سپاہیوں سے مخاطب تھا، وہ کہہ رہا تھا!

دشمن کا لشکر جرار سامنے کھڑا ہے، اور کوئی شبہ نہیں اس کا ساز و سامان جنگ بھی ہمارے مقابلہ میں زیادہ ہے، اور کہیں زیادہ برتر و اعلیٰ ہے، مسلمانوں کی تاریخ اس طرح کے واقعات سے لبریز ہے، انہوں نے کم تعداد ہونے کے

وسیع میدان میں ہوئی تھی، لڑائی جیتنے کے بعد علاؤ الدین نے اپنے لشکر کا رُخ دیوگڈھ کی طرف کر دیا، راجہ رام دیو شہر کے پھاٹک پر علاؤ الدین کے استقبال کے لئے موجود تھا، !

رام دیو نے علاؤالدین سے کہا،

" آپ شہر میں دوست کی حیثیت سے داخل ہونا چاہتے ہیں یا دشمن کی حیثیت سے ؟"

علاؤالدین نے جواب دیا، !

"جب لڑائی شروع ہوئی تھی، اس وقت دوستی ختم ہو چکی تھی، !"

رام دیو نے جواب دیا، !

" میں نے آپ سے صلح کی تھی، میں نے اپنے بیٹے کو جنگ کرنے سے منع کیا تھا، اس کی کوئی مدد نہیں کی، دیوگڈھ سے ایک آدمی بھی اس کی مدد کے لئے نہیں گیا، میں صلح پر قائم ہوں، لیکن اگر آپ لڑنا چاہتے ہیں، تو یہ گردن حاضر ہے، کاٹ لیجئے، میری رعایا نے کوئی خطا نہیں کی، اسے سزا کیوں دیتے ہیں ؟ میں آپ کے نقصان کی تلافی پر آمادہ ہوں، سات من سونا دوں گا سات من موتی پیش کروں گا، دو من ہیرے، یاقوت اور زمرد پیش خدمت کروں گا، ایک ہزار من چاندی دوں گا، چار ہزار ریشمی کپڑوں کے تھان اور بہت سے گھوڑے اور ہاتھی

لیکن علاؤالدین کی جنگی چال کامیاب ہوئی، جنگ شروع ہونے سے پیشتر اس نے مشہور کر دیا تھا کہ دلی سے پچاس ہزار لشکر کی کمک آرہی ہے اور اپنے معتمد افسر ملک نصرت کی سرکردگی میں ایک ہزار سپاہی الگ بٹھا دیئے تھے کہ جب کھیل بگڑنے لگے تو تازہ دم سپاہی نعرے لگاتے ہوئے پہنچ جائیں، ! ملک نصرت کو جیسے ہی حالات کی نزاکت معلوم ہوئی، وہ ایک ہزار تازہ دم سپاہیوں کے ساتھ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگاتا ہوا میدانِ جنگ میں کود پڑا۔ منگل دیو یہ سمجھا دلی سے پچاس ہزار لشکر کی کمک آگئی، گھبراگیا، دیکھتے ہی دیکھتے نقشہ پلٹا، منگل دیو راہِ فرار اختیار کر رہا تھا، فوج افراتفری کے عالم میں بھاگ رہی تھی، علاؤالدین کا لشکر فاتحانہ شان سے آگے بڑھ رہا تھا، جو دشمن سامنے آتا اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے، آن کی آن میں لڑائی ختم ہوگئی، منگل دیو فرار ہوگیا میدانِ جنگ لاشوں سے پٹا پڑا تھا، بہت سے زخمی اور بھگوڑے گرفتار کر لئے گئے، زخمیوں میں ہر دیو بھی تھا، بڑی بہادری سے آخر وقت تک لڑتا رہا، آخر جب بالکل تابِ مقابلہ نہ رہی تو زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے گرا اور گرفتار کر لیا گیا،

یہ لڑائی دیوگڈھ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک

(۸)

باب

دردِ لادوا

ہردیو کے زخم اب اچھے ہو چکے تھے، جاتے وقت خلجی اسے رہا کر گیا تھا، وہ کچھ بُجھا بُجھا سا رہتا تھا، اپنے آپ سے شرمانے لگا تھا، یہ شکست، یہ گرفتاری، یہ رسوائی، پہلی مرتبہ اُس نے دیکھی تھی، اسے اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا، وہ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا، اب وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ اس کے علاوہ بھی دنیا میں کچھ اور لوگ بھی بہادر ہیں، خلجی اور اس کے سپاہیوں کی تلوار عالم خیال میں بار بار چمکتی نظر آتی تھی، اور وہ سہم جاتا تھا!

ان کے علاوہ ، نیز جو خراج آپ مقرر کر دیں گے ، وہ سال کے سال
آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے گا" !"
رام دیو کی صاف ، کھری اور اثر انگیز باتوں سے
علاؤ الدین متاثر ہوا ، اُس نے کہا :!
" ہم تمہاری جاں بخشی کرتے ہیں ، تمہاری حکومت
تمہیں واپس کرتے ہیں ، تم سے تجدید صلح کرتے
ہیں اور بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر سچائی اور
وفاداری کے ساتھ تم اپنے عہد پر قائم رہے تو
اس دُنیا میں ہم سے بڑا دوست اور مددگار کوئی
نہ ہوگا ، اور اگر تم نے بدعہدی کی تو یاد رکھو،
ہماری تلوار بدعہدوں سے نپٹ نا جانتی ہے!

ایک پل بھی چین نہ پڑتا تھا۔ مگر اب کئی کئی دن گزر جاتے ہیں آپ میری طرف سے گزرتے بھی نہیں، اور کسی کام سے گزرتے بھی ہیں، تو اس طرح، جیسے بھٹکا مسافر، آپکے نزدیک یہ کوئی نہ ہو، میرے نزدیک تو بہت بڑی بات ہے!

ہردیو:۔ راجکماری، تم باتیں اتنی اچھی کرتی ہو کہ تم سے کوئی نہیں نہیں جیت سکتا۔ اور پھر میں: میرا تو بس یہی جی چاہتا ہے کہ تم کہا کرو اور میں سُنا کروں'!

لاجونتی:۔ ٹالئے نہیں، میں آپ سے لڑنے نہیں آئی ہوں کہ ہار جیت کا سوال پیدا ہو، میری بات کا جواب دیجئے، مجھے مطمئن کیجئے۔ بتایئے، آپ کھوئے کھوئے سے اُداس اداس سے کیوں نظر آتے ہیں؛ کیا مجھے بھی اپنا راز دار نہیں سمجھتے؟

ہردیو:۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) جن زخموں پر کھرنڈ جم چکا ہے انہیں نشتر کی نوک سے چھیڑنے کی کوشش نہ کرو، راجکماری یہ زخم پھر ناسور بن جائیں گے، ان سے پھر خون رسنے لگے گا،

لاجونتی:۔ میں آپ کے دُکھ سُکھ کی شریک ہوں، آپ کو غمگین دیکھ کر میرا دل تڑپ اُٹھتا ہے، آپ کو رکھنے کے لئے میں سب کچھ کر سکتی ہوں،

ہردیو:۔ لیکن دل کا داغ تم بھی نہیں مٹا سکتیں، میں ایک

ایک روز وہ اپنے دیوان خانے میں بیٹھا تھا کہ پائل کی جھنکار نے اُسے چونکا دیا، نظر اٹھاکر دیکھا، تو سامنے لاجونتی کھڑی مسکرا رہی تھی، لاجونتی کو مسکراتا دیکھ کر بادل ناخواستہ اسے بھی مسکرانا پڑا اس نے بڑے اخلاق اور تپاک سے کہا، !

" آؤ لاجونتی بیٹھو "

لاجونتی بیٹھ گئی،

کچھ دیر تک دونوں گُم سُم بیٹھے رہے، ہردیو اور لاجونتی دونوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، گفتگو کا آغاز کس طرح کریں، آخر اس بزم خاموشی کا قفل سکوت لاجونتی نے توڑا،

لاجونتی :- کیا بات ہے راجکمار، قید سے چھوٹ کر جب سے آپ آئے ہیں، بہت زیادہ خاموش رہنے لگے ہیں، آخر اس کی کوئی وجہ ؟

ہردیو :- نہیں راجکماری، ایسی تو کوئی بات نہیں، ہاں خاموش ضرور رہتا ہوں، اس لئے کہ دوسروں کی سنوں، بس یہی بات ہے!

لاجونتی :- میں نہیں مانتی ——— آپ وہی تو ہیں جو ہروقت مُسکرایا کرتے تھے، مگر اب ایسا لگتا ہے، جیسے آپ مُسکرانا بھول چکے ہیں، سیر و شکار سے کتنی دلچسپی تھی آپ کو ؟ لیکن اب اُدھر کا رُخ بھی نہیں کرتے، میرے بنا آپ کو

لیکن بھاگتے صرف وہی ہیں، جو بُزدل ہیں، ہار جیت کا فیصلہ کس بل پر نہیں ہوتا، بھگوان کی اِچھا (مرضی) پر ہوتا ہے
______ گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں ___
آپ اتنے بڑے بہادر اور جیالے ہوکر ایسی باتیں کرتے ہیں جو ایک عورت بھی نہیں کر سکتی، بہادر خودکشی نہیں کرتے میدان جنگ میں لڑ کر جان دیتے ہیں، ہاں یہ سچ ہے کہ شکست کا جو دھبہ آپ کے دامن پر لگا ہے، اسے میں نہیں دھو سکتی، لیکن خود آپ دھو سکتے ہیں، ایک مرد کی شان یہی ہے'!

ہردیو:- لیکن کس طرح؟ اپنے دامن کا یہ دھبہ کس طرح مٹاؤں؟ شکست کا داغ کس طرح دُھل سکتا ہے؟

لاجونتی:- دشمن کو شکست دے کر، یا لڑتے لڑتے گردن کٹا کر، بہادر آدمی یہی کرتے ہیں، اور انہیں یہی کرنا چاہئے'!

ہردیو:- ہاں سچ کہتی ہو، یہ بات میرے دل کو لگتی ہے، لیکن یہ ناممکن ہے لاجو'!

لاجونتی:- کیوں ناممکن ہے؟ دنیا میں کوئی بات بھی ناممکن نہیں اگر حوصلہ قائم ہو اور ہمت ساتھ نہ چھوڑ دے!

ہردیو:- ______ میرا جی چاہتا ہے کہ ابھی لشکر کی کمان کرتا ہوا دلی کی طرف کوچ کر دوں، اور کسی مسلمان کو زندہ نہ چھوڑوں، خلجی

ہارا ہوا سپاہی ہوں، کسی سے آنکھ نہیں ملا سکتا، کسی سے منہ نہیں چار کر سکتا، ایسا معلوم ہوتا ہے، ہر شخص مجھ پر ہنس رہا ہے، میرا مذاق اُڑا رہا ہے، طنز کر رہا ہے، میرے اوپر، گویا کہتا ہے، یہ راجکمار ہردیو جو بڑے زور شور سے بہت بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے گئے تھے، ہارے، زخمی ہوئے، پکڑے گئے، اور اب جان سلامت لے کر راج محل کے ایک کونے میں، دبک کر بیٹھ گئے، تم کہتی ہو میں سیر و شکار کو کیوں نہیں جاتا، اس لئے نہیں جاتا کہ شیر اور چیتے ہی نہیں، ہرن اور چیتل بھی، بلکہ بٹیر اور تیتر بھی میرا مذاق اُڑائیں گے، کہیں گے کہ یہ سورما ہے جو میدانِ جنگ سے بھاگا اور ہمارے بن میں آکر ہمیں آنکھیں دکھاتا ہے، تم پوچھتی ہو میں خوش کیوں نہیں رہتا؟ مسکراتا کیوں نہیں؛ لیکن یہ بھی تو سوچو بھلا وہ شخص بھی خوش رہ سکتا ہے جس کی بہادری کا پول، لڑائی کے میدان میں کھل چکا ہو، راجکماری ایسی باتیں نہ کرو، مجھے ان سے وحشت ہوتی ہے، میں خودکشی کر لوں گا، اب زندہ رہنا میرے لئے باعثِ شرم ہے، اب زندگی میرے ایک بوجھ ہے'!

" یہ آپ کیسی باتیں کرنے لگے، ہارنا شرم کی بات نہیں، بھاگنا شرم کی بات ہے، بڑے بڑے سورما ہارتے ہیں،

ہردیو:- وہ کہتے ہیں، ہم صلح کر چکے ہیں، ہمیں اس پر قائم رہنا چاہیے،

لاجونتی:- اور ——— ؟ کچھ اور بھی کہتے ہیں ؟

ہردیو:- کہتے ہیں رعایا کا خون بہت قیمتی ہے، ایک قطرہ بھی ضائع ہونے نہ دوں گا،

لاجونتی:- وہ کچھ غلط نہیں کہتے، ٹھیک بات ہے۔

ہردیو:- تمہارا خیال ہے وہ سچ کہتے ہیں ؟

لاجونتی:- ہاں میرا یہی خیال ہے،

ہردیو:- پھر ابھی تھوڑی دیر پہلے تم مجھے لڑنے پر کیوں اکسا رہی تھیں؟ تمھیں نے مجھ سے کہا تھا، "دشمن سے لڑو، اس کی گردن کاٹو یا اپنی گردن کٹا دو"

لاجونتی:- ہاں میں نے یہ کہا تھا، اور اب بھی اپنے قول پہ قائم ہوں، آپ کو یہی کرنا چاہیئے،

ہردیو:- کچھ پاگل ہو گئی ہو یا میرا دماغ خراب ہو گیا ہے ؟ میری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں، آخر کیا مقصد ہے تمہارا ؟

لاجونتی:- (مسکرا کر) غور کیجئے، سوچئے،

ہردیو:- ان باتوں پہ غور کرنا وقت ضائع کرنا ہے،

لاجونتی:- پھر غصّہ آگیا آپ کو، اب تو ڈر لگنے لگا ہے، آپ سے، ایسا معلوم ہوتا ہے، غصّہ ناک پر دھرا رہتا ہے، کوئی بات ناگوار ہوئی اور تیوریاں چڑھیں،

کی گردن اپنے ہاتھ سے کاٹوں، اور اُس کے سپاہیوں کا خون اتنا بہاؤں کہ جل تھل ہوجائے۔

لاجونتی :- بڑا اچھا ارادہ ہے، میری دعا ہے بھگوان آپ کو کامیاب کرے،

ہردیو :- لیکن دعا سے کام نہیں چلتا، مجھے لشکر چاہیئے، وہ دے سکتی ہو؟

لاجونتی :- لشکر کے سالار آپ ہیں، میں کیا کرسکتی ہوں،

ہردیو :- ہاں میں سالار لشکر ہوں، لیکن مہاراج رام دیو، میرے اور لشکر کے بادشاہ ہیں، ان کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں کرسکتا، وہ سختی سے معاہدۂ صلح پر قائم ہیں۔!

لاجونتی :- تو کیا آپ کا خیال ہے، مہاراج شکست کی اس ذلت پر خوش ہیں؟ ——— میں نہیں مان سکتی!

ہردیو :- بہت رنجیدہ ہیں، لیکن کسی قیمت پر بھی لڑائی کے لئے تیار نہیں، لڑائی کا نام سُن کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگتے ہیں،

لاجونتی :- لیکن اس کی وجہ تو ہوگی، کیا کہتے ہیں وہ؟

ہردیو :- وہ کہتے ہیں، جب اتنی بڑی فوج کے ساتھ جس میں آس پاس کے تمام رجواڑے شریک تھے، ہم مسلمانوں کو شکست نہ دے سکے اگرچہ وہ تعداد میں ہم سے کم تھے، تو اب اکیلا ہمارا لشکر کیا کرے گا؟

لاجونتی :- میں سمجھی، اور کیا کہتے ہیں وہ؟

رعایا کا ایک قطرۂ خون بھی ضائع نہ کرنا چاہئے میں پھر کمر ہمت
کھول دونگا، پھر میدانِ جنگ کی طرف پیٹھ کرلونگا، پھر راج محل کے گوشہ میں بیٹھکر
تم سے پریم اور پریت کی باتیں کرنے لگوں گا، یہی اور اسی طرح ایکدن
یہ زندگی ختم ہو جائے گی!

لاجونتی :- آپ سمجھے نہیں میں بھی ٹھیک کہتی ہوں، اور مہاراج بھی ٹھیک،
کہتے ہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہر وقت فیصلہ کُن جنگ
کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ بگل بجے اور آپ میدانِ جنگ میں
پہنچ جائیں، مہاراج کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنی طرف سے
پہل نہیں کرنا چاہئے، انتظار کرنا چاہئے۔ دشمن کی طرف سے شرارت
کا آغاز ہو، اور ہم اُس پر پل پڑیں!

ہردیو :- اور جب تک شرارت کا آغاز نہ ہو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں؟

لاجونتی :- تیاریوں کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے، یہ بھی بہت بڑا
کام ہے!

ہردیو :- راجکماری میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں،

لاجونتی :- کون سی بات بتا رہے ہیں آپ؟ کہئے نا!

ہردیو :- میں نے یہ عہد کیا ہے، جب تک شکست کا داغ اپنے دامن
سے نہ دھولوں گا، اس وقت تک دُنیا کی ہر لذّت مجھ پر حرام
ہے، تم نے ابھی پوچھا تھا، میں تمہاری طرف سے ایک بھٹکے
ہوئے مسافر کی طرح کیوں گزرتا ہوں؟ یہ اسی کا جواب ہے۔

ہردیو :- راجکماری مجھ پر رحم کرو، میں ان باتوں کی تاب نہیں لا سکتا،
______ "سمجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا" میرا دل
دکھا ہوا ہے، میرا دماغ پریشان ہے،

لاجونتی :- پھر میں بھی کہہ سکتی ہوں ؎

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

ہردیو :- آخر تم چاہتی کیا ہو؟ آج تو عجیب طرح کی باتیں کر رہی ہو،

لاجونتی :- میں چاہتی ہوں کہ آپ پھر وہی بن جائیں جو پہلے تھے،

ہردیو :- یہ نہیں ہو سکتا، گزرا ہوا زمانہ واپس نہیں آیا کرتا،

لاجونتی :- انسان کی ہمت سب کچھ کر سکتی ہے،
اگر خارے بود گلدستہ گردد!

ہردیو :- ہمت ______ جنگ کے میدان میں نازک شیشہ کی طرح
وہ بھی ٹوٹ گئی، اب نئی ہمت کہاں سے لاؤں؟

لاجونتی :- دنیا کی کوئی طاقت نہ ہمت کو توڑ سکتی ہے نہ حوصلہ کو کچل
سکتی ہے، اٹھئے کمرِ ہمت باندھئے، میدان آپ کا انتظار
کر رہا ہے،!

ہردیو :- اور جب کمرِ ہمت باندھ لوں، میدانِ جنگ کی طرف قدم
بڑھاؤں تو کہہ دو گی، مہاراج رام دیو ٹھیک کہتے ہیں، صلح
پر قائم رہنا چاہئے، بدعہدی نہ کرنا چاہئے، قول کا پاس کرنا چاہئے

باب (۹)

کُفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

راجہ رام دیو دُور اندیش سیاست داں اور معاملہ فہم حکمراں تھا، شکست کے بعد اُس نے محسوس کر لیا تھا اب مسلمانوں سے مفر ممکن نہیں ہے، یہ جس دیس میں ایک مرتبہ پہنچ جاتے ہیں پھر وہیں کے ہو رہتے ہیں، چنانچہ وہ برابر اس فکر میں لگا رہتا تھا کہ مسلمانوں سے تعلقات نہ بگڑنے پائیں، بلکہ زیادہ سے زیادہ خوشگوار روابط قائم ہو جائیں، ایک روز اُس نے ہردیو کو اپنے خلوت کدہ میں بُلایا، آج بھی اُس کا چہرہ اُترا ہوا تھا، مہاراج نے ایک نظر اس پر ڈالی اور محبت بھرے لہجہ میں کہا:۔

میں نے فیصلہ کرلیا ہے، ہماری شادی اب اسی دن ہوگی
جس دن دشمن کو شکست دے کر کامیاب و سرخ رُو فاتح کی حیثیت
سے واپس ہوں گا۔

لاجونتی :۔ میں اس فیصلہ کا خیر مقدم کرتی ہوں، اس فیصلہ نے میرے دل
میں آپ کی عزت بڑھا دی۔

ہردیو :۔ یہی ادائیں میں میٹھوں نے مجھے تمہارا پجاری بنادیا ہے، یہ
بات صرف لاجونتی ہی کہہ سکتی تھی، یہ بات صرف اسی کے منہ سے
شوبھا دے سکتی تھی، میرا جی چاہتا ہے ان ہونٹوں کو چوم لوں،
جن سے یہ شبد (لفظ) نکلے، لیکن نہیں میں یہ نہیں کرسکتا، میں اپنے
عہد پر قائم رہوں گا، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ اپنے مچلے ہوئے
جذبات کی تسلی نہ کروں، راجکماری پاؤں آگے بڑھاؤ میں اُسے
چُوموں گا، اسے سجدہ کروں گا۔

یہ باتیں سُنکر راجکماری کا چہرہ خون کی گردش سے سرخ ہوگیا، وہ
لاجونتی کی طرح لجاگئی، اس کی آنکھیں جھک گئیں، پھر اُس نے اپنی مخمور
آنکھوں سے محبت بھرے انداز میں ہردیو کو دیکھا اور کہا!

"یہ باتیں ہمیں ذرا بھی اچھی نہیں لگتیں"!

اور پھر ناگن کی طرح بل کھاتی اور نسیم بہار کی طرح اٹکھیلیاں
کرتی وہ چلی گئی۔ ہردیو اس وقت تک اُسے دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں
سے غائب نہ ہوگئی۔

رہی تھی لیکن ان باتوں سے تسکین نہیں ہوتی، دل کی بے کلی کچھ اور بڑھ جاتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔

رام دیو:۔ فریب اور نفاق کی شکایت مت کرو، اصل بات یہ ہے کہ ابھی جوان ہو، جوانی کا خون بڑا تیز اور گرم ہوتا ہے، ٹھنڈے دل سے سوچو، تو یہ کیفیت جاتی رہے گی،

ہردیو:۔ کیا سوچوں مہاراج ؟

رام دیو:۔ یہ کہ تمہیں شکست کیوں ہوئی ؟

ہردیو:۔ میں نے بہت غور کیا کوئی کارن سمجھ میں نہیں آتا، کوئی ایسی بات سمجھ میں نہیں آتی، جو واقعی دل کو سکون دیدے۔

رام دیو:۔ کارن اگر سمجھ میں آ جائے تو بے اطمینانی خود بخود دور ہو جائے گی اچھا ایک بات تو بتاؤ، تم نے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا رکھی تھی ؟ تم دشمن سے خوف کھا گئے تھے ؟

ہردیو:۔ نہیں میرے زخموں کے نشانات گواہ ہیں کہ میں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی یہ عظیم سندر، جتنا یہ ناقابلِ تصور ہمالہ ہے، کا ثبوت ہے کہ تلوار بہادروں کا، بادشاہوں کا، عالموں کا، سپہ سالاروں کا گہوارہ رہا ہے، آج اس مقدس سرزمین پر، کچھ غیر ملکی لٹیرے قابض ہونے کے جتن کر رہے ہیں، وہ چلتے ہیں ان لہلہاتے ہوئے کھیتوں پر

"بیٹھ جاؤ ہردیو!"

وہ بیٹھ گیا ــــــ پھر اس کے اور مہاراجہ کے مابین باتیں شروع ہو گئیں۔

رام دیو:۔ بیٹا! کئی دن سے تمہیں اُداس اور پریشان دیکھ رہا ہوں میں اس کا کارن (سبب)؟

ہردیو:۔ مہاراج! یہ جیون کاٹنے کو دوڑتا ہے، جب سے ہمیں شکست ہوئی، زندگی کا مزہ جاتا رہا۔ ہم خود اپنی نظر میں ذلیل ہو گئے،

رام دیو:۔ ضرورت سے زیادہ حساس نہ بنو، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے، شکست غیر معمولی بات نہیں، جس طرح فتح اتفاقی چیز ہے، اس طرح شکست کا بھی کوئی اصول نہیں مقرر کیا جا سکتا، صرف بہادری کام نہیں کرتی، روپیہ پیسہ بھی کام نہیں دیتا، کثرتِ تعداد بھی فیصلہ کن چیز نہیں ہوتی، سلحہ اور ہتھیار بھی دغا دے جاتے ہیں، تمہارے پاس کیا چیز نہ تھی؟ روپیہ اتنا کہ گنتی سے باہر فوج اتنی کہ میلوں سر ہی سر دکھائی دیتے تھے، بہادری کا یہ عالم کہ لوگ اب بھی منگل دیو اور ہردیو کی بہادری کی قسم کھاتے ہیں پھر بھی تم ہار گئے اور دشمن جیت گیا، حالانکہ تمہارے مقابلہ میں وہ مٹھی بھر تھا۔

ہردیو:۔ مہاراج اس ذکر سے اب وحشت ہونے لگی ہے مجھے دو تین دن ہوئے لاجونتی سے گفتگو چھڑی تھی، وہ بھی یہی کچھ

ہمیشہ زندہ رہتا ہے، مرنے کے بعد بھی زندگی اس کا دامن نہیں چھوڑتی ۔

ہردیو :۔ مانتا ہوں مہاراج، آپ سچے ہیں ۔

رام دیو :۔ بتاؤ تم ہمیشہ زندہ رہنا چاہتے ہو، یا عورتوں کی طرح رو رو کر اپنی جان گنوانا منظور ہے ؟ دونوں راستے کھلے ہوئے ہیں ۔

ہردیو :۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا مہاراج !

رام دیو :۔ دماغ پر زور دو، غور کرو، بار بار سوچو، بڑی سیدھی سی بات دریافت کی ہے ہم نے تم سے ۔ ہم نے کوئی پہیلی نہیں بجھائی، صاف الفاظ ہیں، ہماری تمہاری بات چیت ہو رہی ہے، ہم پوچھنا چاہتے ہیں، کوئی ایسا مقصد بھی تمہارے پیش نظر ہے، جس پر تم صرف زخم نہ کھاؤ، جان دے دو ؟

ہردیو :۔ بے شک ہے مہاراج، میں مسلمانوں سے انتقام لینا چاہتا ہوں، اس مقصد بلند کیلئے اپنی ایک نہیں ایک ہزار جانیں قربان کر کے [illegible] ہوں ۔

یہ عظیم مندر، جتنا یہ ناقابلِ تصور ہمالہ، یہ دیس [illegible] ہے [illegible] بہادروں کا، بادشاہوں کا، عالموں کا، سپہ سالاروں کا گہوارہ رہا ہے، آج اس مقدس سرزمین پر، کچھ غیر ملکی لٹیرے قابض ہونے کے جتن کر رہے ہیں، وہ چاہتے ہیں ان لہلہاتے ہوئے کھیتوں پر

ہردیو :۔ جی ہاں، سب ہی شریک تھے۔ سب نے حصّہ لیا۔

رام دیو :۔ کیا ان سب کے بدن پر بھی اتنے ہی زخم اور چرکے لگے ہیں، جتنے ہردیو کے سینہ اور بازو پر؟ کیا انہوں نے بھی اسی طرح اپنی گردنیں کٹا دیں جس طرح جنگ دیو نے؟ کیا انہوں نے بھی پیٹھ دکھانا باعث ننگ و عار سمجھتا تھا۔

ہردیو :۔ کاش ایسا ہوا ہوتا، لیکن جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ؟ لشکر کا ہر سپاہی بہادر نہیں ہوتا۔ بھگوڑے بھی ہوتے ہیں اور ویر (بہادر) بھی؟

رام دیو :۔ جس لشکر کا ہر سپاہی بہادر نہیں ہوتا وہ ہارتا بھی ضرور ہے، جیت اُن کے حصہ میں آتی ہے، جو موت کو کھیل سمجھتے ہیں، ہارتے وہ لوگ ہیں جو زندگی سے پیار کرتے ہیں۔ تمہارا دشمن مرنے آیا تھا، کوئی نہ مار سکا، تمہارا لشکر زندہ رہنا چاہتا تھا، وہ مولی اور گاجر کی طرح کاٹ ڈالا گیا۔

ہردیو :۔ (کچھ سوچتے ہوئے) بجا فرمایا آپ نے، بات تو یہی تھی،

رام دیو :۔ عقلمند وہ ۔۔۔ ہیں جو ہم ہار گئے اور دشمن جیت گیا، حالانکہ تمہارے مقابلہ میں وہ مٹھی بھر تھا۔

ہردیو :۔ مہاراج اس ذکر سے اب وحشت ہونے لگی ہے۔ دو تین دن ہوئے لاجونتی سے گفتگو چھڑی تھی، وہ بھی یہی کچھ

رام دیو :- تم بے بس ہو؟ ہردیو بے بس ہے؟ ساری دنیا مان لے میں نہیں مان سکتا، کسی طرح نہیں مانوں گا۔ انسان اگر دل پر رکھ لے تو سب کچھ کرسکتا ہے، کیا تم دلّی جانے کے لئے تیار ہو؟

ہردیو :- (خوش ہوکر) ضرور جانا چاہتا ہوں، آج حکم دیجئے تو ابھی چلا جاؤں،

رام دیو :- اور وہاں سے شکست کھا کر پھر واپس آجاؤ گے؟

ہردیو :- اگر مہاراج کی نظر میں یہ غلام اتنا بزدل ہے، تو پھر اس زندگی سے موت بہتر ہے میرے لئے،

رام دیو :- نہیں ہم تمہیں بزدل نہیں سمجھتے، بے وقوف سمجھتے ہیں، تم دلّی جانا چاہتے ہو، لیکن لشکر لے کر، فوج لے کر، سپہ سالاری کے ٹھاٹھ دکھا کر، تلوار چمکاتے ہوئے، نیزہ ہلاتے ہوئے، دشمن کو للکارتے ہوئے، ہم غلط تو نہیں کہتے؟ ہمارا اندازہ ٹھیک ہے نا؟

ہردیو :- مہاراج سچ کہتے ہیں، وہ غلط کہہ ہی نہیں سکتے، لیکن سوال یہ ہے دشمن کی راجدھانی پر اکیلا آدمی تو چڑھائی نہیں کرسکتا، لشکر کا مقابلہ لشکر کرسکتا [illegible] حالانکہ تمہارے مقابلہ پھر وہی ہم ہار گئے اور دشمن جیت گیا، میں وہ مٹھی بھر تھا۔

ہردیو :- مہاراج اس ذکر سے اب وحشت ہونے لگی ہے مجھے دو تین دن ہوئے لاجونتی سے گفتگو چھڑی تھی، وہ بھی یہی کچھ

ابھی وہ قوم نہیں بنا سکے، جو تلوار کی چھاؤں میں زندگی بسر کرنا سب سے بڑی شان سمجھتی ہے،

ہردیو:۔ لیکن مہاراج ہم نئے آدمی تو نہیں پیدا کر سکتے، نئی قوم کا بنانا بھی تو ہمارے بس کی بات نہیں ہے، یہ سب کچھ ایک دن میں نہیں ہو سکتا۔

رام دیو:۔ انتظار کرو، اور دیکھو، درخت فوراً پھل نہیں لاتا، دیر لگتی ہے، لیکن بیج ڈالنے میں تاخیر مناسب نہیں۔

ہردیو:۔ لیکن آپ تو ابھی دلّی جانے کا حکم دے رہے تھے، میں دلّی جاؤں یا یہاں "کاشتکاری" کروں؟

رام دیو:۔ ہمارا وہ حکم اب بھی قائم ہے، بشرطیکہ واقعی جانا چاہو۔

ہردیو:۔ اگر آپ کا حکم ہوگا تو ضرور جاؤں گا، آج، ابھی، اسی وقت،

رام دیو:۔ اب آئے راہ راست پر ——— ہمیں اطلاع ملی ہے، حالات تیزی سے بدل رہے ہیں، واقعات و حوادث سرعت کے ساتھ پلٹ رہے ہیں۔ علاؤالدین اب دلّی کا بادشاہ بن سرعت سے مالامال ہے۔ یہ [illegible] بھی ہے، کہ اب تک یہ عظیم سمندر، جتنا یہ ناقابلِ تصوّر ہمالہ، یہ دیش ہمیشہ سے حسینوں کا بہادروں کا، بادشاہوں کا، عالموں کا، سپہ سالاروں کا گہوارہ رہا ہے، آج اس مقدس سرزمین پر، کچھ غیر ملکی لٹیرے قابض ہونے کے جتن کر رہے ہیں۔ وہ چلتے ہیں ان لہلہاتے ہوئے کھیتوں پر

جاتا، سیاست۔ سے بھی مارا جاتا ہے، فتح صرف جنگ کے میدان میں نہیں ہوتی، دربار اور ایوان میں بیٹھ کر بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ دشمن کا ہلاک کر ڈالنا ہی کوئی کارنامہ نہیں۔ دشمن کو قابو میں رکھنا بھی بہت بڑا کارنامہ ہے، اور ہم چاہتے ہیں کہ یہ کارنامہ تم انجام دو ——— بتاؤ ہردیو کیا خیال ہے، دلّی جاؤ گے؟"

ہردیو :۔ (خوش ہوکر) ضرور جاؤں گا'

رام دیو :۔ ہماری بات تمہاری سمجھ میں آگئی ہ

ہردیو :۔ آگئی مہاراج، میری آنکھیں کھل گئیں، اب تو ایک نئی دنیا نظر کے سامنے ہے ——— نئی دنیا، نئی راہِ عمل۔

رام دیو :۔ (مسکرا کر) شاباش، ہم نے ابھی تمہیں بے وقوف کہا تھا، اس تقا حون ی ۔۔۔ یہ ۔ت ۔ اس ۔ لیتے ہیں۔ جاؤ تیاری کرو اور کتنی آجائیں گی، اسے روکنے کے لئے کوشش مر۔

کوشش سے پہلے سوچنا پڑے گا، ہمارا دیس اس دنیا میں قدامت و عزّت سے مالامال ہے۔ یہ اتنا ہی پُرانا ہے، جتنا یہ نیلا آسمان، جتنا یہ عظیم سمندر، جتنا یہ ناقابلِ تصوّر ہمالہ، یہ دیش ہمیشہ سے حکیموں کا بہادروں کا، بادشاہوں کا، عالموں کا، سپہ سالاروں کا گہوارہ رہا ہے۔ آج اس مقدّس سرزمین پر، کچھ غیر ملکی لٹیرے قابض ہونے کے جتن کر رہے ہیں، وہ چاہتے ہیں ان لہلہاتے ہوئے کھیتوں پر

ی نہیں بھیجیں گے، تحفے تحائف بھی بھیجیں گے، اور جانتے ہو
یہ ذمہ داری ہم کسے سونپیں گے؟ تمہیں اپنے
ہردیو کو۔

ہردیو :۔ (برہمی کے ساتھ) مہاراج اسی لئے غلام کو دلی بھیجنا چاہتے
تھے؟ ـــــــ میں آپ کے ایک اشارہ پر اپنی گردن کٹا
سکتا ہوں، لیکن اپنی آن قربان نہیں کر سکتا، میں نہیں جاؤں گا۔

رام دیو :۔ مجھ بڈھے کی ایک معمولی خواہش بھی تم پوری نہیں کر سکتے؟
بتاؤ کیا فیصلہ کیا تم نے؟

ہردیو :۔ جی تو یہی چاہتا ہے کہ انکار کر دوں،

رام دیو :۔ اگر تم نے انکار کیا تو بڑی غلطی کرو گے۔ عقل کے ناخن لو، ہمارا
کہا مانو، دلی جاؤ، دربار میں حاضری دو، بادشاہ کو آداب بجا
لاؤ، اس کی خدمت میں ہمارے تحائف پیش کرو، اس کی کمزوریاں
اپنی نظر میں رکھو، اس سے نیاز مندی کا برتاؤ کرو، اس کے
راج کی ایک ایک بات پر دھیان دو۔ اس کے بعد سال بھر
میں، چھ مہینے میں [illegible]
پھر جو ہم ہار گئے اور دشمن جیت گیا، حالانکہ تمہارے مقابلہ
میں وہ مٹھی بھر تھا۔

ہردیو :۔ مہاراج اس ذکر سے اب وحشت ہونے لگی ہے مجھے
دو تین دن ہوئے لاجونتی سے گفتگو چھڑی تھی، وہ بھی یہی کچھ

مقصد حاصل ہو سکتا ہے فکر و تدبیر اور سعی و عمل سے، مہاراج کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دیں، اب تک میری نظر میں خالی سعی و عمل ہی کو اہمیت حاصل تھی فکر و تدبیر کی میری نظر میں کوئی حیثیت نہیں تھی، لیکن معلوم ہوگیا یہ میری غلطی تھی، فکر و تدبیر کو اوّلین حیثیت حاصل ہے، میں دلّی جاؤں گا، کوئی حرج نہیں، اگر کچھ عرصے تک انتقام نہ لے سکوں، بادشاہ کے سامنے نیاز مندانہ طریقہ مجھے اختیار کرنا پڑے۔ لیکن یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ میں مسلمانوں کے طور طریقے دیکھوں اُن کا اندازِ جہاں بانی اور کشور کُشائی دیکھوں، ان کی فوجی اور عسکری قوت کا اندازہ کروں، اور چپکے چپکے ان کی خامیوں اور کمزوریوں کی مہاراج کو اطلاع دیتا رہوں، اور وہ آہستہ آہستہ جنگی تیاریاں کرتے رہیں، طاعون کی طرح مسلمانوں کی حکومت بڑھتی اور پھیلتی جارہی ہے۔ اس طاعون کی زد میں کتنی ریاستیں اور حکومتیں آچکیں اور نہ جانے کتنی آجائیں گی، اسے روکنے کے لئے کوشش کرنا پڑے گی۔ لیکن کوشش سے پہلے سوچنا پڑے گا، ہمارا دیس اس دنیا میں قدامت کی عزّت سے مالا مال ہے۔ یہ اتنا ہی پُرانا ہے، جتنا یہ نیلا آسمان، جتنا یہ عظیم سمندر، جتنا یہ ناقابلِ تصوّر ہمالہ، یہ دیش ہمیشہ سے حکیموں کا بہادروں کا، بادشاہوں کا، عالموں کا، سپہ سالاروں کا گہوارہ رہا ہے۔ آج اس مقدّس سرزمین پر، کچھ غیر ملکی لُٹیرے قابض ہونے کے جتن کر رہے ہیں، وہ چلتے ہیں ان لہلہاتے ہوئے کھیتوں پر

باب (۱۰)

راز و نیاز، سوز و ساز!

ہردیو آج بہت دنوں کے [illegible] پیش کرو۔ اس کی کمزوریاں
تھا، اس کا [illegible] زیر رکھو، اس سے نیاز مندی کا برتاؤ کرو۔ اس کے
راج کی ایک ایک بات پر دھیان دو۔ اس کے بعد سال بھر
میں، چھ مہینے میں [illegible]
پھر جی ہم ہار گئے اور دشمن جیت گیا، حالانکہ تمہارے مقابلہ
میں وہ مٹھی بھر تھا۔

ہردیو:۔ مہاراج اس ذکر سے اب مجھے وحشت ہونے لگی ہے۔ مجھے
دو تین دن ہوئے لاجونتی سے گفتگو چھڑی تھی۔ وہ بھی یہی کہہ رہی

بہت دنوں کے بعد آج اسے آتا دیکھ کر اس کا دل ناچنے لگا، اسے ایسا معلوم ہوا جیسے لاجونتی نہیں حُسن وجمال، رعنائی اور زیبائی، تمکین ووقار اور ناز وادا کی دیوی چلی آ رہی ہے، وہ مسکراتا ہوا اٹھا، اس نے مخمور نگاہوں سے اپنی لاجونتی کو دیکھا، ٹکٹکی لگا کر دیکھتا رہا۔ جیسے بہت دنوں کے بعد کوئی نعمت یکایک بے سان وگمان دستیاب ہو گئی ہو، لاجونتی کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے کہا۔

"آؤ راجکماری تمہیں دیکھ کر میں اپنے سارے غم بھول جاتا ہوں۔"

لاجونتی :۔ پھر آپ نے غم کا نام لیا میں جاتی ہوں؟

ہردیو :۔ نہیں ایسا غضب نہ کرنا، بیٹھو، کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔

لاجونتی :۔ آج تو میں آپ کو بہت خوش دیکھ رہی ہوں۔

ہردیو :۔ ہاں لاجونتی، آج میں بہت خوش ہوں، بے انتہا خوش،

لاجونتی :۔ لیکن اکیلے اکیلے خوش ہونا اچھی بات نہیں، ہمیں بھی بتائیے، تاکہ جس طرح اب تک آپ کا غم بانٹتے رہے اسی طرح اس خوشی اور مسرت میں بھی حصہ لیں، ہنسنے اور مسکرانے میں آپ کو ایک ساتھی مل جائے۔

ہردیو :۔ تم سے نہ اپنا غم چھپا سکتا ہوں نہ خوشی، تم میری زندگی ہو، رُوح ہو۔

لاجونتی :۔ شکریہ، فرمائیے وہ کونسی بات ہے، جس نے آپ کے

ان بلند و بالا عمارتوں پر، یہاں کے آباد اور پُررونق شہروں پر بل کھاتی ندیوں پر، رُوح پرور پہاڑوں پر، اور سب سے بڑھ کر یہاں کی دولت پر، وہ دولت جو ہمیشہ سے بڑھتی آئی ہے، قبضہ کرلیں وہ اپنی سی کوشش کررہے ہیں، ہمیں اپنی سی کوشش کرنا چاہئے، آج وہ کامیاب ہیں، لیکن کل وہ ناکام بھی ہوسکتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں، ہمارا ملک اتنا خوبصورت اور پیارا ہے، خدا کی نعمتوں سے اتنا مالا مال ہے کہ دنیا کا ہر بڑا فاتح اس کے اوپر للچائی ہوئی نظریں ڈالتا رہا ہے۔ سکندر اعظم سے بڑا سپہ سالار اس دنیا میں کوئی نہیں ہوا۔ دھرتی ماتا کے سینہ پر اس سے بڑے فاتح اور کشور کُشا نے قدم نہیں رکھا۔ وہ آیا۔ اُس نے دیکھا اور فتح کرلیا لیکن بھارت آکر وہ بھاگا اور واپس چلا گیا اور پھر کبھی واپس نہ آیا۔ اس کے حکام اور افسر جنہیں وہ چھوڑ گیا تھا اس دیش کی خاک میں مل گئے۔ آج انہیں کوئی جانتا بھی نہیں وہ کون تھے، اور کہاں رہتے تھے۔ ہندو قوم پھر سربلند ہوئی اور اس نے یونانیوں کو نیچا دکھا کر حکومت دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ آج اگر تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے، تو ہم بھی اپنی تاریخ کو دُہرائیں گے۔ جس طرح یونانی اس دیش سے ایسے گئے کہ پھر لوٹ کر نہ آسکے۔ اسی طرح مسلمان بھی یہاں سے ایسے گبٹ اور نوک دُم بھاگیں گے کہ پھر ادھر مُڑ کر نہ دیکھیں گے۔

ہردیو خوش اور مسرور انہی تخیلات میں بیٹھا تھا کہ لاجونتی آگئی۔

:- کاش ایسا ہی ہوتا، ——— تو انتقام کا خیال نکال دیا آپ نے دل سے، اچھا کیا بڑے جان جوکھوں کا معاملہ تھا، عافیت کا راستہ وہی ہے، جو آپ نے اختیار کیا ہے، آپ مبارک باد کے مستحق ہیں، اور میں ایسی مورکھ کہ آپ کو بدھائی (مبارکباد) بھی نہ دے سکی معاف کیجئے گا!

رام دیو :- یہ تیر و نشتر تمہاری طرف سے اور میرے سینے پر؟ ابھی اس روز تم مجھے تسلی دے رہی تھیں، آج میرا مذاق اڑا رہی ہو۔ تمہاری کسی بات کو بھی قرار و ثبات نہیں۔ گھڑی میں کچھ گھڑی میں کچھ!

لاجونتی :- نہیں راجکمار یہ نہ کہئے سچی بات یہ ہے کہ آپ اس روز تسلی کے محتاج تھے، اور آج میں اپنے آپ کو تسلی کا محتاج سمجھ رہی ہوں۔ کتنا ناز تھا مجھے آپ کی بہادری پر لیکن سفارت کے عہدے نے آپ کی بہادری چھین لی، مجھے اس کا دکھ ہے اور میں اس دکھ کو چھپا نہیں سکتی۔

رام دیو :- راجکماری سفارت تو سفارت ہے دنیا کا راج پاٹ بھی میری بہادری نہیں خرید سکتا، جس بہادری کا مول تول ہو سکتا ہو وہ بہادری نہیں بزدلی ہے۔

لاجونتی :- میں اسی غلط فہمی میں تھی، اور کل تک آپ واقعی ایسے تھے، لیکن آج؟ ——— آج تو آپ بک چکے ہیں، اب بہادری کی پرانی داستانیں بنانے اور انہیں یاد دلانے سے کیا حاصل؟ انسان

مغموم اور افسردہ دل کو نشاط و مسرّت سے ہمکنار کر دیا ہے!

ہردیو :- راجکماری میں دلّی جا رہا ہوں،

لاجونتی :- آپ دلّی جا رہے ہیں؟ خیر تو ہے، کیوں؟

ہردیو :- بادشاہ کے دربار میں مہاراج کا سفیر بن کر، تحفے تحائف کا انبار لے کر، خراج کی چھکڑا بھر اشرفیاں لے کر، دوستی، خلوص اور محبّت کا پیغام لے کر۔

لاجونتی :- اوہ یہ بات ہے، مُبارک، کب تشریف لے جا رہے ہیں آپ؟

ہردیو :- سارا سامان تیّار ہو چکا بس گھوڑے پر بیٹھنے کی دیر ہے۔

لاجونتی :- بڑے شوق اور اشتیاق کے ساتھ جا رہے ہیں،

ہردیو :- ہاں لاجونتی یہی بات ہے، میں بہت خوش ہوں، تم میری خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔

لاجونتی :- آپ کی خوشی کا اندازہ تو ٹھیک کر رہی ہوں لیکن شاید آپ کے غم کا اندازہ کرنے میں مجھ سے چُوک ہوئی، یا میں بہت زیادہ بے وقوف ہوں یا آپ بہت زیادہ چالاک ہیں!

ہردیو :- یہ میں کیا سُن رہا ہوں؟ تم مجھ پر طنز کر رہی ہو، لاجونتی ہردیو کا مذاق اڑا رہی ہے؟

لاجونتی :- ایک بہادر سپاہی پر ایک کمزور عورت طنز نہیں کر سکتی، جو آپ نہ کر سکے وہ اگر میں کر سکتی تو بے شک مجھے طنز کا حق تھا۔

ہردیو :- تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو لاجونتی!

جا رہا ہوں اور بہت دُور، نجانے وہاں کیسی گزرے، نجانے کتنے دنوں بعد واپس آؤں، اس مدت میں تمہارا دیدار نہ کر سکوں گا، تم سے باتیں نہ کر سکوں گا، تمہارے ساتھ اُٹھ بیٹھ نہ سکوں گا، سوچو تو میرے ساتھ کتنی محرومیاں جا رہی ہیں۔ لیکن اگر تم مجھے خوشی خوشی رخصت کرتیں، مسکراتیں، اچھی اچھی باتیں کرتیں تو میں خوشی کے گھوڑے پر سوار ہو جاتا، کیا تم اس لئے یہاں آئی تھیں کہ میری خوشی چھین لو اور غم دے دو۔

یہ کہتے کہتے راجکمار ہردیو کی آواز بھرا گئی، اس کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے، راجکماری نے اس کی یہ کیفیت جو دیکھی تو بیتاب ہو گئی۔ اس نے کہا:-

"راجکمار آپ کی آنکھوں میں آنسو؟"

وہ حسرت بھرے انداز میں بولا:-

ہاں اگر تمہاری مرضی یہی ہے —— یہ آنسو نہیں دل کے ٹکڑے ہیں۔

راجکماری نے بیتابی اور اضطراب کے ساتھ کہا:-

آپ کے جانے کے بعد میرا کیا حال ہوگا، اسے بھی تو سوچ لیا ہوتا آپ نے، لیکن میں مخالفت نہیں کر سکتی، اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میرا دل آپ کی عزت کرتا رہے، تو مجھے مطمئن کر کے جائیے، اور دربار شاہی کا سفیر بننے کے بعد انتقام

ماضی پر اسی وقت فخر کر سکتا ہے جب اس کے حال اور ماضی میں فرق نہ ہو۔

ہردیو:۔ راجکماری یہ بات نہیں، میرے دل میں انتقام کی چنگاری آج بھی بھڑک رہی ہے، مسلمانوں سے نفرت کی جوالامکھی آج بھی میرے سینے کو آتشکدہ بنائے ہوئے ہے۔ دلی کو فتح کرنا آج بھی میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے، اور جب تک یہ مقصد نہ حاصل ہو جائے دنیا کی ہر لذت ہر مسرت اور ہر چیز مجھ پر حرام ہے حتیٰ کہ لاجونتی بھی۔

لاجونتی:۔ (مسکراتے ہوئے۔ شاید میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ورنہ آپ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں، میں نے ایسی بے تکی باتیں کبھی نہیں سنیں آپ کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ کسے سچ سمجھوں، کسے جھوٹ؟ کبھی آپ کی آنکھوں سے خون برسنے لگتا ہے کبھی آپ کے چہرہ پر مسرت کی لالی دوڑ جاتی ہے۔ غم میں خوشی اور خوشی میں غم، یہ کمال آپ ہی میں دیکھا۔

ہردیو:۔ راجکماری تم تو آج لڑنے آئی ہو مجھ سے،

لاجونتی:۔ لڑائی بھی اسی سے کی جاتی ہے، جس پر داعیہ ہو جو اپنا ہو۔

ہردیو:۔ مجھے اس پر فخر ہے کہ تم مجھ پر اپنا داعیہ رکھتی ہو، مجھے اپنا سمجھتی ہو مجھ سے روٹھ سکتی ہو، خفا ہو سکتی ہو۔ اور کوئی وقت ہوتا تو اس لڑائی کا بھی خیر مقدم کرتا۔ لیکن اب دیش ہے باتھ

تاکہ سورج کی جھلک دیکھتے ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں
منزل کڑی بھی ہے، اور دُور دراز بھی، لیکن تمہاری محبت
کا توشہ اس سفر کو آسان بنا دے گا۔"

وہ ایک ادا کے ساتھ کہنے لگی :-

"نہیں جب تک آپ سدھار نہ جائیں گے میں بھی جاگتی ہی
رہوں گی، اپنی آنکھوں سے آپ کو گھوڑے پر بیٹھتا دیکھوں
گی، اور جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے،
وہیں دروازے سے ٹیک لگائے اپنے شہسوار کو دیکھتی
رہوں گی، اور پھر آنکھوں میں اس کی تصویر بسائے، دل
میں اس کی یاد لئے اس کمرہ میں چلی جاؤں گی، جہاں تنہائی
میری منتظر ہو گی۔

یہ کہتے کہتے لاجونتی کی آواز بھی بھرّا گئی، اور اس کی آنکھوں میں
بھی آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے تیرنے لگے۔

کس طرح لیا جا سکتا ہے، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی،

ہردیو نے اپنی اور راجا رام دیو کی ساری گفتگو لاجونتی کو سنادی اور کہا۔
اب کہو تمہاری کیا رائے ہے، میں وہی کروں گا، جو تم کہو گی
تمہاری مرضی ہو گی تو جاؤں گا ورنہ ابھی مہاراج کے پاس
جا کر کہے دیتا ہوں بخشئے مجھے آپ کی سفارت نہیں چاہئے۔

لاجونتی بڑے غور سے ہردیو کی باتیں سنتی رہی، پھر ایک برقِ پاش تبسم کے ساتھ بولی:۔

"میں آپ کو بھگوان کے سپرد کرتی ہوں، ضرور جائیے
میں یہاں تنہا رہوں گی، لیکن آپ کی یاد ہر وقت میرے
ساتھ رہے گی، میں گھبراؤں گی، وہ دلاسہ دے گی، روؤں گی
وہ آنسو پوچھے گی، تنہائی محسوس کروں گی وہ مجھ سے باتیں
کرے گی، جب تک آپ واپس نہ آئیں گے میں اسی
طرح بسر کروں گی، خدا وہ دن جلد لائے کہ آپ اپنے مقصد
میں کامیاب ہو کر واپس آئیں"

لاجونتی یہ باتیں کر رہی تھی، اور ہردیو ایک پجاری کی طرح اس کے چہرہ کی طرف تک رہا تھا۔ جب وہ اپنی باتیں ختم کر چکی تو اُس نے کہا:۔

"تمہارے یہ الفاظ میرے لئے آبِ حیات کا کام دیں
گے ـــــــ رات ختم ہو رہی ہے، پو پھٹنے والی ہے
اب جا کر آرام کرو، میں اپنا تھوڑا سا سامان ٹھیک کرلوں"

دن آجاتا تھا، پھر تیسرا۔ اسی طرح کئی مہینے گزر گئے۔

آج عین عالم انتظار میں ہر دیو کا ایک خط لاجونتی کے نام آیا۔ نامہ پاکر، وہ پھول کی طرح کھل گئی۔ اور جوش اشتیاق کے ساتھ اس نے خط پڑھنا شروع کر دیا۔

بار بار وہ خط پڑھتی تھی اور شرماکر گردن جھکا لیتی تھی، جیسے اس خط کے پردے سے کسی کی گستاخ نگاہیں جھانک رہی ہوں اور وہ شرمائی جارہی ہو۔

ہردیو نے لکھا تھا،

لاجونتی!

میں دلی پہنچ گیا، تمہاری یاد نے میری بڑی مدد کی۔ ہر تکلیف ہر پریشانی اور ہر طوفان کے موقع پر میرا حوصلہ بڑھاتی رہی اور میں نئے جذبہ اور ولولے کے ساتھ ہر مصیبت سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتا رہا۔ اور بالآخر کامیاب ہوا، اور منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔!

دلی بہت بڑا شہر ہے۔ واقعی مسلمانوں نے اس میں چار چاند لگا دیئے ہیں، یہاں کے لوگ بتاتے ہیں، دلی ویران ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کے آتے ہی رونق، آبادی، چہل پہل اور گرما گرمی کا دور شروع ہوگیا، یہاں مندر ہیں، مٹھ ہیں، تالاب ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ مسجدیں ہیں، خانقاہیں ہیں، مدرسے ہیں۔ مندروں

باب (۱۱)

نامۂ شوق

ہردیو کو دلی گئے کئی مہینے ہو چکے تھے، اس اثنا میں اس کا کوئی خط نہیں آیا۔ بظاہر پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس لئے کہ راستہ ہی مہینہ ڈیڑھ مہینہ کا تھا، سرکاری طور پر ڈاک کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا، اور شاہی ہرکارے ڈاک کو جلد از جلد منزل مقصود تک پہنچانے کی کوشش بھی کرتے تھے، پھر بھی خط اس وقت لکھا جاتا ہے جب لکھنے کی کچھ باتیں بھی پیش نظر ہوں، آدمی اپنی جگہ پر پہنچ کے جم جائے تب ہی خط لکھتا ہے۔ لیکن لاجونتی پہلے ہی دن سے ہردیو کے خط کی منتظر تھی۔ ہر روز انتظار کرتی تھی اور انتظار کرتے کرتے دوسرا

ہاں لاجونتی ہماری طرف مندروں میں دیو داسیاں ہوتی ہیں ، تم نے دیکھی تو ہوں گی ، مجھے یاد پڑتا ہے ، ہم تم ایک مرتبہ ساتھ ساتھ بڑے مندر گئے تھے۔ جہاں اور بہت سی چیزیں دیکھی تھیں وہاں دیو داسیوں کو بھی دیکھا تھا۔ ان کا گانا بھی سنا تھا۔ اور ناچ بھی دیکھا تھا، یہاں کے مندروں میں دیو داسیاں تو نہیں ہوتیں البتہ مرلیاں ہوتی ہیں۔ بس نام کا فرق ہے ، کام دونوں کا ایک ہے۔ یہ مرلیاں بڑی چنچل اور چلبلی ہوتی ہیں۔ بات بات میں مسکراتی ہیں۔ نگاہوں کے تیر پھینکتی ہیں۔ لیکن میرا سینہ چٹان بن چکا ہے۔ اس پر لاجونتی کے سوا جس کا تیر بھی چلے گا ٹوٹ کر رہ جائے گا۔

لیکن یہ میں کیسی باتیں کرنے لگا ، ہٹاؤ اس قصہ کو لیکن ایک بات ضرور سن لو۔ یہاں کے پجاری اور مہنت بڑے زندہ دل اور باذوق ہوتے ہیں۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ مرلیوں کو ان کمبختوں نے ویشیا (طوائف) بنا رکھا ہے۔ بھلا ان لوگوں پر بھگوان کا غضب کیوں نہ نازل ہو۔ مندر جیسی پاک اور مقدس جگہ کو بے حیائی کا اڈہ بنا کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کون سا پاپ ہے جو یہ نہیں کرتے؟ کون سی معصیت ہے جس سے ان کا دامن آلودہ نہیں؟ مندروں کے بارے میں ہماری طرف بھی اس طرح کی باتیں کبھی کبھی سننے میں آتی تھیں ، لیکن بہت کم۔ یہاں تو ہر جگہ انہی باتوں کا چرچا ہے۔ کتنی

کو دیکھ کر جتنی خوشی ہوتی ہے۔ سجدوں کو دیکھ کر جی اتنا ہی جلتا ہے جو لذت بھگوان کے نام میں ہے۔ اللہ کے لفظ میں کہاں ؟ مجھے تو اس لفظ سے وحشت ہوتی ہے۔ لیکن دلی میں رہ کر مسلمانوں سے مفر کہاں ؟ ذرا زمانہ کا انقلاب تو دیکھو، جس دیس میں کبھی ایک خدا کا نام نہیں پکارا گیا تھا، آج وہاں کے میناروں سے دن میں پانچ پانچ بار صدائے توحید بلند ہوتی ہے، جی چاہتا ہے کانوں میں انگلیاں دے لوں، یہ آواز نہ سنوں لیکن ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، لوگ میرا مذاق اُڑائیں گے۔

مانتا ہوں مندر آباد ہیں، بتوں کی سیوا کے لئے مہنت اور پجاری موجود ہیں، ان کو بڑی بڑی جاگیریں بھی دی گئی ہیں۔ ہندو عوام آزادی کے ساتھ جاتے ہیں۔ پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ بھجن گاتے ہیں۔ اور چلے آتے ہیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں، پابندی نہیں۔ سختی نہیں لیکن یہ مندر بھی مسلمانوں کے دعاگو ہیں انہی کی مدد سے چل رہے ہیں، ہمارے مہنت اور پجاری ان کے بادشاہ کی درازیٔ عمر اور ترقی اقبال و دولت کی دعائیں مانگتے ہیں، اور اس طرح مسلمانوں کا ذکر کرکے مندر کی پوتر (مقدس) فضا کو گندہ کرتے ہیں، جی چاہتا ہے ان مندروں کو ڈھا دوں، ان پجاریوں کو قتل کر دوں لیکن نہیں کر سکتا۔ اتنا ضرور کیا ہے کہ مندروں کا آنا جانا بالکل چھوڑ دیا۔ ایسے مندروں سے تو مسجدوں میں چلا جانا بہتر ہے۔ کیا فائدہ جانے سے ؟

آتے ہیں۔ یہاں آکر معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کسے کہتے ہیں؟ بادشاہی طمطراق کیا ہوتا ہے؟ اور بادشاہ کی شخصیت کیسی ہوشربا ہوتی ہے۔

دربار میں غیر ملکی سفیروں کے ساتھ عزت اور احترام کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ برتاؤ اس وقت کیا جاتا ہے، جب یہاں کی شان وشوکت دیکھ کر ان کی آنکھیں خیرہ ہو چکی ہوتی ہیں۔ اور وہ سراپا نیاز بن چکے ہیں۔ میری بھی بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ بادشاہ سلامت نے مسکرا کر مجھ سے ہاتھ ملایا۔ بعد میں مجھے بتایا گیا کہ یہ اعزاز بہت کم خوش قسمتوں کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن میں اس اعزاز سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا۔ غور تو کرو۔ جو شخص بادشاہ سے ملنا، اسے دیکھنا، اس سے بات کرنا اپنے لئے باعثِ ذلت سمجھتا ہو، اسے اس فخر پر کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ میرے دل میں طوفان ہلچل مچا رہا ہے۔ میں اس شان وشوکت کو، اس جاہ وجلال کو، اس تمکنت کو اس دبدبہ اور طمطراق کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالنا چاہتا ہوں۔ میں اس قوم کی بادشاہت کو، اس کی حکمرانی اور بالادستی کو مچھر کی طرح مسل دینا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ پھر وہی زمانہ لوٹ آئے جو مسلمانوں کی آمد سے پہلے کا تھا۔ یہ غیر ملکی ہمارے دیس میں دندناتے ہوئے آئے اور ہمارے سینے پر مونگ دل رہے ہیں۔ ہم سے روپیہ وصول کرتے ہیں، اور شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ انہیں کیا حق ہے۔ یہ سب کچھ کرنے کا؟ آج یہ سب باتیں خود مجھے مجذوب کی بڑ معلوم ہوتی ہیں لیکن ایک

شرم آتی ہے۔ مجھے یہ باتیں سُنکر لیکن کیا کروں بے بس ہوں؛

اب میں تمہیں دربار کا نقشہ دکھاتا ہوں:۔

بہت بڑا قلعہ ہے۔ قلعہ کے اندر بہت سی عمارتیں ہیں۔ ایک سے ایک دیدہ زیب اور دلکش۔ چاق چوبند سپاہی ہروقت اور ہر طرف گشت کرتے رہتے ہیں۔ بادشاہ تقریباً روز دربار کرتا رہتا ہے دربار کا منظر قابلِ دید ہوتا ہے۔ وزراء، حکام، افسرانِ عالی مقام اُمراء، رؤساء، شہزادے، عالم، شاعر، بڑے بڑے فن کار صف بستہ موجود رہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ ایک خوبصورت گلدستہ ہے۔ جس میں طرح طرح کے پھول اپنی بہار دکھارہے ہیں۔ شاعروں کے قصیدے سنو تو نئی دنیا نظر آنے لگتی ہے، بہادروں کے تیور دیکھ کر شجاعت کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ رؤسا اور اُمراء کی شان دیکھو تو کیفیت یہ ہوتی ہے کہ

انگشت حیرت در دہاں نیمے دروں نیمے بروں!

یہاں کے اربابِ ثروت اور صاحبانِ جاہ وحشمت کے ٹھاٹھ دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے دولت کھٹی پڑ رہی ہے۔ اس دیس میں سب سے بڑھ کر یہ کہ بادشاہ پر ایک نظر ڈالو تو ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے جلال وہیبت کا ایک مجسمہ سامنے بیٹھا ہے۔ واقعی آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی ہمّت نہیں پڑتی۔ حاضرینِ دربار کا یہ عالم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے رُعب اور دبدبہ کے باعث لرزاں اور ترساں نظر

میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ حالانکہ جانتی ہو میرا دل کتنا مضبوط ہے، لیکن جھوٹ کیوں بولوں کانپ گیا میں تو۔ دونوں ہاتھیوں کی گردنوں پر مہاوت بیٹھے ہیں۔ ذرا ان مہاوتوں کی ہمت اور جرأت تو دیکھو، کس شان سے جلوہ گر ہیں۔ جیسے بادشاہ تخت حکومت پر۔ لیجئے زنجیریں کھول دی گئیں۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کی طرف چنگھاڑتے ہوئے بڑھے۔ کتنا لرزہ خیز منظر ہے۔ روح دہلی جا رہی ہے، ایک دوسرے پر اس بے دردی اور تیزی سے سونڈوں کے چابک مار رہے ہیں کہ ضرب کی گونج دور دور تک پہنچتی ہے۔ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے جیسے قلعہ کی دو بڑی دیواریں آپس میں گتھ گئی ہیں۔ چنگھاڑ اس غضب کی کہ رستم کا پتا بھی پانی ہو جائے، اپنے بڑے بڑے دانت ایک دوسرے پر اس طرح رگڑتے ہیں جیسے کسی پہاڑی پر کوئی ستون نصب کر دیا گیا ہو۔

وہ دیکھو ایک ہاتھی زخموں سے چور اور نڈھال ہو کر راہِ فرار اختیار کر رہا ہے۔ دشمن کے سامنے سے بھاگ جانا چاہتا ہے لیکن حریف غالب بھاگنے کا موقع نہیں دیتا برابر ضربیں لگا رہا ہے۔ پے در پے وار کر رہا ہے۔ سونڈ سے ٹکر سے، لمبے لمبے خوفناک دانتوں سے حملے کر رہا ہے۔ سونڈ کا چابک سڑاسڑ چل رہا ہے۔ ہاتھی دانت کا نیزہ اپنا کام کئے جا رہا ہے، کتنی عبرت کا مقام ہے۔ ہاتھی جیسا شہ زور بھاگنے پر مجبور ہو سکتا ہے ——— وہ بھاگا لیکن حریف بھی

وقت آئے گا، جب یہ حقیقت بن جائیں گی۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ دیوانوں کے خواب حقیقت بن گئے ہیں، جن کا لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے اس نے اٹل اور نا قابلِ تردید واقعہ کی صورت اختیار کرلی۔ میرا خواب بھی ایک دن عملی جامہ پہنے گا۔

ایک دلچسپ واقعہ سنو، دس بارہ دن ہوئے، قلعہ میں ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشہ ہو رہا تھا۔ اس موقعہ پر بادشاہ نے شہزادوں اور سفیروں کے علاوہ غیر ملکی سفیروں اور شہر کے سربرآوردہ لوگوں کو بھی مدعو کیا تھا۔ میرا اس طرح کی رنگ رلیوں میں حصہ لینے کا بالکل جی نہیں چاہتا لیکن جانا پڑا، آخر سفارت کے آداب بھی تو کوئی چیز ہیں۔

ہاں جناب تو یوں سمجھئے بلکہ اپنی چشمِ تصور سے کام لے کر دیکھنا شروع کر دیجئے کہ ایک بہت بڑا میدان ہے۔ اس کے اردگرد بلندی پر شامیانہ نصب ہے، اگلی صفوں میں اپنے اپنے عہدہ اور مرتبہ کے لحاظ سے لوگ تماشہ دیکھنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ بالکل یوں سمجھو، جیسے کوئی بہت بڑا دنگل ہے، اور پہلوانوں کی جوڑی چھوٹنے والی ہے۔

میدان میں زنجیروں سے بندھے ہوئے دو مست ہاتھی کھڑے جھوم رہے ہیں۔ زنجیریں تڑانے کی کوشش کر رہے ہیں، چیخ رہے ہیں۔ چنگھاڑ رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ دو پہاڑ کھڑے ہوئے بادل کی طرح گرج رہے ہیں۔ اتنا خوفناک اور دہشت انگیز منظر

بہ افراط مقررہ داموں پر بل رہی ہے۔ بادشاہ کا کہنا ہے کہ اگر دس برس تک بھی مسلسل قحط پڑے اور اناج کا ایک دانہ بھی پیدا نہ ہو تو بھی اسی نرخ پر رعایا کو اناج ملتا رہے گا۔ بات یہ ہے کہ اس نے اناج کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے۔ گرے پڑے وقت کے لئے، ہاں تو ایک دن بادشاہ کو سُن گُن ملی کہ اناج کے نرخ میں ایک پائی فی سیر کا اضافہ کر دیا گیا ہے، اس نے فوراً بنئے بقالوں کو طلب کیا سب کا مال ضبط کر لیا، کاروبار کرنے کا اجازت نامہ چھین لیا۔ یہاں تک تو غنیمت تھا۔ اس کے بعد جانتی ہو کیا ہوا؟ اس کے بعد یہ ہوا کہ سب کا منہ کالا کر کے گدھوں پر سوار کیا اور سارے شہر کی سیر کرا دی۔ ہر شخص تھوکتا اور لعنت بھیجتا تھا۔ ان لوگوں پر اس واقعہ نے ایسی دھاک بٹھا دی کہ اب کوئی اضافہ قیمت کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا، یہی وجہ ہے کہ رعایا (اور رعایا میں ہندو ہی بہت زیادہ ہیں) دل سے بادشاہ کو دُعا دیتی ہے۔ میں جب یہ دُعائیہ الفاظ سُنتا ہوں تو میرا خون کھول جاتا ہے۔ آخر پیٹ ہی تو سب کچھ نہیں ہے۔ کچھ اور چیزیں بھی ہیں، جن کے لئے زندہ رہنے کی ضرورت ہے۔ دھرم، سماج، زندگی کے اُصول ان چیزوں پر اگر حملہ ہو لیکن پیٹ بھرنے کے لئے اناج بہ افراط موجود ہو تو میں ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔ مجھے اپنا دھرم اور سماج اور اپنی زندگی کا سبھاؤ پیٹ سے زیادہ عزیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے دل میں اب تک مسلمانوں کی کوئی عزّت

تعاقب کئے جارہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے "دشمن" کی جان لے کر رہے گا۔ آخر ملازمانِ شاہی نے پٹاخے چھوڑے اور اب یہ شہہ زور صاحب بھی جو لگاتار دشمن کا پیچھا کئے جا رہے تھے گھبرائے اور انہوں نے بھی دشمن کو چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔ لیجئے دونوں میدان سے نکل گئے۔ ایک مشرق کی طرف دوسرا مغرب کی طرف۔ بہادت پھر گردن پر چڑھ بیٹھے۔ ایک صاحب فتحیاب دوسرے شکست خوردہ اپنے اپنے طویلہ کی طرف روانہ ہوئے حاضرین کی خوشی کا کیا کہنا، سچ لاجونتی بڑا دہشت انگیز لیکن دلچسپ منظر تھا۔ شاید میں زندگی بھر اسے نہ بھول سکوں گا۔

چند روز ہوئے ایک اور بڑا دلچسپ واقعہ پیش آیا تھا چاہتا ہوں تمہیں وہیں بیٹھے بیٹھے دلّی کی سیر کرادوں بڑا دلچسپ واقعہ ہے۔ سنو گی تو ہنسو گی۔ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں گے۔ اسی لئے سناتا ہوں کہ ذرا تمہارا جی بہل جائے۔

یہاں اناج بہت سستا ہے۔ ایک آنے کی کئی سیر گیہوں خرید لو، ضروریاتِ زندگی کی دوسری چیزوں کی بھی قیمتیں مقرر ہیں اور حکم ہے کہ ان قیمتوں سے ایک کوڑی بھی زیادہ نہ لی جائے بادشاہ کے جاسوس منڈیوں کا چکر لگاتے رہتے ہیں، اور اس بات پر کڑی نظر رکھتے ہیں کہ کوئی تاجر زیادہ دام نہ لینے پائے۔ بادشاہ کے رعب کا اندازہ اس سے کرلو کہ اس سال قحط پڑا ہے۔ پھر بھی ہر چیز

دیکھے تمہارا اُترا ہوا چہرہ دیکھ کر بے تاب ہو جاتا ہو ؛ آج مجھے تمہارے چہرے پر کچھ پریشانی سی نظر آرہی ہے ، ممکن ہے یہ میری نگاہِ تصوّر کی خامی ہو ، لیکن جب تک تمہارا جواب نہ آئے ، میری بے کلی نجانے کیا رنگ اختیار کرے گی ۔ جیسے ہی یہ خط پڑھو جواب لکھنے بیٹھ جاؤ ۔ اور سینا پتی جی کے ہاتھ میں دے کر ان سے کہو کہ ہرکارے کو ہوا کے گھوڑے پر بٹھائیں اور میرے پاس بھیج دیں ۔

نہیں پیدا ہو سکی، بلکہ انہیں دیکھ کر ایک قسم کی جھنجلاہٹ، کراہت اور نفرت محسوس کرتا ہوں، بس چلے تو ایک ایک کو دیوار میں زندہ چنوا دوں، یہ لاکھ اچھے ہوں لیکن انہیں ہم پر حکومت کرنے کا کیا حق ہے؟ میں اس حق کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

غرض کہاں تک لکھوں یہاں ہر روز نئے نئے واقعات نظر کے سامنے گزرتے ہیں۔ کبھی حیرت ہوتی ہے۔ کبھی غصہ آتا ہے کبھی افسوس ہوتا ہے۔

یہ ساری کتھا تو میں تمہیں سُنا گیا۔ لیکن میں نے تمہارا حال نہیں پوچھا۔ تمہارا مزاج نہ دریافت کیا، تمہارے مشاغل کی ٹوہ نہ لگائی۔ دل میں کہتی ہوگی کہ اچھی محبت ہے۔ عاشق صاحب میں اتنی تمیز بھی نہیں کہ خیر و عافیت دریافت کریں۔ اس الزام کو تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن میرا ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ جب تم سے باتیں کرنے بیٹھتا ہوں تو اپنی زیادہ کہتا ہوں، تمہاری کم سنتا ہوں۔ یہی آج بھی ہوا

جنون کے عالم میں نہ جانے کیا کیا بک گیا۔ بتاؤ لاجونتی کیسی ہو؟ طبیعت کیسی ہے؟ پریشان تو نہیں ہوتیں؟ گھبراتی تو نہیں؟ میں جانتا ہوں راج بھون میں تمہارا کوئی ساتھی نہیں یوں تو نوکر چاکر بھی ہیں، غلام بھی ہیں۔ باندیاں بھی ہیں۔ سہیلیاں اور سکھیاں بھی ہیں۔ عزیز اور رشتے دار بھی ہیں۔ سب ہیں لیکن ایسا کوئی نہیں جو میری نظر سے تمہیں

اُس نے لکھا :-

بہت دنوں کے بعد تمہارا خط ملا ، کاغذ کی خوشبو سے ایسا معلوم ہوتا ہے ، جیسے تم اس میں بسے ہوئے ہو ۔ تمہارے قلم سے جو لفظ ٹپکے ہیں وہ بے جان اور بے زبان نہیں ؛ جاندار اور بولتے ہوئے ہیں خط کھول کر سامنے رکھتی ہوں تو یہ معلوم ہوتا ہے ، جیسے تم بیٹھے مُسکرا رہے ہو ، اور مزے مزے کی باتیں کر رہے ہو ،

اپنے خط میں تم نے جو کچھ لکھا ہے ، اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ۔

تمہارے دل میں اپنی بے بسی ، اور ذلّت کے انتقام کا آتش فشاں بھڑک رہا ہے ۔ ٹھیک ہے اس بات میں مجھے اپنا ساتھی سمجھو ، میں بھی خار کھائے بیٹھی ہوں ان مسلمانوں پر دبس چلے تو ایک ایک کی چمڑی اُدھیڑ دوں ، اس مُبارک دن کی منتظر ہوں ، جب تم ان سے انتقام لوگے اور تمہاری قوم فخر سے سر اُونچا کر کے اپنی ذلّتوں اور شکستوں کا جی کھول کر اس ظالم قوم سے بدلہ لے گی اور شکست کا داغ اپنے دامن سے دھولیگی ۔

لیکن ہاں جگہ بار تمہاری ایک بات مجھے اچھی نہیں لگی ۔ تم نے اچھی باتوں کو بھی غصّہ اور نفرت کی زبان میں لکھا ہے ۔ یہ نہیں ہونا چاہئے ، یہ سچ ہے ، مسلمان بُرے ہیں ، پاپی ہیں ، ظالم ہیں اور یہ مانتی ہوں کہ بُرائی کی بڑائی کرنا چاہئے ۔ پاپ سے نفرت ضروری ہے ، ظلم کے مقابلہ میں ڈٹ جانا چاہئے ۔ خواہ وہ چھوٹا ظلم ہو یا بڑا ، لیکن اچھائی بہر حال اچھائی ہے ،

باب (۱۲)

نامۂ دلدار

لاجونتی ہردیو سے بڑی محبت کرتی تھی، خط پڑھ کر باغ باغ ہوگئی ایک بار پڑھا دو بار پڑھا، تین بار پڑھا، نجانے کتنی دفعہ پڑھ ڈالا۔ مگر سیری نہ ہوئی، پھر جواب لکھنے بیٹھ گئی، جی چاہتا تھا اپنا دل کھول کر رکھ دے کاغذ کے صفحات پر لیکن بڑی دیوانی تھی لکھنا کچھ چاہتی تھی، لکھ کچھ جاتی تھی۔ یہ ورق لکھا اور پھاڑا۔ وہ سطریں لکھیں اور کاٹ دیں۔ بڑی دیر تک یہ کشمکش جاری رہی۔ پھر اس نے اپنی بے خودی پر غلبہ پایا اور یوں لکھنے بیٹھ گئی۔ لکھنے بیٹھی تو اس طرح کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگئی جیسے خط لکھنے کے سوا کوئی اور کام ہی نہیں ہے،

جب سے تم گئے ہو مہارانی کو اپنے راجکمار بھتیجے کا پھر بہت خیال آنے لگا ہے۔ وہ مجھ سے تو کچھ نہیں کہتیں لیکن مجھے سامنے بٹھا کر میری سہیلیوں اور باندیوں سے بڑے شاندار الفاظ میں اس کا ذکر کیا کرتی ہیں۔ کل میری ایک سہیلی منورما آئی اور اُس نے مجھ سے کہا:۔

راجکماری ہردیو کو جلد واپس بلا لو،

میں نے کہا وہ اپنے دیس کی سیوا کے لئے گئے ہیں، انہیں کیسے بلاؤں وہ نہیں آئیں گے،

منورما نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور پوچھا،

تم بلاؤ گی جب بھی نہیں آئیں گے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

——— !

میں نے جواب دیا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ میں خود بُلانا نہیں چاہتی، اور یہ بھی میں جانتی ہوں، کہ اگر انہیں بُلاؤں گی تو وہ ایسے آدمی نہیں کہ اپنا فرض چھوڑ کر بھاگے چلے آئیں، وہ آنے سے انکار کر دیں گے، وہ مجھے بہت چاہتے ہیں، لیکن مجھ سے زیادہ دیس کو چاہتے ہیں، وہ مجھے دیس پر قربان کر سکتے ہیں، لیکن مجھ پر خاکِ وطن کا ایک ذرہ بھی نثار نہیں کر سکتے۔

منورما چُپ چاپ یہ باتیں سُنتی رہی، پھر اُس نے پریشانی کے انداز میں مجھ سے کہا، نہ بلایا تو پچھتاؤ گی، روؤ گی منہ ڈھانپ ڈھانپ کر۔ میں نے پُوچھا کیوں ایسی باتیں کیوں کرتی ہو، جس سے میرا

چاہے وہ کسی سے سرزد ہو اگر ہم اسے بھی پاپ سمجھنے لگیں، تو ہم خود پاپی بن جائیں گے، میں تو یہ پڑھ کر بہت خوش ہوئی کہ مسلمان راجا اپنی ہندو پرجا کا اتنا خیال رکھتا ہے۔ اناج اتنا سستا کر دیا ہے کہ کھلے عام ملتا ہے، بنئے اور بقال اپنی جیب بھرنے کے لئے اگر دام چڑھاتے ہیں تو انہیں عبرت انگیز سزا ملتی ہے، راجکمار یہ باتیں تمہیں بھی پسند آنی چاہئیں، اس لئے کہ تم بھی بڑے اچھے آدمی ہو۔ دشمن کی دشمنی میں انصاف کو ہاتھ سے نہ دو، بلکہ میں تو کہتی ہوں جب بھگوان تمہارے ہاتھ میں طاقت دیں تو تمہیں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔

مسلمان راجا کے دربار کی جو تم نے تصویر کھینچی ہے وہ بڑی دلچسپ ہے لیکن میں تو ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئی اگر وہاں ہوتی تو شاید تم مجھے دیکھتے کیسی آزادی سے بادشاہ کے سامنے اپنے خیالات ظاہر کرتی۔

——— اب میری کتھا سنو!

جب سے تم گئے ہو میری جان پر بن گئی ہے۔ کوئی چیز اچھی نہیں لگتی، کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ کیسے کیسے جتن رہ کرتے تھے ہمارے راج بھون میں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا غم فکر پریشانی ہم جانتے ہی نہیں کیا چیز ہوتی ہے۔ لیکن اب دل کی نگری ویران پڑی ہے۔ سناٹا چھایا ہوا ہے۔ دل پر، نہ جانے وہ دن کب آئے گا کہ یہ آنکھیں پھر تمہیں دیکھیں یہ کان پھر تمہاری باتیں سنیں، اور ہم دونوں کے دل ساتھ ساتھ دھڑکیں۔

تم نے پوچھا تو نہیں لیکن ایک بات تمہارے کان میں ڈالے دیتی ہوں،

بڑی بھولی ہو، مجھے تو پیار آجاتا ہے ان باتوں پر، بھلا بتاؤ عورت ذات ہو کر کیسے نپٹ لوگی؟

میں نے اپنے بالوں کے جوڑے سے ایک ننھی ڈبیا نکالی، جس میں ہیرے کی کنی رکھی تھی، پھر میں نے کہا، کیا اس سے بڑا محافظ بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ یہ میرے ناموس کا نگہبان ہے، مجھ تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچنے دے گا۔

وہ خاموش ہو گئی اور میں مسکرانے لگی۔

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عورت سے بڑھ کر بے بس اور کمزور کوئی نہیں، حالانکہ یہ خیال غلط ہے، عورت اسی وقت تک کمزور رہے جب تک وہ کمزور بنی رہے، لیکن جب آن اُسے اپنی قوت کا احساس ہو جاتا ہے، پھر وہ ناقابل تسخیر طاقت بن جاتی ہے۔ اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا، اسے کوئی جھکنے پر مجبور نہیں کر سکتا، مجھے امید ہے مہارانی کی حسرت پوری نہ ہوگی، مہاراج میرے ساتھ ہیں، پرتا تما میرے ساتھ ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں خدا اپنے ساتھ ہوں، ہرگز کوئی ایسی بات نہیں ہو سکتی، جو میرے اور ہردیو کے مزاج اور طبیعت کے خلاف ہو، پھر بھی انسان کو ہر موقع کے لئے تیار رہنا چاہئے، اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو زندگی کی آخری سانس تک اس کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتی ہوں، تم جلد جلد خط لکھا کرو تاکہ میرا حوصلہ قائم رہے، تمہاری یاد اور تمہارے خط کے سوا، اس

دل دھڑکنے لگتا ہے، وہ بولی تمہیں ایک راز کی بات بتاتی ہوں، مجھے اشتیاق پیدا ہوا اور میں نے کہا جلدی بتاؤ ——

پہلے تو اس نے ادھر ادھر دیکھا، جیسے وہ یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ کوئی ہماری باتیں سُن تو نہیں رہا ہے، مطمئن ہو گئی تو بولی، مہارانی کی نیت بے ڈھب معلوم ہوتی ہے، ان کے تیور بدلے ہوئے ہیں، میں نے پوچھا اس کا کیا مطلب، کہنے لگی وہ نپے تلے بھگوان سے تمہارا بیاہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں، اور بہت خوش ہیں، کہ ہردیو کے نہ ہونے کی وجہ سے میدان صاف ہے، وہ کامیاب ہو جائیں گی،

میں نے منورما کو جواب دیا، تم بے وقوف ہو ایسا نہیں ہو سکتا مہاراج راجکمار کو زبان (قول) دے چکے ہیں، اور میں جانتی ہوں، ان کی بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔

منورما چڑ کر کہنے لگی، اگر میں بے وقوف ہوں تو تم پاگل ہو۔ ہردیو کے آئے بنا تمہاری مشکل حل نہیں ہو سکتی،

میں نے جواب دیا، اگر صرف اتنی بات کے لئے تم راجکمار کو بلانا چاہتی ہو، تو اب میری رائے اور پختہ ہو گئی ہے کہ اُن کے آنے کی ضرورت نہیں، اس معاملہ کو تو میں خود نپٹ سکتی ہوں۔

منورما حیرت سے میرا منہ دیکھنے لگی، پھر بولی، راجکماری

(۱۳)

باب

تلوار کی نوک

ہردیو نے لاجونتی کا خط پڑھا۔ غم و غصّہ کی شدت نے عجیب کیفیت طاری کردی اس پر، اگر مہارانی اس وقت اس کے سامنے ہوتیں تو وہ ان کی گردن مڑوڑ دیتا، اگر شومیٔ قسمت سے بھگوان سے آمنا سامنا ہوجاتا، تو وہ اپنی اور اس کی جان ایک کردیتا، وہ ہر معاملہ میں صبر و تحمل کا ثبوت دے سکتا تھا لیکن لاجونتی کے معاملہ میں نہیں، لاجونتی کو وہ اپنی زندگی سمجھتا تھا، اور زندگی سے کوئی شخص ہنسی خوشی دستبردار نہیں ہوسکتا!

پھر اب راہِ عمل کیا ہو؟

دُنیا میں میرا ہمدرد اور ساتھی کون ہے؟

نجانے کیا کیا لکھ گئی، "اب رُخصت ہوتی ہوں، اور کہے دیتی ہوں تمہارے خط کے انتظار میں میرا ایک ایک پل یوں گذرتا ہے جیسے ایک ایک برس"!

دوسرے روز وہ خاموشی کے ساتھ اپنی قیام گاہ سے اُٹھا، اور چند معتمد رفیقوں کے ساتھ طیا سانم کی طرف چل پڑا، یہ بھی جُنوبی ہند کی ایک اوسط درجہ کی ریاست تھی، لیکن نہایت خوش حال اور دولت مند، بھگوان اس ریاست کا ولی عہد تھا"!

اگرچہ ہردیو اور بھگوان میں کچھ بہت زیادہ گہرے روابط نہیں تھے لیکن دونوں ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف تھے۔ بھگوان جانتا تھا کہ ہردیو کون ہے؟ اور ہردیو واقف تھا کہ بھگوان کی شخصیت کیا ہے؟ بھگوان نے اچانک اور بے سان دگمان جب ہردیو کو اپنے محل میں دیکھا تو بہت حیران ہوا، اور اس کی شایانِ شان پذیرائی کی، اسے ایک پُرفضا اور پُرشکوہ مکان میں ٹھہرایا، اس کی پُرتکلّف دعوت کی، دوسرے روز سیر و شکار کا پروگرام بنایا، اور دونوں ساتھ ساتھ چند سپاہیوں کی حفاظت میں شکارگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

سپاہی پیچھے تھے، ہردیو اور بھگوان گھوڑوں پر سوار قدم سے قدم ملائے چل رہے تھے۔ اتنے میں ہرنوں کی ایک ڈار نکل آئی، ہردیو نے کہا:-

"آج ہم نئے طرز کا شکار کھیلنا چاہتے ہیں، کیا آپ ہمارا ساتھ دیں گے؟"

بھگوان مُسکرایا

"ضرور، لیکن بتا تو دیجئے، آپ کا وہ طریقہ کیا ہے؟

یہ ایک سوال تھا، اور اس کے کئی جواب ذہن و دماغ میں گردش کر رہے تھے، کبھی خیال آتا فوراً دیوگڑھ جانا چاہیے، مہارانی، اور مہاراجہ سے صاف صاف باتیں کر کے لاجونتی کو اپنے ساتھ لے آنا چاہیے، کبھی سوچتا مہاراجہ کو یہ سارا کچا چٹھا لکھ دینا چاہیے، اور ان کے جواب کا انتظار کرنا چاہیے، کبھی ذہن میں یہ بات آتی کہ سفارت کے منصب سے دستبردار ہو کر مستقل طور پر دیوگڑھ چلا جانا چاہیے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ خرخشہ ہی ختم ہو جائے۔ اسے یقین تھا کہ اس کی موجودگی میں نہ مہارانی کی یہ ہمت ہو سکتی ہے کہ اس مسئلہ کو اٹھا سکیں، نہ مہاراج کسی اور کی سفارش قبول کر سکتے ہیں۔ لیکن دلی سے رخصت ہو کر دیوگڑھ جانے کے معنی یہ تھے کہ وہ اپنے تمام عزائم سے دستبردار ہو جائے۔ حوصلوں، امنگوں اور ولولوں کو خیر باد کہہ دے، شکست کی ذلت گرفتاری کی رسوائی اور غلامی کا داغ فراموش کر دے، اپنے آپ کو قسمت کے حوالہ کر دے، حالات پر قانع ہو جائے لیکن خودداری جھنجھوڑتی اور یہ خیال جس تیزی سے ذہن و دماغ میں گردش کرتا اسی تیزی سے ختم ہو جاتا اس نے فیصلہ کر لیا وہ دلی میں رہے گا، اپنے ارادوں کو پورا کرے گا، اور ساتھ ہی ساتھ لاجونتی کو بھگوان کے قبضہ میں نہیں جانے دیگا۔

لیکن کیوں کر ——— ؟

اس نے فیصلہ کر لیا وہ بھگوان کے پاس جائے گا اور اس سے دو بدو اس امر کا فیصلہ کر کے دلی واپس آجائے گا۔

دیکھئے دُور دُور، کوئی ہرن تو کیا بلی بھی نظر نہیں آتی ۔

ہردیو :۔ تو آیئے ذرا اس پیڑ کے تلے سستا لیں، پھر واپس چلیں،

بھگوان :۔ تھک تو واقعی میں بھی بہت گیا ہوں، لیکن اگر یہاں ستانے کے لئے ٹھہرے تو رات ہو جائے گی، راستہ گُم، سپاہی غائب، راجدھانی تک پہنچنا مشکل ہو جائے گا، بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے ہم لوگ ۔

ہردیو :۔ کوئی پرواہ نہیں، میرا حافظہ بہت مضبوط ہے، مجھے راستہ یاد ہے ۔

بھگوان :۔ (ایک درخت کی طرف بڑھتے ہوئے) تو آیئے پھر،

دونوں نے گھوڑوں پر سے اپنے اپنے زین اُتارے، اور درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے ۔

بھگوان :۔ آپ بھی بہت تھک گئے شاید ؟

ہردیو :۔ ہاں ——— لیکن کچھ ایسا زیادہ نہیں معمولی سا !

بھگوان :۔ تو پھر چلئے، کیا کریں گے، یہاں اس سُنسان مقام پر بیٹھ کر اس سناٹے میں میری طبیعت تو گھبراتی ہے،

ہردیو :۔ چلیں گے ——— ذرا کچھ ضروری باتیں کر لیں ،

بھگوان :۔ باتیں کر لیں! آپ کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں مجھ سے ؟

ہردیو :۔ جی ہاں ، ارادہ تو کچھ ایسا ہی ہے ، اگر آپ تیار ہوں ، آپ کو کچھ اعتراض تو نہیں ۔

ہردیو نے جواب دیا،

"بہت دلچسپ لیکن ذرا کٹھن، ہم ہرنوں کا تعاقب کریں گے، ان پر تیر نہیں چلائیں گے، نہ انہیں زخمی کریں گے نہ ہلاک کریں گے، جہاں بھاگتے بھاگتے تھک جائیں گے گرفتار کرلیں گے:"

بھگوان کی منچلی طبیعت آمادہ ہوگئی، اس نے کہا:

"آیئے۔!"

اور یہ کہہ کر بھگوان نے اور اس کے ساتھ ہردیو نے ایڑ لگائی، اور ؎

جو رک گیا جھجک کے وہ آگے نہ بڑھ سکا
جس نے لگائی ایڑ وہ خندق کے پار تھا!

سپاہی پیچھے رہ گئے، اور یہ دونوں ہرنوں کا تعاقب کرتے ہوئے بہت دور، بہت آگے نکل گئے۔ یہاں تک کہ سورج بھی مضمحل ہوکر گوشۂ مغرب میں آرام کرنے چلا گیا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا، گھوڑے تھک کر چور ہو گئے۔ اور ہانپنے لگے، لق و دق میدان نہ آدم نہ آدم زاد، ہُو کا عالم، اب تو بھگوان گھبرایا، اس نے اضطراب انگیز لہجہ میں کہا

بھگوان:۔ ہم لوگ بہت دور نکل آئے، لیکن منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے!

ہردیو:۔ جی ہاں

بھگوان:۔ اب تو منزل مقصود بھی آنکھوں سے اوجھل ہو چکی ہے،

ہردیو :۔ کیا یہ سب کچھ معلوم کرنے کے بعد بھی آپ اپنے ارادے پر قائم ہیں!

بھگوان :۔ آپ بھی تو مجھ سے کچھ پُوچھ کر اپنے ارادے سے ہٹتے نظر نہیں آتے!

ہردیو :۔ تو آیئے ہم آپ فیصلہ کرلیں؟

بھگوان :۔ میں خوشی سے تیار ہوں، آپ راجونتی کا خیال دل سے نکال دیجئے، میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں، آپ مجھے اپنا بہترین سرپرست اور مربّی پائیں گے، میں آپ کو اپنی ریاست کا وزیر بنا سکتا ہوں۔ ملکوں ملکوں کی سیر کا شوق ہو تو میرے ملک کے سفیر بن کر آپ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔ راحت، آرام اور عیش کی زندگی بسر کرنے کا جی چاہتا ہو تو جتنا روپیہ کہیئے میں حاضر کردوں گا۔ غرضیکہ ہر طرح سے آپ کو راضی اور خوش کرنے کے لئے میں تیار ہوں!

ہردیو :۔ (غصّہ کو دباتے ہوئے) یہ تو فیصلہ نہ ہوا۔

بھگوان :۔ پھر کیا ہوا؟

ہردیو :۔ یہ تو سودا ہوا، اور کم از کم میں محبّت کا سودا کرنے کے لئے اپنے کو تیار نہیں پاتا، میرا خیال ہے کوئی خوددار اور باغیرت شخص اس پر تیار نہیں ہو سکتا؟

بھگوان :۔ پھر کیا چاہتے ہیں آپ؟

بھگوان :۔ اعتراض کاہے کا ۔ جو کچھ کہنا ہے شوق سے کہیئے ، لیکن
محل میں چل کر کیوں نہ باتیں کریں ،

ہر دیو :۔ جی نہیں ، جس معاملہ پر گفتگو مقصود ہے ، میں چاہتا ہوں ،
اس میں ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا شریک نہ ہو !

بھگوان :۔ بہت خوب ——— فرمایئے !

ہر دیو :۔ کیا آپ راجکماری لاجونتی کو جانتے ہیں ——— ؟

بھگوان :۔ اسے کون نہیں جانتا ؟

ہر دیو :۔ کیا آپ اُسے چاہتے ہیں ؟ محبّت کرتے ہیں اس سے ؟

بھگوان :۔ (ستٹ پٹا کر) اس سوال سے آپ کا مطلب ؟

ہر دیو :۔ میرے سوال کا جواب دیجئے !

بھگوان :۔ اگر میں کہوں ہاں تو ؟

ہر دیو :۔ تو میں پوچھوں گا کیا مہارانی اس سے شادی اپنی مرضی سے
کرانا چاہتی ہیں یا آپ کی فرمائش سے ؟

بھگوان :۔ ظاہر ہے میری فرمائش سے ؛

ہر دیو :۔ تو گویا آپ لاجونتی سے محبّت کرتے ہیں ؟

بھگوان :۔ بے شک کرتا ہوں ، آپ کو اعتراض ہے کچھ ؟

ہر دیو :۔ جی بہت بڑا ، وہ میری محبوبہ ہے ۔ وہ میری منگیتر ہے وہ
بھی مجھ سے محبّت کرتی ہے !

بھگوان :۔ کرتی ہوگی !

ہردیو :۔ میں سمجھ گیا ، آپ لڑنے سے جی چُراتے ہیں ؟

بھگوان :۔ یہی سمجھ لیجئے ؟

ہردیو :۔ اگر آپ عزّت کی موت مرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے تو ذلّت کی موت مرنے کے لئے تیار ہو جائیے !

بھگوان :۔ (دہشت زدہ ہوکر) یعنی ؟ ——— آخر کیا کہنا چاہتے ہیں آپ ؟ فیصلہ کیا ہے آپ کا ؟

ہردیو :۔ مطلب یہ تھا کہ اگر آپ ایک سپاہی کی طرح بہادری سے لڑتے ہوئے نہ مرے ، تو میں آپ کو قتل کر دوں گا ۔

بھگوان :۔ اچھّی زبردستی ہے ، ——— لڑو ورنہ قتل ہونے کے لئے تیّار ہو جاؤ ، کیا اس کے علاوہ کوئی سبیل نہیں نکل سکتی ؟

ہردیو :۔ نہیں ——— لیکن ایک صُورت اور بھی ممکن ہے !

بھگوان :۔ اسے بھی فرما دیجئے ۔

ہردیو :۔ وہ صورت یہ ہے کہ آپ مجھے ایک تحریر لکھ دیجئے کہ لاجونتی سے شادی کا خیال آپ نے نکال دیا ، آپ اس سے کبھی اور کسی حال میں شادی نہیں کریں گے ؟

بھگوان :۔ (بگڑ کر) واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟

ہردیو :۔ نہیں ہو سکتا ، تو نہ ہو ، میں کوئی زبردستی تو نہیں کرتا ۔

بھگوان :۔ پھر یہ اور کیا ہے ؟

ہردیو :۔ میں نے آپ کے سامنے تین صورتیں پیش کی ہیں لڑیئے ، یعنی مجھے قتل

ہردیو :۔ عرض توکردیا میں نے، فیصلہ چاہتا ہوں '

بھگوان :۔ کس طرح ؟

ہردیو :۔ لڑکر '

بھگوان :۔ (گھبراکر) کیا کہا لڑکر ؟ کیا آپ لڑنے کے لئے تیار ہیں ؟

ہردیو :۔ صرف لڑنے کے لئے نہیں، بلکہ لڑنے مرنے کے لئے !

بھگوان :۔ (پریشانی کے عالم میں) آپ مجھ سے لڑنے کے لئے آئے ہیں ؟

ہردیو :۔ جناب صرف اسی لئے '

بھگوان :۔ یہ بھی اچھی رہی ' ــــــــــــ اگر لڑنا ہے تو مردوں کی طرح لڑیئے '!

ہردیو :۔ اسی لئے تو آپ کو یہاں لایا ہوں ' یہاں صرف آپ ہیں، صرف میں ہوں ، نہ آپ کے ساتھ فوج وسپاہ ہے نہ میرے ساتھ ، نہ آپ کا کوئی یاور مددگار رہے نہ میرا، آپ اگر غالب آجائیں تو مجھے قتل کرکے اس سامنے والے جنگل میں پھینک دیجئے ، اور ہنسی خوشی اپنی راجدھانی واپس تشریف لے جایئے آپ کے راستہ کا کانٹا دور ہو جائے گا ، اور اگر میں غالب آگیا تو یہی سب کچھ میں آپ کے ساتھ کروں گا '

بھگوان :۔ (کانپ کر) یہ نہیں ہوسکتا ۔

ہردیو :۔ کیا نہیں ہوسکتا ؟

بھگوان :۔ لڑائی ضرور ہوگی ، لیکن اس طرح نہیں !

معلوم ایسے موقع پر میں کیا کرتا ؟ لیکن ایک بات بہر حال واضح ہے
آپ کی طرح خنجر لے کر کسی کے پیچھے نہ پڑ جاتا ،

ہردیو :۔ (مسکرا کر) راجکمار آپ زیادہ باتونی ہیں ، میرے پاس
زیادہ وقت نہیں ، میں آپ کا دو ٹوک فیصلہ اور آخری جواب
معلوم کرنا چاہتا ہوں ؟

بھگوان :۔ اچھا اگر میں لاجونتی سے دستبردار ہو جاؤں ؟

ہردیو :۔ تو آپ آزاد ہیں ،

بھگوان :۔ یعنی اس وقت میں گرفتار اور پابند ہوں ؟

ہردیو : بے شک ـــــــ آپ یہاں سے قدم نہیں بڑھا سکتے
جب تک میں زندہ ہوں ؛

بھگوان : پھر ؛ آپ اپنی ضد پر اڑے رہیں گے ؟

ہردیو :۔ یقیناً ـــــــ آپ لاجونتی کو مول لینا چاہتے ہیں ، اور
میں اپنے آپ کو اس کے ہاتھ بیچ چکا ہوں ، آپ راجکماری سے
شادی کرنا چاہتے ہیں ، اور میں اُسے اپنے مندر کی دیوی بنا
چکا ہوں ، آپ اس کی جوانی پر فریفتہ ہیں اور میں اس کی
شخصیت ، سیرت اور کردار پر ، آپ اسے عیش و عشرت کا
ذریعہ بنانا چاہتے ہیں ، اور میں اس کے قدموں پر اپنی زندگی
قربان کر دینا چاہتا ہوں ، اور اگر میرا خیال ہلکا ہے ، تو پھر آپ
تلوار سے فیصلہ کیوں نہیں کر دیتے ، ڈرتے کیوں ہیں ؟ میری

کر دیجئے، ورنہ مرنے کے لئے تیار ہو جایئے، لاجونتی سے دستبردار ہو جایئے، ان میں سے جو آپ کے لئے آسان ہو، وہ کر لیجئے، !

بھگوان :- میرے لئے تینوں باتیں ناممکن ہیں، آپ کو قتل کرنا میری طاقت سے باہر ہے، اور قتل ہونا، میں ہرگز نہیں چاہتا، لاجونتی سے دستبردار ہو جاؤں یہ بھی ناممکن !

ہردیو :- تو پھر جو کچھ اب مجھ سے ممکن ہے میں وہ کرتا ہوں !

بھگوان :- یعنی مجھ پر قاتلانہ حملہ ؟

ہردیو :- آپ ذہین آدمی ہیں، حالانکہ بزدل ذہین نہیں ہوتے، بہرحال آپ کا خیال صحیح ہے !

بھگوان :- لیکن یہ تو ظلم ہے، میں نے آخر آپ کا کیا بگاڑا ہے جو آپ میری جان لینے کے درپے ہیں ———— ؟

ہردیو :- اتنے بھولے اور معصوم تو نہیں ہیں آپ، آپ نے میرے ناموس پر حملہ کیا، آپ نے میری محبوبہ پر للچائی ہوئی نظریں ڈالیں آپ نے اپنی دولت اور ثروت کے بل پر میری محبت خریدنے کی کوشش کی، اور پھر پوچھتے ہیں کہ آپ نے میرا کیا بگاڑا ! سچ کہئے، اگر میں نے آپ کے ساتھ یہی سلوک کیا ہوتا تو آپ کیا کرتے؟ آپ کا طرزِ عمل میرے ساتھ کیا ہوتا ؟

بھگوان :- یہ باتیں پہلے سے سوچ کر نہیں بتائی جا سکتیں مجھے نہیں

کہ لاجونتی سے دستبردار ہوجائے ، اُس نے سوچا جی ہے تو جہان ہے، ہم ہی نہ ہوئے تو لاجونتی کس کام آئے گی ؟ اور ہم زندہ رہے تو ایسی ایسی دس ہزار لاجونتی مل جائیں گی ، یہ سوچ کر اُس نے دستبرداری کی تحریر لکھ دی ، اور جان سلامت لے کر راج محل پہنچ گیا ۔

محبّت سچّی ہے ، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں اپنی گردن تک کٹا سکتا ہوں اس عشق میں ، آپ کا عشق ہوس ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ موت کے تصوّر سے آپ کا چہرہ زرد ہو رہا ہے ، اگر آپ بھی میری طرح سچے دل سے لاجونتی کو چاہتے ہیں تو نکالیے تلوار میان سے اور فیصلہ کریں اور اگر زندگی کی محبت غالب ہے تو دستبرداری لکھ دیں ، ——— بتائیے کیا فیصلہ کیا آپ نے ؟ اب رات شروع ہو گئی ہے ، اور میں ابھی اسی وقت دلّی واپس ہو جانا چاہتا ہوں "

بھگوان :- میں آپ سے بحث کرنا نہیں چاہتا " !

ہردیو :- شکریہ ——— یہی تو میں بھی چاہتا ہوں ، بس اب یا تو تلوار سونت کر میدان میں آئیے ورنہ تحریر لکھ دیجئے "

بھگوان :- کیا لکھوں ؟

ہردیو :- یہ کہ آپ لاجونتی سے شادی نہیں کرنا چاہتے ! :

بھگوان : اور اگر مہاراجہ رام دیو مجھے مجبور کریں ؟

ہردیو :- (تلوار میان سے نکال کر) تو یہ آپ سے جواب طلب کرے گی ، جھوٹ ، فریب اور عہد شکنی کا " !

اب بھگوان کے لئے کوئی اور چارۂ کار باقی نہ رہ گیا تھا ، وہ لڑنا نہیں چاہتا تھا ، اس لئے کہ ہردیو کی قوّت و طاقت اور شجاعت و بہادری سے واقف تھا ، یہی بات آسان معلوم ہوئی

ایک پل کے لئے بھی اس کی آنکھ جھپک جائے۔ رات اور زیادہ قیامت بن کر آتی تھی۔ وہ ہردیو کی یاد اور تصور میں ساری رات کاٹ دیتی تھی۔ یا پھر بھگوان اور مہارانی کے بارے میں اندیشہ ہائے دور دراز اُسے حیران و پریشان رکھتے!

ایک روز چُپ چاپ بیٹھی اپنے مستقبل پر غور کر رہی تھی۔ پدمنی اور منورما اُس کی خدمت میں حاضر تھیں اور اُسے مغموم و ملول دیکھ کر خود بھی رونی صورت بنائے بیٹھی تھیں۔ پدمنی نے پوچھا

پدمنی :- راجکماری! ہردیو کا کوئی خط نہیں آیا بہت دنوں سے؟

لاجونتی :- ہاں کافی دن ہوگئے، آجائے گا، وہ بیچارے مصروف بھی تو بہت ہیں، ایک جان اور ہزار جنجال!

منورما :- راجکماری اس خط کا جواب بھی نہیں آیا جو آپ نے لکھا تھا۔

لاجونتی :- نہیں اس کا جواب بھی نہیں آیا اب تک،

پدمنی :- شاید خود آنے والے ہوں آج کل میں؟

لاجونتی :- میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ نہ مجھے کوئی اطلاع ہے نہ پتا جی کو، نہ مہاراجہ کو، آنے والے ہوتے تو لکھتے ضرور اور سچ پوچھو تو وہ آ بھی کیسے سکتے ہیں؟

پدمنی :- یہ کیوں راجکماری؟

لاجونتی :- کہہ تو دیا، ایک جان اور ہزار جنجال، وہ دلّی اس لئے تو نہیں گئے ہیں کہ جب دیکھو دیوگڑھ کی سیر کرتے رہیں۔ وہ

(۱۴)

باب

اُنھیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے

لاجونتی نے لکھنے کو تو یہ لکھ دیا تھا کہ وہ یہ نہیں چاہتی کہ ہردیو اپنا کام چھوڑ کر دلّی سے دیوگڑھ واپس آجائے، لیکن دل کی تمنا مہارانی کی باتیں اور اپنی تنہائی دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں دُعا مانگا کرتی تھی، کہ ہر دیو جلد از جلد واپس آجائے، اور اس مصیبت سے نجات دے۔ جو بھگوان کی صُورت میں اس پر نازل ہو رہی تھی، ہر روز وہ دل ہی دل میں ہر دیو کا انتظار کرتی اور جب دن گزر جاتا رات نمودار ہوتی تو وہ مایوسی اور دل گرفتگی کے عالم میں اپنے بستر پر لیٹ جاتی، بظاہر وہ محوِ استراحت ہوتی، لیکن کیا مجال ہے جو

منورما :۔ ہم نہیں مانتے ایسے علاج کو، یہ دن تمہارے زندہ رہنے کے ہیں مرنے کے نہیں، راجکمار کو اگر تم سے سچی محبت تھی تو کھانا وہاں کھاتے اور پانی یہاں پیتے،

پدمنی :۔ اور کیا، محبت کوئی خالہ جی کا گھر تو ہے نہیں، بقول شخصے کہ ـــــــ اس میں دو چار بڑے سخت مقام آتے ہیں!

لاجونتی :۔ اری پگلیو! معاملہ میرا ہے، میں تو کچھ کہتی نہیں اور تم یہ کہہ کر میرے غم میں اپنی جان دے رہی ہو، وہ یہ بھی اچھی رہی۔

منورما :۔ ہم تو آپ کے بھلے کے لئے کہہ رہے ہیں!

پدمنی :۔ اور کیا، ہمارا کوئی ذاتی معاملہ تو ہے نہیں!

لاجونتی :۔ مانتی ہوں تمہارا ذاتی معاملہ نہیں ہے، تم جو کچھ کہہ رہی ہو میری محبت میں کہہ رہی ہو، لیکن ہمارے تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، وہی ہوتا ہے جو پرماتما کی مرضی ہوتی ہے!

:۔ لیکن آدمی ایسی کوشش تو کرلے، پھر شوق سے بات پرماتما پر چھوڑ دے، لیکن کوشش کئے بغیر پرماتما کے حوالہ کر دینا بے وقوفی ہے!

لاجونتی :۔ بہت باتیں بنانی آگئی ہیں تجھے!

منورما :۔ میرا نام تو میرے ماں باپ نے "گونگی" رکھ دیا تھا، اس لئے کہ میں کسی بات میں بولتی ہی نہیں تھی، جو کچھ بات سیکھی ہے وہ سب یہیں آکر!

ایک خاص مقصد کے لئے گئے ہیں، اور جب تک وہ مقصد
نہ حاصل ہو جائے، نہ وہ آسکتے ہیں، نہ انہیں آنا چاہیے،
میں نے بھی یہی لکھا تھا اپنے خط میں!

منورما :۔ بڑے بھولے نادان، کوئی عمر بھر کے لئے تو نہیں بلا رہا ہے،
دو چار دن کے لئے آجائیں، ساری باتیں طے کر لیں، اور
تمہیں اپنے ساتھ لے کر دلی چلے جائیں، کوئی اُن کا دامن
تھوڑے پکڑنے بیٹھ جائے گا!

لاجونتی :۔(مسکرا کر) بہت خفا معلوم ہوتی ہے تو اُن سے،

منورما :۔ ہاں راجکماری ہوں تو خفا سچی بات کیسے چھپاؤں؟

لاجونتی :۔ لیکن کیوں؟ کیا بگاڑا ہے انہوں نے تیرا؟

منورما :۔ میرا کیا بگاڑیں گے؟ خود اپنا بگاڑ رہے ہیں، دیکھ لینا پھوٹ
پھوٹ کر روئیں گے ایک دن!

لاجونتی :۔ اے واہ! تیرے منہ میں خاک اُن کے دشمن روئیں گے
وہ کیوں روئیں ۔

پدمنی :۔ ٹھیک تو کہہ رہی ہے منورما،

لاجونتی :۔ تو بھی اس کا ساتھ دینے لگی، کیا ٹھیک کہہ رہی ہے؟

پدمنی :۔ راجکماری تم تو بالکل انجان بنی جا رہی ہو۔ جیسے تمہیں کچھ معلوم
ہی نہیں۔

لاجونتی :۔ خوب معلوم ہے، اور اس کا میرے پاس علاج بھی ہے۔!

باز نہ آئیں، تو مجھے لکھنا، میں آؤں گا، اور آتے ہی سب کچھ ٹھیک کر لوں گا!"

—————(⁂)—————

خط پڑھ کر لاجونتی مُسکرانے لگی، منورما نے پوچھا:-

"کیا لکھا ہے خط میں کہ مُسکراہٹ رکتی ہی نہیں کسی طرح!"

لاجونتی نے خط اس کی طرف بڑھا دیا۔

"لے پڑھ لے، میرا دماغ نہ کھا خواہ مخواہ!"

منورما اور پدمنی ساتھ ساتھ خط پڑھنے لگیں۔ خط پڑھ کر منورما نے کہا:-

"واہ، یہ تو بڑے شورما نکلے، محبت کا نام بھی بدنام کیا، چھی!"

پدمنی بولی:-

ابھی سن ہی کیا ہے جو بےباکیاں ہوں
اُنہیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے

اور تینوں کے مترنم قہقہے فضا میں گونجنے لگے۔

—————

لاجونتی اور پدمنی اس بے ساختہ جواب پر ہنسنے لگیں" !
اتنے میں ایک باندی آئی، اور اس نے ایک خط لاجونتی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا :-

" سیتا پتی جی نے دیا ہے، دلّی کی ڈاک میں آیا ہے میں جانوں نہ بھگوان کا ہے، کیوں راج کماری انہی کا ہے نا ؟"

لاجونتی نے لفافہ چاک کرتے ہوئے کہا :-

" ہاں انہی کا ہے "

باندی چلی گئی، اور لاجونتی خط پڑھنے لگی، خط میں ہردیو نے اپنی اور بھگوان کی معرکہ آرائی کی داستان بڑے دلچسپ انداز میں لکھی تھی، اور اس کے ساتھ بھگوان کا وہ خط بھی نتھی تھا، جس میں اس نے لاجونتی سے دستبرداری کا اعلان کیا تھا، ہردیو نے آخر میں لکھا تھا :-

" اپنے بھگوان کا یہ خط تعویذ بنا کر رکھ لو، اب وہ کبھی تمہارا نام نہیں لیں گے۔ بلکہ تمہارے نام سے کانوں پر ہاتھ دھریں گے۔ اب اگر مہارانی بھگوان کا ذکر کریں تو یہ تعویذ کھول کر ان کے سامنے رکھ دینا اور صاف صاف کہہ دینا، ایسے بزدل اور نکمے شخص سے میں بیاہ نہیں کر سکتی وہ بھی چپ ہو جائیں گی، اور اگر پھر بھی اپنی حرکتوں سے

آج کئی مہینے بعد تمہیں خط لکھنے بیٹھا ہوں، اس غفلت پر کیا مجھے معاف نہ کرو گی؟

یہ چند مہینے میں نے عجیب اضطراب اور پریشانی کے عالم میں گزارے، بڑے بڑے طوفانوں سے ٹکرایا ہوں، پہاڑ جیسی اونچی موجوں سے کشتی لڑی، انگاروں پر لوٹا، پتھروں سے سر پھوڑا، پھوڑوں کو نوچا، جیب و دامن تار تار کر دیئے، دماغ کا سدھ تھا نہ دل کا ہوش، ایک عجیب کیفیت تھی، جو دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی، لیکن اب وہ طوفان کچھ رکتا کچھ تھمتا اور ہلکا ہوتا نظر آتا ہے، یہ بات نہیں ہے کہ طوفان نے رُخ بدل دیا ہو، نہیں وہ اپنی جگہ پر اب بھی قائم ہے، بات یہ ہوئی کہ اس نے مجھے اپنا لیا، اب مجھ میں اور اس میں بیر نہیں رہا، ملاپ ہو گیا ہے، دوستی ہو گئی ہے، لاجونتی اب میں خود طوفان بن گیا ہوں۔

تم کہو گی ہردیو دیوانہ ہو گیا ہے، شاید ہرجائی ہے، کہیں اور دل لگا بیٹھا، نہیں لاجونتی یہ بات نہیں، میرے پاس دل ہے کہاں، جو کسی سے لگاؤں گا، وہ تو تمہارے ہی پاس چھوڑ آیا تھا، ہاں روح تھی جو میرے ساتھ آئی تھی، اب وہ بھی بک گئی، بڑے سستے داموں سمجھو بغیر کسی قیمت کے،

سوچتا ہوں یہ دن کس طرح گذرے، تو حیرت ہوتی ہے، پرانی قدریں میری نظر میں بے وقعت ہو گئیں، نئی قدروں نے اپنا

باب ۱۵

نیا طوفان

اس واقعہ کے بعد راجکمار ہردیو نے بالکل خاموشی اختیار کرلی کئی مہینے گزر گئے، مگر لاجونتی کے پاس اس کا کوئی خط نہیں آیا، وہ بہت پریشان تھی کہ ماجرا کیا ہے، اس خاموشی اور سکوتِ مسلسل کا کیا مطلب ہے؟ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ ہردیو نے یوں خاموشی اختیار کرلی ہو، آخر خدا خدا کرکے یہ طلسم سکوت ٹوٹا، اور عین مایوسی اور دل گرفتگی کے عالم میں ہردیو کا مکتوب لاجونتی کو ملا، اس نے بیتابی اور اضطراب کے ساتھ اسے کھولا، اور اشتیاق کی نظروں سے پڑھنے لگی، لکھا تھا:۔

بھی شروع ہوگئی ، اس لئے کہ زبان کا پردہ اُٹھ چکا تھا، میں اب فارسی بڑی اچھی بولتا ہوں ، حسن سنجری کو میں نے ملنسار، خوش اخلاق اور شیریں سخن پایا، میرے پاس مہاراجہ کا فرمان پہنچا کہ خراج کی رقم کم کرنے کی بادشاہ سے درخواست کروں ، دربار کے لوگوں نے رائے دی کہ پہلے حسن سنجری کو ہموار کرلوں وہ اگر راضی ہوگیا تو بادشاہ انکار نہیں کر سکے گا ، چنانچہ میں ایک روز شام پچھ شاہ کے ساتھ اس کی حویلی میں پہنچا ، وہ قرآن پڑھ رہا تھا، اس کے سامنے تلوار کھلی ہوئی رکھی تھی ، ہم وہاں کھڑے رہے ، آخر اُس نے قرآن کو بند کیا ، اور دونوں ہاتھ پھیلا کر آنکھیں بند کیں ، اس کے ہونٹ ہل رہے تھے وہ اپنے خدا سے کچھ مانگ رہا تھا ، جسے یہ لوگ اپنی زبان میں دُعا کہتے ہیں'

دُعا سے فراغت پاکر حسن میری اور میرے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا ، اس نے بڑے اخلاق سے کہا ،

آپ میرے غریب خانہ پر تشریف لائے ہیں ، بہت شکر گزار ہوں میرے لائق کوئی خدمت ہو وہ بتائیے ، اس لئے کہ آپ مہمان ہیں اور مسلمان مہمان کی بات رد نہیں کیا کرتے ، میں نے اپنا مدعا بیان کیا ، کچھ دیر غور کرتا رہا ، پھر اس نے کہا

خراج کی رقم ہم نے پہلے ہی کم رکھی تھی ، اس میں تخفیف کی گنجائش نہیں ، لیکن آپ کی بات رد بھی نہیں کی جا سکتی ۔ کوشش کروں گا اُمید کہ بادشاہ سلامت مان لیں گے ؛

دلدادہ بنالیا، جس سماج میں پلا بڑھا اور پروان چڑھا تھا، جس سے محبت کرتا تھا، جس کے عشق کا دم بھرتا تھا، جسے حاصلِ حیات، اور سرمایہ زندگی سمجھتا تھا۔ اس سے نفرت ہوگئی، ایک نئی سماج میں اپنا نشیمن بنانے پر مجبور ہوگیا۔ جن چیزوں کو اب تک پوجتا تھا، اب انہیں ٹھکراتا ہوں، پوجا اور پرستش کا جذبہ اب بھی دل میں لہریں لیتا رہتا ہے، لیکن کسی اور رنگ میں، کسی اور آستانے پر۔

تم کہتی ہوگی یہ دیوانہ ہردیو آج کیسی باتیں کر رہا ہے؟ میں تمہیں انتظار میں رکھنا نہیں چاہتا، اپنی داستان سُناتا ہوں، اسے پڑھو اور فیصلہ کرو۔ ہم ایک دوسرے سے دور تو نہیں ہوگئے؟

بادشاہ کا محافظِ خاص اور اس کی فوج کا سپہ سالار ایک شخص حسن سنجری ہے، تمہیں یاد ہوگا، منگل دیو کی شکست اور ہلاکت کے بعد جو لوگ گرفتار ہوئے تھے، ان میں تمہارا ہردیو بھی تھا، شاہی خاندان کے قیدیوں اور افسروں کا نگراں یہی شخص تھا، اس زمانے میں جس طرح میں تمام ترکوں (مسلمانوں) سے نفرت کرتا تھا، اس ترک سے بھی کرتا تھا، بات چیت کی کبھی نوبت نہیں آئی، اس لئے کہ

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم

یہاں جب سفیر بن کر آیا تو مجھے فارسی سیکھنی پڑی، نہ صرف مجھے بلکہ میرے ان ساتھیوں کو بھی، جو میرے اسسٹنٹ اور مددگار بن کر آئے ہیں، حسن سنجری سے کئی مرتبہ ملاقاتیں ہوئیں، اب ہم میں بات چیت

خوش ہوئی، باذوق آدمیوں سے مل کر روح خوش ہوتی ہے ؟

حسن سنجری کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں، معلوم ہوا یہ شخص رات بھر عبادت یعنی اپنے بھگوان کی پُوجا کرتا ہے، اس چیز کا بھی میرے دل پر اثر پڑا: شیام نے اس سے پُوچھا،

شیام پرشاد :- میں ایک بات آپ سے پُوچھنا چاہتا ہوں، کیا آپ بتائیں گے ؟

حسن سنجری :- ضرور بتاؤں گا، شوق سے دریافت کیجئے ؛

شیام پرشاد :- آپ مسلمان لوگ، ہم ہندوؤں سے نفرت کیوں کرتے ہیں ؟ ہمارے ساتھ متکبّرانہ برتاؤ کیوں کرتے ہیں ؟

حسن سنجری :- (مُسکرا کر) میرے بھائی ہم کسی سے نفرت نہیں کرتے، کر ہی نہیں سکتے، ہم اپنے خدا کو رب العالمین کہتے ہیں، یعنی سارے جہانوں کا پالن ہار، صرف مسلمانوں کا خدا نہیں، اپنے مذہب کی رُو سے ہم ہر شخص سے دوستی اور صلح و محبت کا برتا کرنے پر مجبور ہیں، اسلام کے معنی جانتے ہو کیا ہیں ؟ امن اور سلامتی بھلا جو مذہب امن و سلامتی کا علم بردار ہو، اس کے پیرو کسی سے نفرت بھی کر سکتے ہیں ؟ اگر وہ ایسا کریں گے تو گنہ گار ہوں گے لیکن اگر بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں، تم لوگ ضرور مسلمانوں سے نفرت کرتے ہو ؟

پھر اس نے شیام پرشاد کی طرف توجّہ کی اور مجھ سے پوچھا ،

"کیا یہ آپ کے ساتھی ہیں ؟"

میں نے کہا

"جی ہاں یہ میرے ساتھی ہیں ، اور بڑے اچھے شاعر بھی ہیں ، ادب اور تاریخ سے بھی انہیں غیر معمولی دلچسپی ہے !"

اب شیام پرشاد اور حسن سنجری کی باتیں شروع ہو گئیں ۔

حسن سنجری :۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر ، اپنا کچھ کلام سُنائیے ، میں شعر و شاعری سے بہت دلچسپی رکھتا ہوں ،

شیام پرشاد :۔ ضرور سُناتا ، لیکن آپ ہماری زبان نہیں جانتے ترجمہ میں شعر کا لطف جاتا رہتا ہے ، اس کی نزاکت ختم ہو جاتی ہے ، البتہ میں فارسی زبان اچھی طرح سمجھتا ہوں ، میں نے سُنا ہے ، آپ بڑے اچھے شاعر ہیں ، آپ کیوں نہ اپنا کلام سنائیں ،

حسن سنجری نے مسکراتے ہوئے اپنے کچھ اشعار سنائے ، ان اشعار میں درد تھا ، اثر تھا ، سوز و گداز تھا ، اور ایک عجیب قسم کی کشش تھی ، میں اور شیام دونوں بہت متاثر ہوئے ۔

حسن نے اشعار سُنانے کے بعد مجھ سے اور شیام سے بڑی دیر تک لطف و اخلاق ، شفقت و ملاطفت کے ساتھ گفتگو کی ، اور کہا :

" آپ لوگ کبھی کبھی آیا کیجئے ، آپ سے مل کر طبیعت بہت

رذیل، بہتر اور کم تر کا فرق ہوتا ہے، یہ بالکل فطری اور ضروری فرق ہے، جسے نظر انداز کرنا کسی طرح ممکن ہی نہیں، یقیناً یہ فرق آپ کے یہاں بھی ہو گا،

حسن سنجری:۔ نہیں بالکل نہیں، مسلمانوں میں اُونچ نیچ کا امتیاز گناہ ہے ہمارے رسولؐ کا ارشاد ہے، تم سب آدمؑ کی اولاد ہو، اور آدمؑ کا خمیر مٹی سے تھا، ہمارے ایک بزرگ حضرت سلمان فارسی سے ان کا نسب پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا سلمان ابن اسلام ابن اسلام، یہ سنکر سب کی گردنیں جھک گئیں، جب چاہو مسجد میں جاکر دیکھ لو، بادشاہ کے پہلو میں ایک معمولی فقیر کھڑا نماز پڑھ رہا ہوگا، پھر بھی اگر مسلمانوں کے بارے میں تم غلط فہمی کے شکار ہو تو مجھے تم سے ہمدردی ہے،!

شیام پرشاد:۔ آپ کے ہاں حسب نسب، کا بھی امتیاز موجود نہیں؟ ضرور ہے، اور یہ اُونچ نیچ کی بدلی ہوئی شکل ہے،

حسن سنجری:۔ لیکن میرے عزیز، تم نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ ہمارے ہاں حسب نسب کا امتیاز ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں ہے!

شیام پرشاد:۔ یہ امتیاز تو جانوروں میں بھی ہوتا ہے، اصیل گھوڑے کی بات ہی اور ہوتی ہے، ٹٹو کوئی اور ہی چیز ہے!

حسن سنجری:۔ انسان اور جانور میں یہی فرق ہے، جانور اپنی فطرت نہیں بدل سکتا، انسان بدل سکتا ہے، اسی لئے وہ

شیام پرشاد :- یہ غلط ہے میں اس کے ماننے سے انکار کرتا ہوں، حیرت ہے، آپ ایسی شدید غلط فہمی میں مُبتلا ہیں۔

حسن سنجری :- غلط کیسے ہے میرے بھائی، واقعات اور حقائق کا انکار کر دیا جائے، تو بھی وہ اپنی جگہ قائم رہتے ہیں، تم ہمیں ملیچھ (ناپاک) سمجھتے ہو، ہمارے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتے، ہمارے ہاتھ کا پانی نہیں پیتے، ہمارے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھا نہیں سکتے، پھر بھی ہم تم سے نفرت نہیں کرتے، تمہاری نفرت پسندی کا یہ عالم ہے کہ خود اپنے ہم مذہبوں سے بھی نفرت کرتے ہو، بیچارے مسلمان تو رہے الگ،

شیام پرشاد :- یہ آپ نے عجیب بات کہی ہیں پھر انکار کرنے پر مجبور ہوں،

حسن سنجری :- میرے عزیز صرف انکار کرتے رہنا کوئی دلیل تو نہیں، بتاؤ کیا یہ اچھوت تمہارے ہم مذہب نہیں ؟

شیام پرشاد :- ضرور ہیں، ان کے ہندو ہونے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا،!

حسن سنجری :- پھر بھی وہ تمہارے مندروں میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ تمہارے کنوں سے پانی نہیں بھر سکتے، تمہارے برابر بیٹھ نہیں سکتے، تم سے شادی بیاہ نہیں کر سکتے، غور تو کرو اپنے ہم مذہبوں سے ایسا برتاؤ جائز ہے ؟

شیام پرشاد :- لیکن ہر مذہب اور ہر قوم میں اُونچ نیچ شریف اور

کا مطلب یہ تھا کہ فوجی زندگی سرفروشی کی زندگی ہے، شہری زندگی آسودگی کی زندگی ہے، سرفروش لوگ، دُنیا سے، دُنیا کے رہنے والوں سے، دُنیا کی چیزوں سے محبّت نہیں کرتے دُنیا وا لے کرتے ہیں، اس طرح میرے مُرشد نے مجھے دنیا سے بے تعلق رہنے کی تعلیم دی تھی"

قیام پرشاد :- ایسی عجیب باتیں میں نے کبھی نہیں سُنیں، آپ کے مُرشد کون صاحب ہیں، ان کا نام کیا ہے؟ وہ کہاں رہتے ہیں، میرا ان سے ملنے کو جی چاہنے لگا ہے۔ بڑے اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں "!

حسن سنجری :- وہ سیّد ہیں، سید محمدؐ نام ہے، لوگ ان کو سلطان المشائخ کہتے ہیں، دُنیا انہیں نظام الدین اولیا کے نام سے جانتی ہے وہ رات بھر عبادت کرتے ہیں، دن بھر خدا کے بندوں کی خدمت کرتے ہیں، وہ کسی سے ایک پیسہ نہیں لیتے، لیکن ان کے لنگر سے سینکڑوں آدمی دونوں وقت کھانا کھاتے ہیں، وہ بہت سادے کپڑے پہنتے ہیں، بہت سادہ غذا کھاتے ہیں، بہت کم کھاتے ہیں، بہت کم سوتے ہیں، بادشاہوں کے دربار میں نہیں جاتے، امیروں کے گھروں پر نہیں پہنچتے، دولتمندوں پر نگاہ نہیں ڈالتے، ارباب جاہ و حشم کی دولت سرایہ و تنگ نہیں دیتے، ان کے پاس جو کچھ ہے اسے دونوں ہاتھوں سے

اشرف المخلوقات مانا جاتا ہے،

شیام پرشاد:۔ اچھا ہوگا، میں زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا، یہ بتائیے آپ کی فوج کے دوسرے افسر اتنے نرم دل اور خوش مزاج نہیں ہیں، جتنے آپ، اس کی وجہ کیا ہے؟

حسن سنجری:۔ بات یہ ہے کہ فوجی لوگ ذرا گھُلتے ملتے کم ہیں، جس سے غلط فہمی ہوتی ہے کہ متکبّر ہیں، ورنہ طبعاً سب نرم دل اور نیک مزاج ہوتے ہیں۔ اور میں تو فوجی زندگی کو کچھ زیادہ پسند بھی نہیں کرتا، ایک مرتبہ میں نے اپنے مُرشد سے کہا میں چھاؤنی کا رہنا چھوڑ دینا چاہتا ہوں تاکہ ہر روز آپ کی زیارت ہوتی رہے، انہوں نے کہا ایسا نہ کرنا چھاؤنی کی ہوا شہر کی ہوا سے اچھی ہوتی ہے۔

شیام پرشاد:۔ کیا وہ کوئی حکیم ہیں، جو آب وہوا پر نظر رکھتے ہیں،

حسن سنجری:۔ ہاں، لیکن تن کے نہیں، من کے، وہ رنجوریٔ تن کا علاج نہیں کرتے من کا روگ اچھا کر دیتے ہیں،

شیام پرشاد:۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا، تن چنگا، من بیمار، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

حسن سنجری:۔ وہ دل کے روگ کا علاج کرتے ہیں، دل اگر ٹھیک ہے، تو سب کچھ ٹھیک ہے، دل اگر بگڑ گیا تو زندگی غارت ہوگئی۔ اُنھوں نے چھاؤنی میں رہنے کی جو ہدایت کی تھی، اس

بھی میں اُن کی خدمت میں حاضر ہو سکوں گا،

حسن سنجری:۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟ چلو اور دیکھ لو؟
کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائے گا چلن میں

شیام پرشاد:۔ جب کہیے چلنے کو حاضر ہوں، اپنے اشتیاق کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا،

حسن سنجری:۔ اب تو دیر ہو گئی، کل صبح سویرے آجاؤ ساتھ چلیں گے،

شیام پرشاد حسن سنجری سے یہ باتیں کر رہا تھا، میں بالکل خاموش بیٹھا تھا؛ میرے دل میں ایک طوفان اٹھ رہا تھا، حسن سنجری کی باتوں نے میرے دل کی آنکھیں کھول دیں، میں نے سوچا واقعی ہم اچھوتوں کو مندر میں نہیں گھسنے دیتے، مسلمانوں کی مسجد میں شاہ و گدا پہلو بہ پہلو کھڑے ہوتے ہیں، ہمارے اور ان کے اخلاقی اقدار میں کتنا زمین آسمان کا فرق ہے، ہمارے یہاں ذات پات کی قید ہے، مسلمانوں میں بڑائی کا معیار صرف نیکی اور پارسائی ہے، جسے وہ تقویٰ کہتے ہیں۔ یعنی خدا سے ڈرنا۔ میں نے محسوس کیا میرا دل روگی ہے، اس حکیم کے مطب میں چلنا چاہیئے، شاید دل کا روگ دور ہو جائے، شاید میں اپنے آپ کو پہچان لوں، شاید میری آنکھیں خدا کا نظارہ کر لیں۔ لاجونتی اب میں اپنے آپ کو بالکل بدلا ہوا محسوس کر رہا تھا، جیسے کسی لب گور مریض کو نوید دیدی جائے کہ نبض مریض نیچے چلنے میں آ گئی،

لُٹاتے ہیں، اور اُن کے پاس کیا نہیں ہے، وہ لوگ جو مجسّم پاپ ہوتے ہیں، مُرشد کے آستانے پر پہنچتے ہیں، نگاہ کیمیا تاثیر ان کا دل بدل دیتی ہے، وہ ولی بن جاتے ہیں، خدا کے مقبول اور نیک بندے، چور ڈاکو لُٹیرے ظالم سفاک قاتل جب بھی حضور میں حاضر ہوتے ہیں، کایا پلٹ جاتی ہے، زندگی کا رُخ بدل جاتا ہے۔ گنہ گار آتے ہیں اور نیکوکار بن کر واپس جاتے ہیں، میں اُن کی کیا تعریف کروں، کس زبان سے تعریف کروں؟ وہ آفتاب ہیں میں ذرّہ ناچیز، بھلا ذرّہ آفتاب کی کیا تعریف کر سکتا ہے؟ ایک قطرہ سمندر کا کیا گُن گا سکتا ہے۔ زبان کہاں سے لاؤں جوان کے گُن گا سکے، سچ تو یہ ہے مرمر کر بار بار زندہ ہوں تب بھی ان کی تعریف نہیں کر سکتا،

شیام پرشاد:۔ سلطان المشائخ کے ذکر نے مجھ پر جادو کر دیا ہے، جی چاہتا ہے، پر پرواز پیدا کروں، اور اُڑ کر ان کی بارگاہ میں پہنچ جاؤں، کیا یہ ہو سکتا ہے؟ کیا آپ مجھے اُن کے پاس لے چلیں گے؟!

حسن سنجری:۔ ہاں جب چاہو، وہاں کوئی سنتری نہیں، دربان نہیں، جو چاہے جب چاہے جا سکتا ہے!

شیام پرشاد:۔ لیکن میں ہندو ہوں، ایک خدا کو نہیں مانتا، بہت سے بتوں کو پوجتا ہوں، میرے ان کے دھرم میں زمین آسمان کا فرق ہے، کیا پھر بھی وہ مجھ سے ملنا پسند کریں گے؟ کیا پھر

میری یہ کیفیت بدلے گی '!

شیام نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا '

دیوانے ہوئے ہو ' آج تم کیسی باتیں کرنے لگے ، بھئی پیر صاحب سے ملنے کا ہمیں بھی اشتیاق ہے ، ہم بھی چلیں گے ، لیکن ہمارے دل کی تو یہ حالت نہیں جو تم اپنی بیان کر رہے ہو '

میں نے جواب دیا :۔

تم مضبوط دل کے آدمی ہو ، میں کمزور دل کا ، میں اپنی حالت بیان نہیں کر سکتا ، بھگوان کے لئے آج کے دن صبح کو جلدی سے بلا دو ، میں اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتا '

وہ کہنے لگا :۔

صبح تو اپنے وقت پر آئے گی ، اور ضرور آئے گی ، انتظار کرو ، صبر سے کام لو ، آدمی بنو ۔

میں نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا :۔

وہ چین کہاں سے لاؤں ، جو میرے پاس نہیں میرے چین ، سکون ، اور اطمینان کی پونجی لٹ گئی ، بڑا احسان ہو گا ، اگر ایک بات مان لو ، آؤ ہم ابھی اسی وقت حسن سنجری کے ہاں چلیں ، ان کا دروازہ کھٹکھٹائیں '

میں شیام پرشاد کے ساتھ اپنی قیام گاہ پر واپس آیا، حالت یہ تھی کہ قدم رکھتا کہیں تھا پڑتا کہیں تھا، سوچتا کچھ تھا منہ سے کچھ نکلتا تھا، رات بھر نیند نہیں آئی کروٹیں بدلتا رہا، تارے گنتا رہا۔ عجیب بے کلی تھی، عجیب اضطراب تھا، رات کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتی تھی، صبح کی روشنی کسی طرح پھیلتی ہی نہ تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے رات کی رفتار رک گئی ہے، وہ اپنی جگہ پر چٹان کی طرح جم گئی ہے، ہلنے کا نام نہیں لیتی، اب صبح کبھی نہ ہوگی، سورج کبھی نہ چمکے گا، اندھیرا کبھی دور نہ ہوگا، یہ میں اپنے دل کی حالت بیان کر رہا ہوں، آج پہلی مرتبہ مجھے یہ احساس ہوا، میں پاپی ہوں، میرا من روگی ہے، میرے دل کی دنیا پر تاریکی چھائی ہوئی ہے، گھپ اندھیرا روشنی کا کہیں نام نہیں، میں چاہتا تھا آج کی رات وقت سے پہلے ختم ہو جائے۔ لیکن وہ کسی طرح ختم ہوتی نظر نہ آتی تھی، شیام نے میری یہ حالت دیکھی اور پوچھا،

ہردیو تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ تم سوتے کیوں نہیں؟ آرام کیوں نہیں کرتے؟

میں نے جواب دیا:

مجھ عقل کام نہیں کرتی اپنے ہوش میں نہیں ہوں، کسی طرح رات کٹے، صبح ہو، اور میں حسن سنجری کے مرشد کے پاس پہنچوں، تب ہی مجھے سکون ہو جائے، تب ہی

خوشی سے اُچھل رہا تھا، رُوح تھی کہ مسرت سے ناچ رہی تھی، خیال تھا کہ مجھ سے کہیں آگے نکلا جا رہا تھا، میں اسے پکڑنا چاہتا تھا، لیکن اس کا دامن ہاتھ نہ آتا تھا،

شیام نے مجھے گھورا اور کہا،

ہر دیو تمہاری مت پلٹ گئی ہے، کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ تم بالکل بدلے ہوئے نظر آتے ہو؛ ایسی مدہوشی بھی اچھی نہیں

میں نے جواب دیا،

ہاں یا تو آج بدلوں گا، اور ایسا بدلوں گا کہ میرا کل آج سے بالکل مختلف ہوگا، اور اگر نہ بدلا تو پھر، کوئی طاقت مجھے میری جگہ سے نہ ہٹا سکے گی،

شیام نے پھر بے پروائی سے کہا،

اچھا بھئی دیکھیں گے کیا ہوتا ہے؟ لو پہلا پڑاؤ تو آگیا، یہ رہی حسن سنجری کی حویلی!

اور ان سے کہیں، صبح تک انتظار نہیں کیا جا سکتا،
ابھی چلئے اپنے پیر کے ہاں !
شیام نے پھر ایک قہقہہ لگایا اور کہا
مجھے سونے دو، تم بھی سو جاؤ، صبح چلیں گے، پاگل پن
کی باتیں مت کرو۔
! ـــــ اور واقعی وہ گھوڑے بیچ کر سو گیا' !
! ـــــــــ لیکن مجھے نیند نہ آئی' !
! ـــــ میں نے ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی!
! ـــــ ایک پل کے لئے بھی میری پلک نہ جھپکی' !

آخر صبح ہوئی، جسے اگر میں صبح اُمید کہوں تو غلط نہ ہوگا، میں نے جلدی سے شیام کو اُٹھایا، لیکن وہ نیند کے نشہ میں مست تھا، میں نے لاکھ جھنجھوڑا، ہلایا، جگانے کی کوشش کی لیکن وہ ہوں ہاں کر کے پھر سو گیا، میں نے اُٹھانے کی کوشش کی، اس نے کروٹ بدلی، آخر میں نے پانی کا گھڑا اُنڈیل دیا، اب تو حضرت بڑبڑاتے ہوئے اُٹھ بیٹھے، لیکن بہت خفا، میری یہ حرکت ناگوار ہونی چاہئے تھی، لیکن میں نے اپنے دوست کو منا لیا، آخر وہ میرا بچپن کا ساتھی اور دوست بھی تو ہے، مان گیا اور ساتھ لے کر میں حسن سنجری کی حویلی کی طرف روانہ ہوا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میں نے منزل مقصود پالی ہے جوش و شوق اور وارفتگی کے عالم میں بھاگا چلا جا رہا ہوں دل تھا

آستانے کی طرف روانہ ہوئے، داہنی طرف میں تھا، بائیں طرف شیام، ہم دونوں خاموش تھے، اور وہ آہستہ آہستہ کچھ دُعائیں پڑھ رہے تھے۔ دریا جمنا کے کنارے ایک مقام پر ہم نے دیکھا بھیڑ لگی ہوئی ہے، ایک بہت بڑا انبوہ نظر آرہا ہے، سینکڑوں آدمی اندر جاتے اور باہر آتے ہیں، سلطان المشائخ کی یہی خانقاہ تھی،

دروازہ پر پہنچ کر حسن نے آستانہ کی چوکھٹ کو چُوما، مجھے بڑی حیرت ہوئی، میں نے غور کر کے دیکھا جو آتا ہے، یہی کرتا ہے، میرے دل کی تلخی اب تک قائم تھی، میں نے چوکھٹ پر سر نہیں جھکایا چومنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا؛ آخر ہم سب لوگ اندر پہنچے، وہاں بہت سے لوگ جمع تھے، میں نے دیکھا جانماز پر ایک مردِ بُزرگ بیٹھے ہیں، گندمی رنگ نورانی داڑھی، سر پر عمامہ، آنکھوں میں بلا کی کشش: یہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا تھے، حسن نے سامنے پہنچ کر ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا؛ مجھ پر بھی کچھ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ ضبط نہ کر سکا، میں نے بھی ہاتھ بڑھایا، انہوں نے مصافحہ کیا میں نے ان کا ہاتھ چُوم لیا، وہ مُسکرائے اور خاموش ہو گئے، جیسے چوری پکڑ لی ہو۔ واقعی میرا دل چور تھا، اور انہوں نے دل کی چوری پکڑ لی تھی۔

حضرت نے فرمایا، تمہارا آنا مبارک ہو، پھر حسن سے کہا، اس ہندو نوجوان کو خسروؔ سے ملاؤ، خسروؔ حضرت کے محبوب مُرید ہیں؛

باب (۱۶)

من موہن پہ کھبو!

حسن سنجری کی حویلی حوض خاص کے قریب سیری کے مقام پر تھی، ہم لوگ ٹھیک فجر یعنی صبح کی نماز کے وقت پہنچ گئے، حسن سنجری جیسے ہمارے منتظر ہی تھے، وہ ہم سے بہت تپاک اور اخلاق سے ملے، اُنھوں نے کہا،

چلو آستانے پر تمہیں لے چلیں، ٹھیک وقت پر آگئے تم لوگ؛

میں نے کہا،

بہت جلد چلئے، اب انتظار کی طاقت نہیں،

وہ مسکرائے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ

وہ اکثر دن کو روزہ رکھتے ہیں، آج بھی روزے سے ہیں۔ جب سورج ڈوب جائے گا، افطار کریں گے، میں خاموش ہوگیا،

شام کی نماز کے قریب جسے یہ لوگ مغرب کی نماز کہتے ہیں، حضرت نے مجھے اور حسن کو اپنے پاس بلایا، وہ بالا خانہ پر تشریف رکھتے تھے، تھوڑی دیر میں حضرت کا خادم اقبال آیا، اس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا جس کا لباس بہت قیمتی تھا، اور سر پہ دو خوان رکھے ہوئے تھے، خوان پوش ہٹایا گیا تو مٹی کے برتنوں میں جو کی دو روٹیاں تھیں، کچھ سبزی بھی تھی، نہ فیرنی تھی، نہ زردہ نہ متنجن نہ مزعفر نہ پلاؤ نہ کباب، گوشت تک نہیں تھا، حضرت نے اسی سے افطار فرمایا، اور ہمیں بھی شریک ہونے کی دعوت دی، ہم دونوں شریک ہوگئے،

تھوڑی دیر میں اطلاع ملی خسرو آرہے ہیں، وہ آئے حضرت نے انہیں محبت بھری نظروں سے دیکھا، اور بہت پیارے لہجہ میں کہا میرا ترک آگیا، پھر حضرت نے میری طرف اشارہ کرکے خسرو سے کہا، یہ دیوگیر کا راجکمار ہے، خسرو نے مجھ سے اور حسن سے ہاتھ ملایا، اور ادب سے بیٹھ گئے،

حضرت نے خسرو سے کہا، اپنا کچھ تازہ کلام سناؤ، انہوں نے کئی غزلیں سنائیں، حضرت بہت خوش ہوئے۔ پھر فرمایا:

ہم نے تم سے کہا تھا کہ ہندی زبان میں بھی شعر کہا کرو، تاکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی زبان ایک ہو جائے، وہ آپس میں میل جول سے رہا کریں،

مجھے بھی ان سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔

حسن سنجری نے عرض کی، خسرو رات کو آئیں گے، پھر مجھ سے کہا وہ بادشاہ کے بہت بڑے درباریوں میں ہیں، بہتر ہے کہ آج یہیں رہ جاؤ، کل شہر واپس چلے جانا، میں نے یہ بات مان لی، کیونکہ میرا دل بھی یہی چاہ رہا تھا، تھوڑی دیر کے بعد دوپہر کے کھانے کے لئے دسترخوان بچھ گیا، اور تمام حاضرین کھانا کھانے بیٹھ گئے، میں یہاں جب سے آیا ہوں، دربار میں آمد و رفت کی وجہ سے چھوت چھات پر پوری طرح عمل نہیں کر پاتا، مسلمانوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھا لیتا ہوں، میں بھی بیٹھ گیا، کھانا بہت لذیذ تھا، ہر شخص کو الگ الگ برتن میں دیا گیا تھا، ایک شخص نے اعتراض کیا روز تو ہم ساتھ مل کر کھانا کھاتے ہیں، آج الگ الگ کیوں دیا گیا، منتظم نے جواب دیا، حضرت کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ معترض نے کہا ہماری سمجھ میں تو یہ حکمت نہیں آتی، منتظم نے شگفتگی کے ساتھ جواب دیا۔ آج ہمارے مہمانوں میں ایک ہندو بھی ہے، ہندو اسی طرح کھاتے ہیں، لہٰذا حضرت کی خواہش تھی کہ سب اسی طرح کھائیں،

کھانا شروع ہو گیا، تو میں نے حسن سنجری سے پوچھا۔

حضرت خود نظر نہیں آتے، کیا وہ کھانا نہیں کھائیں گے!

حسن نے جواب دیا،

ہمارے بادشاہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے،

میں نے دل کی بات صاف صاف کہہ دی۔ میں نے کہا،

دلی اچھا شہر ہے، علاؤالدین بہت بُرا بادشاہ ہے، ظالم ہے، سفاک ہے، خونی ہے، اس نے میرے ملک کو لوٹا، میری قوم کو غلام بنایا، میرے راجہ کو باجگزار بنالیا، میں اس سے نفرت کرتا ہوں،

خسرو میری یہ بات سن کر بہت زور سے ہنسے، اُنہوں نے کہا، ہردیو تُو نے کبھی ڈاکو کو دیکھا ہے، کسی لُٹیرے سے تجھے سابقہ پڑا ہے، کسی قزاق سے آمنا سامنا ہوا ہے؟ کیا تو ڈاکو اور لٹیرے اور قزاق کی تعریف کرسکتا ہے؟ بتا ڈاکو کسے کہتے ہیں؟

میں نے کہا بہت سے ڈاکو دیکھے ہیں، سب سے بڑا ڈاکو یہیں دلی میں ہے، جسے علاؤالدین کہتے ہیں،

خسرو نے پوچھا،

ڈاکو کیا کرتے ہیں، یہ بھی تو بتا؟

میں نے جواب دیا،

دوسروں کا مال لوٹتے ہیں، قتل کردیتے ہیں، عورتوں اور بچوں پر رحم نہیں کرتے،

میری یہ باتیں سُنکر امیر خسرو مسکرانے لگے، انہوں نے کہا، لیکن اُن میں کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں، وہ جھوٹ نہیں بولتے،

خسرو نے عرض کیا،

"کیوں کر ممکن ہے کہ مرشد کے منہ سے کوئی بات نکلے اور اس کی تعمیل نہ ہو، غلام نے آقا کے حکم کی تعمیل شروع کر دی ہے!"

میں فارسی بہت اچھی جانتا ہوں، ہندی نہیں جانتا، لیکن شعر مجھے اچھے لگے، اتنے میں عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا۔ خسرو مجھے اپنے گھر لے آئے، یہ نازک بدن، ہندو مذہب کی ایک ایک بات سے واقف ہیں، ان کے باپ ترک تھے، اور ماں ہندو، کہنے لگے،

میری مادری زبان ہندی ہے، اور پدری زبان فارسی اور ترکی،

پھر حضرت کی تعریفیں کرنے لگے۔ میں نے کہا،

حضرت دن بھر روزہ رکھتے ہیں، اور رات کو جَو کی روٹی سے افطار کرتے ہیں، اس طرح تو بہت کمزور ہو جائیں گے،

خسرو نے جواب دیا،

مردانِ خدا خدا نہ باشند
لیکن ز خدا جدا نہ باشند!

میرے دوست جسم کی طاقت کوئی چیز نہیں ہوتی، رُوح کی طاقت اصل چیز ہے، عبادت اور ریاضت نے حضرت کی رُوح کو بہت توانا بنا دیا ہے،

پھر خسرو نے مجھ سے پوچھا، کہو تم نے دلی کو کیسا پایا۔ ہمارے

دیکھتے ہو، یہ باتیں قابلِ تعریف ہیں نا؟

میں نے کہا بے شک یہ قابلِ تعریف باتیں ہیں،

پھر امیر خسرو نے ایک خاص انداز میں مجھے مخاطب کیا اور کہا، لیکن جب بادشاہ کو شک ہو جاتا ہے، کہ کسی ملک کی بادشاہی سے اُسے خطرہ ہے، تو رحم و انصاف اور انسانیت اور شرافت کو بھول جاتا ہے، خواہ وہ دوست ہو، عزیز ہو، بھائی ہو، بیٹا ہو، باپ ہو، حتیٰ کہ پیر و مُرشد کیوں نہ ہو، اس معاملہ میں ماں، بہن بھائی اولاد کسی کے ساتھ وہ رعایت نہیں کرتے، سب کو فنا کر دینا اپنی بادشاہی کا ایمان اور قانون سمجھتے ہیں، یہی بات ہمارے بادشاہ کے بارے میں بھی صحیح ہے۔

میں چُپ رہا اور خسرو نے پھر بڑے پُراثر انداز میں کہا،

تم نہیں جانتے یہ بادشاہ کیا ہوتے ہیں، تم یہ بھی نہیں جانتے کہ قدرت کا قانون کیا ہوتا ہے؟ لوگ اگر یہ سمجھ لیں کہ خدا کا قانون کسی کو معاف نہیں کرتا، تو وہ ہر آفت پر صبر کر لیں، اور ہر دُکھ جھیل لیں۔

خسرو کی یہ باتیں میرے دل میں اُتر رہی تھی، میں ان باتوں سے بہت اثر لے رہا تھا، وہ اپنی باتوں میں مصروف تھے اور میں خاموشی سے بیٹھا سن رہا تھا، وہ ایک عالمِ کیف میں نہ جانے کیا کیا کہے جا رہے تھے، انہوں نے کہا: میں تمہیں بتاؤں قانونِ قدرت کیا چیز ہے، ہمارے بادشاہ کا چچا جلال الدین خلجی تھا، خلجی سلطنت کی بنیاد اسی نے رکھی لیکن

دل کی بات ان کے ہونٹوں پر رکھی رہتی ہے، وہ اپنا لوٹا ہوا مال غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، دکھیاروں کے کام آتے ہیں بے کسوں کا سہارا بنتے ہیں، مہمانوں اور مسافروں کو کھانا کھلاتے ہیں، عورتوں اور بچوں کی مدد کرتے ہیں، خلق خدا کو فائدہ پہنچاتے ہیں، بتاؤ سر دیوان کی یہ باتیں اچھی ہیں یا بری؟

میں نے جواب دیا،

جو اچھی بات ہے وہ اچھی ہے، جو بری بات ہے وہ بری ہے، ڈاکہ مارنا برا ہے، اور دوسری جو باتیں آپ نے کہیں وہ اچھی ہیں،

امیر خسرو نے کہا،

یہ سب بادشاہ ڈاکو ہوتے ہیں، اور بہت بڑھیا قسم کے ڈاکو ہوتے ہیں، اور دوسروں کا ملک چھین لیتے ہیں، انہیں مفلس اور کنگال بنا دیتے ہیں، لیکن ان میں کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں، وہ خیرات کرتے ہیں، خلق خدا کو اپنی داد و دہش اور جود و سخا سے فائدہ پہنچاتے ہیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں، منگتوں کو کپڑے بانٹتے ہیں، دکھ اور درد میں لوگوں کے کام آتے ہیں، میں اپنے بادشاہ کی اگر تعریف کرتا ہوں تو اسی اعتبار سے، کیا تم دیکھتے نہیں اس کے راج میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں، دنیا کے کسی ملک میں ضروریات زندگی اتنی سستی نہیں ہیں، جتنی تم ہمارے ملک میں

غصّہ میں آکر، کسی چیونٹی کو مسل دو، لیکن کچھ ہی عرصہ بعد اس کے بھتیجے یعنی ہمارے بادشاہ نے اسے قتل کر دیا، اور خود بادشاہ بن گیا، اس دُنیا میں اسی طرح ہوتا ہے، بادشاہت کا قانون اپنی جگہ ہے، اور قدرت کا قانون اپنی جگہ،

میں نے امیر خسرو کی یہ باتیں سُنکر حیرت سے ان کے چہرے پر نظر ڈالی، مجھے ساری دُنیا تاریک معلوم ہو رہی تھی، سوائے امیر خسرو کے چہرے کے، وہ چاند کی طرح چمک رہا تھا، مجھے سارا سنسار روتا دکھائی دیتا تھا، لیکن امیر خسرو کا چہرہ مسکرا رہا تھا، آخر مجھے اپنے سری کرشن جی کی گیتا یاد آئی، اور مجھے ایسا معلوم ہوا، جیسے وہ گیتا کا ترجمہ سُنا رہے ہیں، پھر میں نے کہا،

میں نے سُنا ہے، موجودہ بادشاہ کو بھی حضرت سے بدگمان کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، لیکن ایسا تو نہ ہوگا کہ اس کی بدگمانی رنگ لائے اور کسی دن یہ خبر سُننے میں آجائے کہ بادشاہ نے میرے من موہن پربھو حضرت جی کے ساتھ وہی کیا، جیسا اس کے چچا نے پیر مولا کے ساتھ کیا تھا،

امیر خسرو نے جواب دیا،

ایسا نہیں ہو سکتا، اور اگر ایسا کرنے کی کوشش کی گئی تو نتیجہ بُرا ہوگا، خود علاؤالدین سلامت نہ رہ سکے گا!

تم صرف علاؤالدین کے دبدبہ سے واقف ہو، حضرت کی طاقت سے ناآشنا ہو!

جانتے ہو کیسے ؟ دلی پر ترک خاندان کا آخری بادشاہ معز الدین کیقباد فرمانروائی کر رہا تھا، میں اس کے دربار میں بھی ملازمت کرتا تھا، اس کی ماں ہندو تھی، باپ مسلمان تھا، جمنا کے کنارے اس نے نہایت عالی شان محل بنوایا تھا، بڑے مزے میں رہتا تھا، زندگی کی کوئی حسرت ایسی نہ تھی، جو پوری نہ ہوتی ہو، جلال الدین پنجاب کے ایک مقام سامانہ میں کیقباد کی طرف سے عامل تھا، ایک روز وہ آیا، اور اس نے بادشاہ کو مار ڈالا اور ہندوستان کا شہنشاہ بن گیا، دفعتہً انقلاب آگیا، تاجِ شہریاری جست کر کے ایک شخص سے دوسرے شخص کے سر پر پہنچ گیا، اس نے بادشاہ کے تمام ملازموں کو نکال دیا، یہ لوگ ایک بزرگ کے پاس جن کا نام مولا تھا، حاضر ہوئے، انہوں نے ہمدردی کا اظہار کیا، اور ان سب کے کھانے پینے کا بندوبست کر دیا، پیر مولا کا سارے شہر میں ڈنکا بجتا تھا، ہر شخص ان سے عقیدت رکھتا تھا، اور اب سابق ملازمین کی حاضری نے انہیں اور زیادہ طاقت ور بنا دیا تھا، وہ چاہتے تو بادشاہ بن جاتے، مگر انہوں نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا، جلال الدین کو شبہ ہوا کہ اس کے خلاف سازش ہو رہی ہے اس نے اپنے بیٹے ارکلی خاں کو فوج کے ایک بڑے دستے کے ساتھ بھیجا کہ وہ حضرت پیر مولا کو اور تمام سابق شاہی ملازمین کو گرفتار کر لائے ان لوگوں پر ہاتھی دوڑا دیئے گئے، جنہوں نے آن کی آن میں سب قیدیوں کو روند ڈالا، ایک ہاتھی نے پیر مولا کو بھی پامال کر دیا، جیسے تم کسی وقت

کھڑے ہوتے ہیں، بادشاہ اور سلطان چاکرانِ کمترین کی طرح غلام اور خادم کی حیثیت سے یہاں کی جاروب کشی کرنا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ یہاں کی تجلیاں، یہاں کی برکتیں، یہاں کے انوار یہاں کے فیوض، کس کس چیز کا بیان کروں، کس زبان سے کن الفاظ میں، اور کہاں تک۔

درق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

ابھی چند روز کی بات ہے، میں امیر خسرو کے ہاں گیا، حسب معمول وہ بہت محبت کے ساتھ ملے، یہ بھی عجیب شخص ہے۔ ایک طرف بادشاہ کی ناک کا بال، دوسری طرف مرشد کا محبوب مرید، نہ بادشاہ کو ان کے بغیر چین، نہ مرشد کو ان کے بغیر قرار، ایوانِ شہریاری میں پہنچتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے، جیسے امیر الامراء ہیں، مرشد کے خانقاہ میں آتے ہیں تو فقیر بن کر، گھر پر ان سے ملو تو سوائے عبادت اور ریاضت، اور حضرت کے ذکر کے کوئی شغلہ نہیں بہت بڑے شاعر ہیں، فارسی کے بھی اور ہندی کے بھی، فارسی شاعری میں کمال کا یہ عالم ہے کہ بڑے بڑے — اہل زبان سند میں ان کا کلام پیش کرتے ہیں۔ ہندی ان کی مادری زبان ہے، ایسی صفائی اور خوبی سے برتتے اور لکھتے ہیں کہ بس،

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی،

باب (۱۷)

دین ہوتا ہے بُزرگوں کی نظر سے پیدا!

لاجونتی تم اپنے دل میں کہتی ہو گی، ہر دیو کو کیا ہو گیا ہے، وہ کیسی باتیں کر رہا ہے، مسلمانوں سے نفرت کرتے کرتے ان کے گُن کیسے گانے لگا؟ لیکن کیا کروں لاجونتی، آنکھیں نہیں بند کر سکتا، دماغ پر پہرا نہیں بٹھا سکتا، دل کے دروازوں پر تالا نہیں لگا سکتا، جو کچھ دیکھتا ہوں، اسے کیوں کر جھٹلا دوں؟ جو کچھ محسوس کرتا ہوں، اس سے کیوں کر انکار کروں؟ دل پر جو کچھ گُذرتی رہتی ہے، اس کا اثر کیسے نہ قبول کروں؟ خوش قسمتی سے اس آستانے پر پہنچ گیا ہوں، جہاں بڑے بڑے سرکش سر جھکا کر آتے ہیں، فاتح اور کشور کشا ہاتھ باندھ کر

اچھا مجھے نیند آرہی ہے،

وہ مسکرائے، اور شب بخیر کہہ کر سونے کے لئے چلے گئے

سچ پوچھو تو نہ مجھے نیند آرہی تھی نہ آئی، میں یہ صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ سو جائیں تاکہ وقت مقررہ پر بادشاہ کے دربار میں پہنچ سکیں، بادشاہ بڑے تیکھے مزاج کا ہے، نجانے کیا اونچ نیچ پیش آجائے۔

امیر خسرو کے جانے کے بعد، میں تنہا ان کے حجرہ میں لیٹا ہوا تھا، طرح طرح کے خیالات آرہے تھے،

کبھی اپنے نفس کا جائزہ لیتا تھا، اور اسے آلائشوں اور گندگیوں سے کھبر پور پاتا تھا، اپنے وجود سے شرم آنے لگتی تھی، اپنی زندگی سے گھن کھانے لگتا تھا، شرم آنے لگتی تھی، مجھے اپنے آپ پر،

کبھی عالم خیال میں مرشد کے آستانے پر پہنچ جاتا تھا، اور دیکھتا تھا، ایک نحیف و نزار جسم، کہن سال، بیمار، کمزور، عبادت میں مصروف ہے، مجاہدے کر رہا ہے، جسم گھل کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے، لیکن روح کی توانائی کا یہ عالم ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اس کے سامنے لرزہ براندام نظر آتی ہے، وہ غریب، کنگال ہے، لیکن کھلے لٹ رہے ہے، نجانے کتنوں کا اَن داتا ہے، اس کے قدموں پر سونے چاندی کے ڈھیر لگے رہتے ہیں مگر وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اس کے دستر خوان پر طرح طرح کے لذیذ لطیف اور مرغن کھانے موجود رہتے ہیں، خلقت کھاتی ہے، اور ڈٹ کے کھاتی ہے لیکن

مسلمانوں کو ہندوؤں سے اور ہندوؤں کو مسلمانوں سے قریب کرنے کے لئے اُنہوں نے ایک کتاب لکھی ہے، خالق باری، بڑے مزے کی کتاب ہے، اس خط کے ساتھ تمہیں اس کی ایک نقل بھیج رہا ہوں، اس کتاب کا کمال یہ ہے کہ فارسی دان ہندی سے واقف ہو جاتا ہے، اور ہندی جاننے والا فارسی سمجھنے لگتا ہے، دیکھو ردی سمجھ کر پھینک نہ دینا پڑھنا ضرور، ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ امیر خسرو کے ہاں گیا، ہم دونوں جب بیٹھتے ہیں تو ایک ہی موضوع پر باتیں ہوتی ہیں، اور وہ ہے مُرشد کا ذکر، وہ کہتے کہتے تھکتے نہیں، نہ میں سُنتے سُنتے اُکتاتا ہوں، عجیب جادو ہے اس ذکر میں، آدھی سے زیادہ رات بیت گئی اور ہماری باتیں ختم ہونے میں نہ آئیں آخر میں نے کہا:

اتنی رات بیت گئی، آپ کو صبح اُٹھتے ہی دربار جاتا ہے، آرام کیجئے،

وہ کہنے لگے، ابھی تو آدھی رات گذری ہے، میں چاہتا ہوں یہ رات کیا، شب و روز کیا، ماہ و سال کیا، ساری زندگی اسی طرح گذر جائے اور میں یہی ذکر کرتا ہوں، یہ ذکر دل کا سُرور، رُوح کی شکیبائی اور قلب کی غذا ہے،

امیر خسرو کا ایک ایک لفظ سچائی کی منہ بولتی تصویر تھا، میں جانتا ہوں اس شاندار جسم میں کتنی پاکیزہ رُوح موجود ہے میں نے ان کے آرام کے خیال سے جھوٹ موٹ کہا:

ہے، وہ ہے امیر خسرو کا وجود،" امیر خسرو کو دیکھ کر دل عجب طرح کی خرمی اور شکیبائی محسوس کرتا ہے۔ مجھے امیر خسرو پر اس لئے بھی فخر ہے، کہ وہ ایک ہندو ماں کے بیٹے ہیں، انہیں دیکھ کر بار بار دل میں خیال آتا ہے کہ یہ جو کچھ نہ تھے، مرشد کے فیضِ صحبت سے سب کچھ بن گئے میں اتنا گیا گزرا تو نہیں ہوں کہ اگر سب کچھ نہ بن سکوں تو کچھ نہ بن پاؤں کیوں لاجونتی کیا رائے ہے۔ تمہاری؟ اسلام قبول کر لوں؟ یہ سوال تمہیں چھیڑنے کے لئے نہیں کرتا، واقعی سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوں مجھے مشورہ کی ضرورت ہے۔ تم سے بڑھ کر میرا کوئی سچا دوست نہیں تم ہی مجھے سچا اور کھرا مشورہ دے سکتی ہو!"

میرے دماغ کی عجیب حالت ہے ان دنوں، لکھنا کیا چاہتا تھا، لکھ کیا گیا، اصل داستان سنو،

صبح جب میری آنکھ کھلی تو امیر خسرو دربار جا چکے تھے۔ میں مزے کی نیند سو رہا تھا۔ وہ رات بھر عبادت کرتے رہے، پھر صبح کی نماز پڑھی اور دربار چلے گئے ——— ایک فرض کے بعد دوسرا فرض، ایک کام کے بعد دوسرا کام، ایک ذمہ داری کے بعد دوسری ذمہ داری، اس شخص کی زندگی فرض ہی کے ادا کرنے میں صرف ہو رہی ہے، خواہ دن ہو یا رات، بادشاہ کا دربار ہو یا مرشد کی خانقاہ، کتنا رشک آتا ہے مجھے امیر خسرو کی ذات اور صفات پر،

اب میں نے خیال کیا مجھے روانہ ہونا چاہئے، چنانچہ میں چل پڑا،

خود روزے رکھتا ہے، ——— اور رکھتا چلا جاتا ہے، جو کی روٹی سے افطار کرتا ہے، اور پھر دوسرے دن کے لئے روزے کی نیت کر لیتا ہے، نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے اور ساری رات عبادت میں گذار دیتا ہے، قرآن پڑھنے بیٹھتا ہے تو اسی میں کھو جاتا ہے، اپنے رسول کی کہانی بیان کرنے پر آتا ہے، تو منظر قابلِ دید ہوتا ہے، کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ کہتا ہے سوز و گداز کے ساتھ کہ خود روتا ہے دوسروں کو رلاتا ہے، ایک ہمارے بھگوان اور اوتار ہیں، جن کی کہانیوں میں ناچ ہے، گانا ہے، جوا ہے، شراب ہے، ایک اس کے رسول کی کہانی ہے، جس میں تقدس ہے، ایثار ہے، عبادت ہے تقاضت ہے، پاکی ہے، طہارت ہے، گناہ گاروں کی فکر ہے، عاقبت کی طرف رغبت ہے، دنیا کی ٹیپ ٹاپ ہیچ ہے، سرمدی زندگی اصل مقصود و منتہا ہے، بعض وقت تو لا جونتی ایسا جی چاہتا ہے، مرشد کے سامنے ہاتھ بڑھاؤں، اور عرض کروں مجھے مسلمان کر لیجئے، لیکن اُنہوں نے آج تک اشارۃً بھی یہ خواہش ظاہر نہیں کی کہ میں مسلمان ہو جاؤں، میں بھی جھجک کر خاموش ہو جاتا ہوں، ان لوگوں کی زندگی دیکھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں، اسلام قبول کرنا آسان ہے مسلمان بننا مشکل ہے، خالی نام بدل کر کیا کروں گا، مسلمان بننا ہے، تو ان جیسا بننا پڑے گا، اپنے دل کو ٹٹولتا ہوں، اپنے آپ کو تولتا ہوں، اور ہمت ہار جاتا ہوں، ہاں ایک چیز ہے، جو میری ہمت بندھوا جاتی

انہوں نے مکر و فریب کا جال بچھا رکھا ہے، یہ بگلا بھگت ہیں،

یہ سُنکر مجھے غصّہ آگیا، میں کانپنے لگا، میں نے برہمی کے عالم میں کہا:۔

خاموش اپنی زبان بند کرو، ورنہ انجام برا ہوگا، ایسی دریدہ دہنی اور گستاخی میں ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔

دُوکان کے مالک نے حیرت کے ساتھ مجھے دیکھا اور کہا،

"تم تو ہندو ہو، پھر ایک مسلمان فقیر سے اتنی ہمدردی کیوں کرتے ہو؟"

میں نے جواب دیا،

ہاں میں ہندو ہوں، لیکن ان کے چرنوں میں بیٹھتا ہوں، ان کی مجلسوں میں جاتا ہوں، انہیں خلق خدا کی خدمت کرتے، خالق کی عبادت کرتے اور اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کرتے دیکھتا رہتا ہوں میرے دل میں ان کی محبت ہے، عقیدت ہے، میں نے کوئی بات ان میں مکر و فریب کی نہیں دیکھی، سوا تقدس کے، پاکی اور پاکیزگی کے نیکی اور سچائی کے، صداقت اور راستی کے، اگر یہ لوگ بے دین ہیں تو تم کافر ہو؟ ——

دوکاندار نے میری باتیں سنکر ایک قہقہہ لگایا اور کہا،

"واقعی بڑے اچھے جادوگر ہیں یہ لوگ، ایک سادہ لوح مسافر کو خوب پھانس لیا ہے!"

میں نے پُوچھا،

ایک بڑے بازار میں پہنچا، یہ غیر ملکی بازار ہے، یہاں بخارا، ترکستان اور ایران کے تاجر بڑی بڑی دکانوں میں قیمتی سامان سجائے بیٹھے رہتے ہیں، زر کار اور زرنگار کپڑے، پوستین کمبل، قالین، تیر کمان، ڈھال تلوار، خنجر اور تبر، نظر فریب طریقے پر سجے رہتے ہیں، میں آہستہ آہستہ ان دکانوں کو دیکھتا جاتا تھا، ایک دکان پر کھڑا ہو گیا۔ بڑی اچھی اچھی تلواریں لٹک رہی تھیں، خنجر بھی سُبک اور خوبصورت تھے اور ڈھالوں کا کیا کہنا، دکان کا مالک کوئی ترک تھا، ایک ہندوستانی اس کا ملازم تھا جو گاہکوں کو مال دکھاتا اور قیمت بتاتا تھا، دکان کا مالک بہت با اخلاق اور شائستہ آدمی تھا، اس نے میرا حال دریافت کیا۔ پہلے تو میں ذرا جھجکا۔ پھر میں نے اچھی طرح سے اپنا "تعارف" کرا دیا۔ اس نے پوچھا اس وقت کہاں سے آ رہے ہو، میں نے مرشد کا نام لیا مرشد کا ذکر کیا،

اس کے چہرے پر نفرت کے آثار پیدا ہو گئے، اس نے کہا،

"کہاں پھنس گئے جا کر، یہ دونوں تو بے دین ہیں، اول درجہ کے!

میں نے جواب دیا کہ

اگر یہ بے دین ہیں تو دین کہاں ہے؟ کیا تمہارے پاس ہے!

اس نے کہا،

یہ لوگ گانا سنتے ہیں، گانا شریعت میں حرام ہے، قوالوں کی مجلسیں کراتے ہیں، شریعت ایسے جھگڑے کی اجازت نہیں دیتی،

دوکاندار غور اور حیرت سے میری باتیں سن رہا تھا، اس نے کہا،
امیر خسرو خود کہتا ہے،

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آرے آرے می کنم، با خلق و عالم کار نیست

تم بھی بت پرست ہو، اور خسرو بھی اپنے بت پرست ہونے کا اعتراف کرتا ہے، اس کا پیر بھی ایک بت ہے، لہٰذا تم اس کے گرویدہ ہو گئے۔ میں تو باز آیا ان لوگوں سے!

یہ باتیں میں نے دلی تکلیف کے ساتھ سنیں، میں نے کہا،
"میں آپ کی زبان تو نہیں روک سکتا، لیکن مجھے بڑا افسوس ہے کہ میں یہاں کیوں آیا؟ نہ آتا نہ ایسی باتیں سننی پڑتیں،

دوکاندار ہنسنے لگا اور بولا،
بھئی ہم تو صاف اور کھرے آدمی ہیں، تم ٹھہرے مسافر، اور اجنبی بلکہ ذمی، اس لئے ہم نے چاہا تھا کہ تمہیں، ایک چکر میں پھنسنے سے بچالیں، نہیں مانتے ہو، نہ مانو تم جانو اور تمہارا کام،

میں نے جواب دیا،
آپ کی اس نوازش کا شکریہ، آپ نے ابھی مجھے ذمی کہا، یہ کیا چیز ہوتی ہے؟

تاجر نے جواب دیا،
ذمی اس غیر مسلم کو کہتے ہیں، جس کے جان و مال کی حفاظت کا،

تم اُن کے بارے میں اس طرح کی باتیں کیوں کر رہے ہو ؟ بتاؤ کیا کبھی ان مجلس میں گئے ہو ؟ ان سے ملے ہو ؟ ان سے باتیں کی ہیں ؟

وہ بے نیازی کے ساتھ بولا ،

" میں ایسے لوگوں سے ملنا پاپ اور ان کی مجلسوں میں جانا گناہ سمجھتا ہوں ، ! "

میں نے بڑی نرمی اور ملائمت سے کہا ،

سُنی سنائی باتوں پہ رائے قائم کرنا ، عقلمندوں کا شیوہ نہیں وہاں جاؤ ، ایک دفعہ انہیں دیکھو ، ان کی باتیں سُنو پھر رائے قائم کرو ۔

وہ کہنے لگا ،

میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ،

میں نے کہا ،

میری طرف دیکھو میں ہندو ہوں ، میرے دل میں اپنے مذہب اور ہم مذہبوں کے سوا کسی کی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی ، میرے اس دل میں نہ صرف ان کی بلکہ مسلمان قوم کی اور مسلمانوں کے مذہب کی نفرت بھری ہوئی تھی ، میرا بس چلتا تو میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ، لیکن میں نے ان کا ذکر سُنا ، میرا دل کھنچا ، میں ان کی محفل میں گیا ، اور سرشار عقیدت ہو گیا ، اب وہ نشہ چھایا ہے ، جو کسی طرح نہیں اُتر سکتا ،

ہوتی نہیں جاتا ہے۔ اور واپس آتا ہے، اس سے کم سے کم یہ فائدہ ہوگا کہ جو رائے قائم کروگے وہ گمان پر نہیں مشاہدہ پر مبنی ہوگی، اور مشاہدہ بہرحال گمان پر ترجیح رکھتا ہے،

بڑی ہی بے پرواہی کے ساتھ دوکاندار نے کہا

اچھا تم کہتے ہو تو چلا جاؤں گا، اس وقت تو نہیں جا سکتا، میرے کاروبار کا وقت ہے، شام کو دوکان بند کرنے کے بعد البتہ پہلا کام یہی کروں گا،

میں نے سوچا ممکن ہے یہ جائے ممکن ہے نہ جائے لیکن اس جیسے سرکش کو جانا ضرور چاہیئے، میں نے کہا،

اچھا بھائی اب شام تک میں تمہارا مہمان ہوں اپنے گھر نہیں جاتا، تم اپنا کاروبار کرو، میں یہیں ایک گوشہ میں بیٹھتا ہوں، پھر ہم تم دونوں ساتھ ساتھ شام کو یہاں سے چلیں گے،

دوکاندار اس پر راضی ہوگیا، اس نے مجھے پرتکلف کھانا کھلایا، اور ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا، شام کو اس نے دوکان بند کی، اور مجھ سے کہا۔

"آؤ چلیں، دیکھیں، تم سچ کہتے ہو یا ہم،"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی سے اس کے ساتھ ہولیا، وہ بھی خاموش تھا اور میں بھی خاموش، ہم دونوں اپنے اپنے دل میں نجانے کیا کیا سوچ رہے تھے۔

مسلم حکومت ذمّہ لے لیتی ہے، لڑائی کی حالت میں ایک مسلمان کسی کافر کو قتل کر دے، تو وہ انعام کا مستحق ہے، لیکن صلح و امن کے زمانہ میں وہ ایسا نہیں کر سکتا، اپنے ملک میں اگر کوئی مسلمان ذمی کو ہلاک کر دے تو وہ بھی قتل کیا جائے گا، لہٰذا تم ذمی ہو، تمہاری جان و مال کی حفاظت ہمارا فرض ہے'

میں مسلمانوں کے اس قانون سے کہ وہ ذمیوں یعنی غیر مسلموں کے ساتھ ایسا اچھا روادارانہ برتاؤ کرتے ہیں، بہت متاثر اور خوش ہوا، اس اچھے مذہب کی ایک اور اچھی بات علم میں آگئی، میں نے اس سے کہا'

تم نے مجھے ذمی سمجھ کر نیک نیتی کے ساتھ، میرے فائدے کی بات مجھے بتائی، میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں، اور اپنا فرض سمجھتا ہوں! کہ تمہیں بھی نیکی کی ایک بات بتاؤں ——— !

وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا، اور اس نے کہا'

" نیکی اور پوچھ پوچھ، ضرور بتاؤ، میں پہلے ہی تمہارا شکریہ ادا کئے دیتا ہوں "

میں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا'

" تم غلط فہمی میں مبتلا ہو، میری درخواست ہے، کہ ایک دفعہ صرف ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی بارگاہ میں تھوڑی دیر کے لئے ہو آؤ، تاکہ تمہاری غلط فہمی رفع ہو جائے، حجاب کے پردے تمہاری آنکھوں سے اٹھ جائیں، وہاں کوئی زبردستی تو

——! حضرت عمرؓ کو چپ ہوجانا پڑا، اور حسب سابق گاتی رہیں،!

جب حضرت نے یہ بات فرمائی تو دوکا ندار نے مجھے مُڑکر دیکھا اس کے چہرہ پر خوف اور دہشت کی کیفیت طاری تھی،

مسلمان کو چاہیئے، ہر وقت اللہ کا کلام اور رسول کی سنت پیش نظر رکھے، ہم میں نہ کوئی بت پرست ہے نہ کوئی بت، البتہ تعظیم اور اطاعت ہم فرض سمجھتے ہیں، اور خدا خود فرماتا ہے، اللہ کی اطاعت کرو، مُرید کے لئے مُرشد صاحب امر ہوتا ہے، لہٰذا وہ اس کی اطاعت کرتا ہے، مُرشد کی اطاعت سے رسول کی اطاعت پیدا ہوتی ہے، اور رسول کی اطاعت سے خدا کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور خدا کی اطاعت سے انسان کی پیدائش کا مقصد پورا ہوجاتا ہے خلق آدم کا مقصد طاعت الٰہی کے سوا اگر کچھ اور ہے تو مجھے نہیں معلوم!

حضرت کی یہ بات سُن کر دوکاندار نے ایک چیخ ماری، اور حضرت کے قدموں پر سر رکھ کر زور زور سے رونے لگا، روتا جاتا تھا، اور کہتا جاتا تھا،

مجھے معاف کر دیجئے، میں بہت بڑی گمراہی میں مبتلا تھا آپ نے میری آنکھیں کھول دیں،

حضرت نے خواجہ سید محمد سے فرمایا،

انہیں اٹھاؤ، ان کو پانی پلاؤ ان کے واسطے حلوہ لاؤ انہوں نے

تھوڑی دیر کے بعد ہم خانقاہ کے اندر داخل ہوئے، بہت بھیڑ تھی، مجلس میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔

میں تو ایک کونہ میں دُبک کر بیٹھ گیا، مگر وہ دوکاندار کیوں جھجکتا؟ وہ تو بدعقیدہ بن کر گیا تھا، سیدھا حضرت کے سامنے پہنچا، بڑے زور سے اسلام علیکم کا نعرہ لگایا، اور بغیر ہاتھ ملائے ان کے پاس بیٹھ گیا، اس کی یہ حرکت مجھے اور حاضرین مجلس کو بہت بُری معلوم ہوئی، جی چاہتا تھا خون پی لوں اس گستاخ اور دریدہ دہن کا، لیکن حضرت کے خیال سے سب خاموش رہے،

حضرت نے بڑی محبت سے اس دوکاندار کو اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا،

"تم شاید یہیں دلّی میں کچھ کاروبار کرتے ہو، ؟"

دوکاندار نے کہا

" حدیث میں وارد ہوا ہے، یہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے!"

حضرت نے جواب دیا،

"ٹھیک کہتے ہو، یہ حدیث یاد دلاکر تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا، میں بھی جب گانا سنتا ہوں تو مجھے وہ حدیث یاد آجاتی ہے کہ آنحضرتؐ دو بچیوں کا گانا سُن رہے تھے، اتنے میں حضرت عمرؓ آ گئے اور اُنھوں نے گانے سے منع کیا، آپ نے فرمایا، عمرؓ ان لڑکیوں کو مت منع کرو، ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے، اور آج ان کی عید کا دن ہے!

"میں نادم ہوں، شرمسار ہوں، خطاکار ہوں، مجھ سے بڑھ کر بد بخت کون ہوگا؟ افسوس میں نے اپنی ساری زندگی غفلت میں گذار دی، کاش اس آستانے پر میں پہلے پہنچ گیا ہوتا،!

پھر اُس نے میرے قدموں پر سر رکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، میرے دونوں پاؤں اُس نے اپنے ہاتھوں سے پکڑ لئے وہ بار بار کہتا تھا،

"تم نے مجھے گمراہی سے بچایا، تم نے مجھے سیدھا راستہ دکھایا، جب تک زندہ رہوں گا تمہیں دُعا دونگا"

دیکھا لاجونتی یہ ہوتی ہے "بزرگوں کی نظر، تم ہی کہو جسے یہ دولت حاصل ہو جائے، وہ اس سے کس طرح دست بردار ہو سکتا ہے؟ یہ خزانہ قدرت نے مجھے عطا کیا ہے، اور زندگی کے آخری سانس تک میں اس کی حفاظت اور رکھوالی کروں گا۔"

ہم کو حدیث یاد دلائی، انہوں نے ہم کو قرآن یاد دلایا، انہوں نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا، اور ہاں وہ ہمارا منہ دھان ہردلیو کہاں ہے؟ اسے بلاؤ "

میں یہ سنکر دست بستہ کھڑا ہو گیا، میں نے عرض کیا،

" غلام حاضر ہے!"

حضرت نے میری طرف دیکھا اُن کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، کچھ دیر تک وہ مجھے دیکھتے رہے، پھر بڑے ناز کے لہجہ میں فرمایا:۔

ہم سب خدا کے ذمی ہیں، کوئی انسان کسی انسان کا ذمی نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ بات کسی کے بس میں نہیں کہ وہ دوسرے انسان کی ویسی حفاظت کر سکے، جیسے خدا اپنے بندوں کی کرتا ہے!

یہ باتیں سُنکر اُس دوکاندار نے پھر ایک چیخ ماری اور مُرغِ بسمل کی طرح صحن میں لوٹنے لگا، اتنے میں سیّد محمد کھانا اور حلوہ پانی لےکر آ گئے، حضرت نے دوکاندار کو اپنے قریب بُلایا، اور اپنے ہاتھ سے روٹی کا ایک نوالہ اس کے منہ میں رکھا، دوکاندار نے وہ کھایا اور پانی پیا، پھر حضرت نے حلوہ دیا، اس نے وہ بھی کھا لیا، پھر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر عرض کیا،

" یا حضرت مجھے بیعت کر لیجئے۔"

وہ بار بار روتا تھا اور کہتا تھا:۔

ہونے نہیں دے گا، اور اگر وہ حائل ہو تو اُسے چھوڑ دے گا۔ اور دست کش ہو جائے گا اس سے، یا یہ آن شور اشوری یا بلایں بے تکی کس کا اعتبار کیا جائے اس دنیا میں؟ کس پر بھروسہ کیا جائے؟ کسے سچا سمجھا جائے؟ میری حیثیت اب صرف ثانوی رہ گئی ہے، صاف مطلب یہ ہے کہ میں اگر اس کے ساتھ چل سکتی ہوں تو چلوں، نہیں چل سکتی تو وہ آگے بڑھ جائے گا، وہ انتظار نہیں کر سکتا، کسی کے لئے اپنی منزل کو کھوٹی نہیں کر سکتا، کسی صورت میں بھی نہ اپنا سفر ملتوی کر سکتا ہے، نہ ارادہ بدل سکتا ہے،

!—— لیکن میں کیا کروں؟

!—— کیا میرے سینہ میں بھی ویسا ہی دل ہے، جیسا ہردیو کے سینہ میں؟

!—— کیا میں بھی اسے چھوڑ سکتی ہوں؟

!—— نہیں،

!—— میں اسے نہیں چھوڑ سکتی،

!—— وہی میرا مقصد ہے، وہی میری منزل اُسے چھوڑ دوں گی تو پاؤں گی کسے؟ منزل تک کیسے پہنچوں گی؟

!—— نہیں کسی حالت سے بھی میں اس سے دست کش نہیں ہو سکتی،

لیکن اب ہو کیا سکتا ہے؟ وہ دلی میں بیٹھا ہے میں یہاں

باب (۱۸)

تصویرِ حیرت

لاجونتی کو ہر دیو کے خطوط مل رہے تھے، وہ ان خطوط کو پڑھتی تھی اور عالمِ خیال میں کھو جاتی تھی، وہ سوچنے لگتی تھی، انسان کا دل بھی کیا چیز ہوتا ہے جس طرف اُبل ہوا اُس کا ہو گیا' یا تو میرے ساتھ عشق و محبت کا یہ عالم تھا کہ دُنیا کی ہر چیز مجھ پر قربان کی جا سکتی تھی، اور یا مذہب کا جنون چڑھا ہے تو اس نے ہر چیز سے حتیٰ کہ میری محبت تک سے بے پرواہ کر دیا ہے۔ ان خطوط کا صاف مطلب یہ اور صرف یہ ہے کہ مذہب کے راستہ میں کسی چیز کو حتیٰ کہ اپنی محبوبہ تک کو حائل

مہاراج :- اگر چُھپانے کی کوشش کروگی تو غلطی کروگی، انجام بہت بُرا ہوگا ؟

لاجونتی :- صرف جُرم چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے، اور میں نے آج تک کوئی جُرم نہیں کیا،

مہاراج :- کیا تیرے پاس ہردیو کے خط نہیں آتے ؟ کیا تو اُسے خط نہیں لکھتی ؟

لاجونتی :- آتے ہیں، لکھتی ہوں، پھر ؟ کیا یہ جُرم ہے یا گناہ ہے یا پاپ ہے ؟

مہارانی :- گناہ اور پاپ سب کچھ ہے، پہلے یہ بتا تُو نے اس کے خطوط کا ہم سے ذکر کیوں نہ کیا ؟ چُھپایا کیوں ؟

لاجونتی :- چھُپانے کا کوئی سوال نہیں، ذکر اس لئے نہیں کیا کہ ضرورت نہ تھی،

مہارنی :- کیا لکھا کرتا تھا وہ اپنے خطوط میں ؟

لاجونتی :- یہ آپ کو نہ پُوچھنا چاہیئے، مجھے بتاتے اور آپ کو پوچھتے شرم آنی چاہیئے، مہاراج کے سامنے میری زبان تو کھل نہیں سکتی، آپ جو چاہیں کہہ لیں، ویسے ایک بات تو سب جانتے ہیں کہ مہاراج مجھے ان کا بنا چکے ہیں، میں اُن کی ہو چکی ہوں، اس کے بعد کوئی تیسرا آدمی ہمارے بیچ میں نہیں آسکتا،

ہوں، اور میرے اس کے درمیان سینکڑوں میل کا فاصلہ ہے، خط تو کسی نہ کسی طرح پہنچ جاتے ہیں، میرا پیام اس تک لے جانے والا کوئی نہیں۔ وہ اپنے دل کی ایک ایک بات لکھ دیتا ہے اور میں اتنی بے بس ہوں کہ ایک بات بھی نہیں لکھ سکتی ——————

بھگوان اس محبّت کا انجام کیا ہوگا؟

لاجونتی اسی فکر میں غرق بیٹھی تھی کہ اس کے کانوں میں کسی کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی، نظر اٹھا کر دیکھا تو مہاراجہ رام دیو تھر د جلال کی تصویر بنے سامنے کھڑے تھے، آج تک اس نے مہاراج کا یہ رُوپ نہیں دیکھا تھا، وہ سہم گئی اور گھبرا کر اُٹھ بیٹھی، مہاراج کے پیچھے مہارانی کھڑی تھیں، اور ان کی آنکھوں سے بھی انگارے برس رہے تھے، ان کے پیچھے پدمنی کھڑی تھی، ایک چور کی طرح ڈری ہوئی سہمی ہوئی، لرزہ براندام، جیسے چوری کرتی ہوئی پکڑی گئی ہو۔ جیسے کسی نے رو سیاہی کرتے اسے دیکھ لیا ہو!

لاجونتی کی سمجھ میں نہ آیا، یہ معاملہ کیا ہے؟ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان سب کو دیکھتی تھی، اور پھر نظر چرا لیتی تھی، دفعتاً فضا میں ایک آواز گونجی، اور یہ آواز مہاراج کی تھی،

لاجونتی تم ہر دیو کے بارے میں کیا جانتی ہو؟

لاجونتی نے نظریں نیچی کئے کئے کہا:

اتنا ہی جتنا آپ جانتے ہیں۔ جتنا ہر کوئی جانتا ہے!

موجود ہیں، اس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا،
(لاجونتی سے مخاطب ہوکر)
"کیا سچ مچ تو مسلمان ہوگئی ہے؟"

لاجونتی :- ہرگز نہیں، ——— میں نے آج تک کسی مسلمان کی صورت نہیں دیکھی، کسی مسلمان سے بات نہیں کی، میں نہیں جانتی اسلام کسے کہتے ہیں، اور مسلمان کیا ہوتا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا، آخر کیوں مجھ سے اس طرح کی باتیں کی جارہی ہیں؟ کیوں میری توہین کی جارہی ہے؟

مہارانی :- پھر وہی زبان درازی، پھر وہی خیرہ چشمی، پھر وہی بدتمیزی ہم یہ باتیں کسی طرح برداشت نہیں کرسکتے،

مہاراج :- (مہارانی سے مخاطب ہوکر) ارے بھئی تم نے خواہ مخواہ ہماری بچی کو خفا کردیا، وہ کسی سے دبنے والی نہیں، بڑے تیکھے مزاج کی ہے، اس سے اس طرح باتیں کیا کرو، جیسے کسی باوقار آدمی سے باتیں کی جاتی ہیں،

مہارانی :- آپ ہی نے اس کی عادتیں بگاڑی ہیں، جو زمین پر پاؤں نہیں رکھتی نہ جانے کیا ہوگیا ہے آپ کو اور یہ چھوکری تو نہ جانے کیا سمجھنے لگی ہے اپنے آپ کو،

مہاراج :- آدمی اپنے آپ کو وہی کچھ سمجھتا ہے جو کچھ ہوتا ہے،

مہارانی :- ارے یہ آپ کیسی باتیں کرنے لگے، آئے تو بیٹھے

مہارانی :۔ ہم ان خطوط کو دیکھنا چاہتے ہیں،
لاجونتی :۔ جب تک میں زندہ ہوں، یہ نہیں ہو سکتا،
مہارانی :۔ تیری زندگی ہمارے ہاتھ میں ہے،
لاجونتی :۔ کیڑے سے لے کر انسان تک سب کی زندگی صرف بھگوان کے ہاتھ میں ہے،
مہارانی :۔ (مہاراجہ سے) دیکھتے ہیں آپ کتنی گستاخ ہو گئی ہے؟
پھر لاجونتی سے مخاطب ہوتی ہیں :۔
"میں تجھے باحیا، خاموش، متین اور شرمیلی لڑکی سمجھتی تھی، آج تیرا یہ گن معلوم ہوا کہ تو بدتمیز بے حیا، اور بے شرم بھی ہے، کس طرح پٹر پٹر باتیں کر رہی ہے، تیری زبان کھینچ لوں گی۔"
لاجونتی :۔ میں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی، جو پوچھا گیا اس کا جواب دیا،
مہارانی :۔ اگر تو سمجھتی ہے کہ ہردیو تجھے ہم سے چھین لے گا، تو یہ تیرا مغالطہ ہے،
لاجونتی :۔ جب مہاراج خود دے چکے تو چھیننے کی ضرورت کیا ہے؟
مہارانی :۔ (مہاراج سے مخاطب ہو کر) معلوم ہوتا ہے، یہ بھی مسلمان ہو گئی، ہائے بھگوان راج بھون میں ایسے ایسے سانپ

جھکی ہوئی ہیں، ہونٹ لرز رہے ہیں،

وہ یہی سوچ رہی تھی کہ مہاراج نے شفقت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا، اسے بٹھلاتے ہوئے اور خود بیٹھتے ہوئے کہا،

مہاراج :- بیٹی۔ تمہیں معلوم ہے، ہردیو نے کیا کیا؟

لاجونتی :- میں نہیں جانتی، اگر کوئی اچھی بات ہے تو بتائیے، بُری بات ہے تو میں سُننا نہیں چاہتی۔

مہاراج :- اس نے ہمارے مُنہ پر کالک مل دی، اس نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا، اس نے ہماری آن خاک میں ملا دی، ہمیں ذلیل اور رُسوا کر دیا، اس نے ہمیں مُنہ دکھانے کے قابل نہ رکھا، اس نے ہماری ناک کاٹ لی، ــــــ اُف،

لاجونتی :- مہاراج، مہاراج، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ تو ایسے نہ تھے، آپ تو ان کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے؟

مہاراج :- میں غلط نہیں کہتا، تم جانتی ہو، میں اس سے کتنی محبت کرتا تھا، منگل دیو سے بھی زیادہ چاہتا تھا اسے، کئی دفعہ سوچا ولی عہد اسی کو بنا دوں۔

لاجونتی :- ہاں جانتی ہوں مہاراج کون نہیں جانتا یہ باتیں؟

مہاراج :- تم سے زیادہ کون جان سکتا ہے، میں نے اسے اپنا سب سے قیمتی ہیرا بن مانگے سونپ دیا تھا، میں نے اسے لاجونتی بخش دی تھی، مگر آہ، احسان فراموش، کمینہ دغاباز رُوسیاہ!

غصّہ میں تھے،

مہاراج :۔ غصّہ اب بھی ہے، لیکن لاجونتی پر نہیں۔ ہردیو پر وہ اگر سامنے ہوتا تو اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اُڑا دیتا، لیکن لاجونتی کی کوئی خطا نہیں، وہ معصوم ہے، نادان ہے ناواقف ہے، اسے کچھ نہیں معلوم کیا ہو چکا ہے، وہ کچھ نہیں جانتی کیا ہونے والا ہے، وہ الھڑ ہے، نادان ہے،

یہ باتیں سُن کر لاجونتی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، وہ سوچنے لگی، ضرور کوئی اور اہم بات ہے، لیکن وہ کیا ہو سکتی ہے جس ہردیو کو مہاراج اپنی اولاد سے زیادہ چاہتے تھے آج وہ اتنا بڑا گنہگار بن گیا کہ اس کی گردن کاٹنے کو تیار ہیں، جس ہردیو کے ذکر سے محل کا ذرہ ذرہ جگمگایا کرتا تھا، آج اسی محل میں اس پر لعنت اور پھٹکار بھیجی جا رہی ہے، جس ہردیو سے دل میں جلنے کے باوجود یہ مہارانی صاحبہ پریم اور محبّت کا برتاؤ کرتی تھیں، آج اُسے ذلیل اور رسوا کرنے پر تُلی ہوئی ہیں، آخر کیوں؟ کیا وہ ڈاکو ہے؟ قاتل ہے؟ غدّار ہے؟ کیا کیا اس نے؟ کس جرم میں پیٹھ پیچھے اس کی یہ گت بنائی جا رہی ہے؟ آخر اس غصّہ، برہمی اشتعال اور نفرت کا سبب کیا ہے؟ وہ ہوتا تو خود پوچھ لیتا، میں کس طرح پوچھوں؟ کس سے پوچھوں؟ کون بتلائے گا؟ پدمنی بھی سر جھکائے کھڑی ہے، اس کا بدن کانپ رہا ہے۔ آنکھیں

مہاراج :- ہاں وہ مسلمان ہوگیا، اس نے یہاں آنے سے انکار کردیا، وہ اب وہیں رہے گا، مسلمانوں کے دیس میں مسلمانوں کے ملک میں،

لاجونتی :- اب وہ دلّی میں رہیں گے، یہاں کبھی نہ آئیں گے؟

مہاراج :- ہاں اور اس نے مجھے حکم بھیجا ہے کہ میں تم پر اسلام پیش کروں، اگر تم مسلمان ہوجاؤ تو پالکی میں سوار کرکے عزّت اور احترام کے ساتھ کالے کوسوں اس کی سرکار ابد قرار میں دلّی اس کے پاس بھیج دوں، اور اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کردو تو وہ تمہیں اختیار دیتا ہے کہ جس سے چاہو شادی کرلو۔

یہ سنکر لاجونتی کے بدن پر رعشہ طاری ہوگیا، اس کی بڑی بڑی کٹورا سی آنکھوں میں آنسو آگئے، اس کے نرم ونازک ہونٹ لرزنے لگے، ہردیو کے خطوط پڑھ کر اس نے اندازہ کرلیا تھا، کہ وہ ضرور مسلمان ہوجائے گا، لیکن یہ بات اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ اس کا اسلام ایسی آہنی دیوار بن جائے گا جو عاشق ومعشوق کو ایک دوسرے سے ملنے نہ دے گا، اس نے اپنے دل میں فیصلہ کرلیا تھا، ہردیو کے مسلمان ہونے کے بعد بھی وہ اس سے محبت کرتی رہے گی، وہ صرف اسی کی رہے گی، لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ ہردیو مسلمان ہونے کے بعد سب کچھ بھول جائے گا۔

لاجونتی :- (شرماکر) لیکن مہاراج ——

مہاراج :- تم بھی جانتی ہو، میں اسے اپنی اولاد پر بھی ترجیح دیتا تھا، دُنیا میں سب سے زیادہ اسے چاہتا تھا، مہارانی سے کئی دفعہ جھگڑ پڑا، اس کے لئے!

لاجونتی :- وہ خود بھی ہمیشہ مہاراج کے گُن گایا کرتے تھے،

مہاراج :- ہاں، وہ میرے گُن گایا کرتا تھا، اور آج میرا بدترین دُشمن ہے، میرے دُشمنوں کا دوست، میری تباہی کے درپے،

لاجونتی :- کاش یہ باتیں سُننے سے پہلے میں بہری ہوگئی ہوتی لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی، مہاراج!

مہاراج :- تم جیسی نیک دل، سادہ لوح، اور شریف طبیعت لڑکی ایسی ناپاک باتیں سمجھ بھی نہیں سکتی، لیکن واقعہ بہرحال واقعہ ہے، اسے جھٹلانا جھوٹ بولنا ہے،

لاجونتی :- آخر کیا ہوا کچھ معلوم بھی تو ہو،

مہاراج :- اس نے سفارت کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا،

لاجونتی :- (حیرت سے) استعفا دے دیا،

مہاراج :- یہی نہیں کہ استعفا دیدیا بلکہ کم بخت، ننگِ خاندان مسلمان بھی ہوگیا،

لاجونتی :- وہ مسلمان ہوگئے؟ یہ میں کیا سُن رہی ہوں،

باب (۱۹)

گُم صُم!

لاجونتی گم صم بیٹھی تھی۔ مہارانی کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ خود مہاراج اگرچہ بڑی نرمی اور شفقت کا برتاؤ کر رہے تھے لیکن چہرے بشرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا۔ اُن کا غصہ انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ معاملات نے زیادہ سے زیادہ نازک اور خطرناک صورت اختیار کر لی۔ ہر دیو پر کوئی سنگین سے سنگین الزام بھی لگایا جاتا۔ تو وہ اُس کے لئے لڑ سکتی تھی۔ لیکن اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور یہ اتنا بڑا جرم تھا کہ جسے نہ معاف کیا جا سکتا تھا۔ نہ نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ نہ صفائی دی جا سکتی تھی۔

ہر چیز فراموش کر دے گا، کچھ بھی نہ یاد رہے گا اسے، حد یہ ہے کہ وہ اس دُنیا میں مجھے اکیلا اور تنہا، بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔ اس طرح آنکھیں پھیر لے گا، جیسے نہ کبھی کوئی ملاقات تھی نہ جان پہچان نہ راہ و رسم!

اس نے مجھے اس مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ کہ اُس سے نکلنے کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔

مہارانی:۔ اس نے جو کچھ کیا ہے۔ اپنے لئے کیا ہے۔ آپ کو اس سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟

مہاراج:۔ بہرحال ہم دِلّی کے ماتحت ہیں۔ دِلّی کے بادشاہ سے ٹکر نہیں لے سکتے۔ اُسے اپنا دشمن نہیں بنا سکتے۔

مہارانی:۔ تو کون کہتا ہے ایسا کیجئے۔

مہاراج:۔ ہردیو ——— اس کمبخت نے یہ نازک صورتِ حالات پیدا کر دی۔ اگر اُس کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتا ہوں تو نہ جانے دِلّی کے بادشاہ سے کیسی لگائی بجھائی کرے۔ اور اُسے میرا دشمن بنا دے۔ اور اگر کچھ نہیں کرتا۔ تو میرا دھرم مجھے ملامت کرتا رہے گا۔ ایک طرف کھائی ہے۔ ایک طرف خندق ——— بتاؤ کیا کروں؟

مہارانی:۔ دھرم سب سے بالا ہے!

مہاراج:۔ میرا بھی یہ خیال ہے۔ لیکن انسان بے بس ہو جائے تو اُسے ایسی باتیں بھی کرنا پڑتی ہیں۔ جو اُس کے ضمیر اور دھرم کے خلاف ہوتی ہیں۔ میں اگر آج خاموش ہوں تو صرف اسی لئے!

مہارانی:۔ آپ کی خاموشی نے ہردیو کو شہ دی۔ ورنہ نوبت

سچّی بات یہ ہے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ لاجونتی کو ہر دیو کی جو بات ناگوار گزری تھی۔ وہ یہی تھی۔ اُسے بار بار ہر دیو پر غصّہ آتا تھا۔ کہ آخر اُس نے اپنا دھرم کیوں چھوڑ دیا۔ دوسروں کے اچھّے ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں۔ کہ ہم بُرے ہیں۔ ہماری سب سے بڑی اچھائی یہ ہے کہ ہم دوسروں کی اچھائی تسلیم کریں۔ ہر دیو کو اگر اسلام میں اور مسلمانوں میں کچھ خوبیاں نظر آئی تھیں۔ تو وہ انھیں پسند کرتا رہتا لیکن اپنا دھرم چھوڑ کر اُن میں جا ملنے کی کیا ضرورت تھی۔

اس اعتراض و شکایت کے باوجود جب وہ اپنے دل کو ٹٹولتی تھی۔ تو محسوس کرتی تھی۔ کہ کچھ بھی ہو اُس سے ترکِ تعلق نہیں کیا جا سکتا۔ اُس سے نفرت نہیں کی جا سکتی۔

وہ اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھی: کہ مہارانی نے مہاراج سے کہا۔

کاش اُس نے یہاں آکر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا ہوتا۔

مہاراج نے جواب دیا۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو واقعی مجھے بڑی خوشی ہوتی۔

مہارانی۔ کیا کرتے آپ؟ کیا اُسے گلے سے لگا لیتے۔

مہاراج۔ نہیں میں اُس کی جان لے لیتا۔

مہارانی۔ بہرحال جو ہونا تھا۔ ہو چکا۔ یہ بتایئے اب کیا کیا جائے؟

مہاراج۔ میری عقل حیران ہے۔ قوّتِ فیصلہ عاجز ہو چکی ہے۔

باب (۲۰)

تھوڑی دیر کے بعد مجلس برخاست ہوگئی۔ مہاراج اپنے رنواس کی بارہ دری میں جاکر بیٹھ گئے۔ مہارانی اپنے محل کی طرف چلی گئیں۔ لاجونتی اپنے کمرے میں آگئی۔ پیچھے پیچھے پدمنی بھی پہنچی۔ اور وہ لاجونتی کے گلے سے لگ کر رونے لگی۔ لاجونتی کی آنکھوں میں بھی آنسو بھرے ہوئے تھے۔ پدمنی نے روتے ہوئے کہا۔

یہ میں کیا سُن رہی ہوں۔ یہ کیا ہوگیا۔

لاجونتی نے جواب دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔

یہاں تک نہ پہنچتی -

مہاراج :-
میرا دماغ مختل اور پریشان ہو رہا ہے -مجھے سوچنے دو.
غور کرنے دو - کسی نتیجے پر پہنچنے دو -

پدمنی:
میری عقل خود حیران ہے۔ راج کمار ہردیو نے سینے پر یہ ایسا گھونسا مارا ہے کہ شاید اس کی چوٹ جان ہی لے لی گی۔

لاجونتی:
خت جانوں کو موت بھی آسانی سے نہیں آتی۔

پدمنی:
مریں تمہارے دشمن

لاجونتی
میرا کوئی دشمن نہیں۔ میں کسی کا برا نہیں چاہتی۔

پدمنی
یہ کہو۔ تم کسی کی دشمن نہیں ہو۔ لیکن تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ یہ میں کیسے مان لوں۔ اپنی آنکھیں کس طرح بند کر لوں۔ اپنے کان کس طرح بہرے کر لوں۔ اپنا دماغ کس طرح ماؤف کر لوں۔ مجھے سب معلوم ہے۔ محل میں کیا ہو رہا ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں۔ کہ کیا ہونے والا ہے۔

لاجونتی
(سہم کر) کیا ہونے والا ہے۔ بتا مجھے کیا معلوم ہے۔

پدمنی
میری زبان کیوں کھلواتی ہو۔ جو کچھ ہونے والا ہے۔ خود ہی معلوم

معلوم ہوتا ہے۔ کوئی جنم میں بڑا پاپ مجھ سے سرزد ہوا تھا۔
بھگوان اسی کی سزا دے رہے ہیں۔

پدمنی:-
یہ نہ کہو۔ جہاں لاجونتی کا نام آجائے۔ وہاں پاپ ٹھہر نہیں سکتا۔
لاجونتی اور پاپ میں بیر ہے۔ یہ دونوں کبھی نہیں مل سکتے۔
جیسے آگ اور پانی میں ملاپ نہیں ہو سکتا۔

لاجونتی:-
اگر ایسا ہوتا۔ تو مجھے اتنی بڑی سزا نہ ملتی۔ تو نہیں جانتی
میرے دل پر کیا گزر رہی ہے۔

پدمنی:-
جانتی ہوں۔ نہ جانتی ہوتی۔ تو میری آنکھوں سے آنسوؤں
کی برکھا نہ شروع ہوتی۔

لاجونتی:-
رونے سے کیا فائدہ۔ جو ہونا تھا۔ ہو چکا۔ اب نہ تو کچھ کر سکتی
ہے۔ نہ میں۔

پدمنی:-
لیکن ہمت ہارنے سے بھی کام نہیں چلے گا۔

لاجونتی:-
تو پھر کیا کروں۔ تو ہی کچھ بتا۔

لاجونتی

کیا سُنا ہے۔ تم نے۔ بتاتی کیوں نہیں۔

پدمنی

بتا تو چکی ہوں۔ تم یقین کب کرتی ہو۔ میری بات کا۔

لاجونتی

یونہی اُڑتی ہوئی خبر سُنی ہوگی تو نے۔

پدمنی

کیا کہتی ہو راج کماری؟ میں نے اپنے کانوں سے مہارانی کو بھگوان سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ لاجونتی تیری ہے۔ تجھی کو ہی ملے گی۔

لاجونتی

(ایک عزم کے ساتھ) یہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک لاجونتی زندہ ہے۔ ہر دیو کے سوا کوئی اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔

پدمنی

کیا تم اب بھی انہیں چاہتی ہو۔

لاجونتی

ہاں چاہتی ہوں۔ انہیں چاہنے پر مجبور ہوں۔ وہ میرے جیون ہیں وہ میری آتما ہیں۔ وہ میری آشا ہیں۔

پدمنی

لیکن وہ تو مسلمان ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنا دھرم بدل دیا۔ وہ

ہوجائے گا۔

لاجونتی:۔
(اور زیادہ پریشان ہوکر) ساری دنیا میں ایک تو ایسی ہے۔ جسے میں
اپنا سمجھتی ہوں۔ اب تو۔ ذیبی، دل جلا نے والی باتیں شروع کردی ہیں
______ نہیں بتائے گی۔

پدمنی:۔
ویسے ہی تم کون سی خوش ہو کہ دل جلانے والی باتیں سنا کر۔ تمہارے
لئے اور زیادہ کڑھنے کا سامان پیدا کروں۔

لاجونتی:۔
تو اس کی پرواہ نہ کر۔ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ کیا ہونے والا
ہے۔ میں اس کی تیاری کروں گی۔ مقابلہ کروں گی۔ میں نے ہار
ماننا نہیں سیکھا۔

پدمنی
میں نے سُنا ہے۔ بہت جلد تمہاری شادی ہوجائے گی۔

لاجونتی
تو نے غلط سُنا۔ مہاراج راج کمار ہردیو سے خفا ہیں۔ مجھ سے نہیں
وہ مجھ پر ظلم نہیں کر سکتے۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں کر سکتے۔ جو مجھے
ناگوار اور ناپسند ہو۔

پدمنی:۔ میں نے اپنے کانوں سے جو کچھ سُنا ہے۔ وہ تو کچھ اور ہی سُنا ہے۔

لاجونتی:-
اس سے کیا ہوتا ہے۔ انسان کی مجبوریاں اس کے ساتھ ہیں۔

پدمنی:-
اس کے معنی یہ ہیں۔ وہ اب بھی تم سے محبت کرتے ہیں۔

لاجونتی:-
ہاں اور کرتے رہیں گے۔

پدمنی:-
ہوگا ــــــــ ہماری سمجھ میں تو یہ باتیں نہیں آتیں۔

لاجونتی:-
تو نادان ہے ــــــــ پگلی محبت ایک ہی دفعہ کی جاتی ہے۔ بار بار نہیں کی جاتی۔ جانتی ہے۔ بار بار کیوں نہیں کی جاتی۔

پدمنی:-
نہیں میں نہیں جانتی۔ بتا دو۔

لاجونتی:-
اس لئے کہ محبت جس دل میں اپنا گھر بنا تی ہے۔ پھر وہاں سے کبھی نہیں نکلتی۔ لوگ کہتے ہیں۔ عورت ایک ہی مرتبہ محبت کرتی ہے۔ میں کہتی ہوں عورت ہو یا مرد کوئی بھی ایک دفعہ سے زیادہ محبت نہیں کر سکتا۔ ہماری محبت امر ہے۔ اٹل ہے۔

پدمنی:- کاش ایسا ہی ہوتا۔

اب غیر ہو گئے۔ ہمارا اُن سے کیا ناتا رہا۔

لاجونتی:-
یہ نہ کہہ ۔ کچھ بھی ہو۔ ہردیو اس دل میں بسے ہیں۔ وہ نہیں نکل سکتے۔

پدمنی:
آخر اُن میں ایسے کون سے لعل لگے ہیں۔

لاجونتی:-
تو نہیں جانتی۔ جان ہی نہیں سکتی۔

پدمنی:-
واقعی مجھے تمہاری محبّت کا اتنا اندازہ نہ تھا۔

لاجونتی:-
محبّت محبّت ہے۔

پدمنی:-
جانتی ہوں لیکن اب تو ایسا دیکھ رہی ہوں کہ تالی کبھی کبھی ایک ہاتھ سے بھی بجتی ہے۔

لاجونتی:-
یہ بھی غلط ہے۔ وہ مجھ سے محبّت کرتے ہیں۔ وہ بھی اپنے دل سے میری محبت نہیں نکال سکتے۔

پدمنی:-
جب ہی تو دلّی میں بیٹھ کر چٹھی گھسیٹ ماری

یہ تم اس کے لئے کہہ رہی ہو۔ جو کل تمہارا سرتاج بننے والا ہے۔

لاجونتی:-

اب اگر تو نے ایسی بات کہی۔ تو میں تیرا منہ نہ دیکھوں گی۔

پدمنی:-

کیا انکار کردو گی؟

لاجونتی:-

انکار کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ مہاراج میری حفاظت کریں گے۔

پدمنی:-

(مسکرا کر) بھگوان سے؟

لاجونتی:-

ہاں، بھگوان سے۔ نہیں وہ بھگوان نہیں ہے۔ راکشس ہے۔ اب کبھی اس کا نام میرے سامنے نہ لینا۔

پدمنی:-

کیا یہی بات تم مہارانی سے بھی کہہ سکو گی؟

لاجونتی:-

ضرور کہہ سکوں گی۔ مجھ میں اتنی ہمت ہے۔

پدمنی:-

اور اگر مہاراج ہی مہارانی کی بولی بولنے لگے۔ تب کیا کرو گی؟

لاجونتی :-
تجھے شک ہے کچھ۔

پدمنی :-
تمہاری طرف سے تو نہیں۔ راج کمار کی طرف سے ضرور ہے۔

لاجونتی :-
اس لئے کہ تو انھیں اب تک پہچان ہی نہیں سکی۔ وہ بڑے اچھے ہیں وہ کوئی غلط بات کر ہی نہیں سکتے۔

پدمنی :-
ہاں مسلمان ہو کر انھوں نے بڑا اچھا کام کیا۔

لاجونتی :-
اچھا کیا یا بُرا۔ مجھے تو اُن میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ میرے دل پر جس طرح وہ پہلے حکومت کرتے تھے۔ اب بھی کرتے ہیں۔ اور زندگی بھر کرتے رہیں گے

پدمنی :-
اور بھگوان ؟

لاجونتی :-
اس کا نام میرے سامنے نہ لو۔ وہ بُزدل ہے۔ پست ہمت ہے۔ دون فطرت ہے۔ ذلیل اور کمینہ شخص ہے۔

پدمنی :-

باب (۲۱)

ہائے بھگوان!

پدمنی اور لاجونتی کی بات چیت ختم ہو گئی - پدمنی اپنے کام سے ادھر ادھر چلی گئی - اور لاجونتی بیٹھ کر سوچنے لگی - اگر واقعی پدمنی کا کہا سچ ثابت ہوا - تو کیا ہو گا ——————— ؟

وہ یہی سوچ رہی تھی - کہ کسی کے پاؤں کی آہٹ سُنائی دی - سر اٹھا کر دیکھا - تو بھگوان کھڑا مسکرا رہا تھا - اُسے دیکھ کر لاجونتی لرز گئی - اُس کا دل زور زور سے

لاجونتی:۔

ایسا نہیں ہو سکتا۔ مہاراج مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ وہ بڑے سچے اور کھرے آدمی ہیں۔

پدمنی:۔

میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں۔ تم اُسے نہیں دیکھ سکتیں مجھے تم پر ترس آتا ہے۔

لاجونتی:۔

میں یہ نہیں چاہتی۔ میرے اوپر کوئی ترس کھائے۔ فرض کیا تمھاری بات ٹھیک ہے۔ مہاراج نے مہارانی کا ساتھ دیا اور مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ تو میں بھگت لوں گی۔ نپٹ لوں گی۔

پدمنی:۔

میں نے تم سے یہ بات اس لئے کہہ دی کہ میں جانتی ہوں۔ تم راج کمار سے نفرت نہیں کر سکتیں۔ بھگوان سے محبت نہیں کر سکتیں۔ اور بہت جلد وہ دن آنے والا ہے۔ جب تم مجبور ہو جاؤ گی۔ کہ ہر دیو سے نفرت کرو۔ اور بھگوان کو اپنا مالک اور آقا تسلیم کر لو۔ اپنا سرتاج مان لو۔

لاجونتی:۔

اگر ایسا ہوا تو تم لاجونتی کو زندہ نہ پاؤ گی۔ وہ اپنی آن کے لئے مر بھی سکتی ہے۔ زندگی اسے آن سے زیادہ عزیز نہیں۔

تم تو خفا ہوگئیں ۔ میں تو تم کو تسلی دینے آیا تھا۔اور
تم مجھ سے لڑ رہی ہو۔

لاجونتی :-
کون سا ایسا غم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹا ہے ۔ کہ آپ تسلی
دینے تشریف لائے ہیں ۔

بھگوان :-
کیا تمھیں اس کا صدمہ نہیں ہے۔ کہ ہردیو ہندو نہیں
رہا۔ مسلمان ہوگیا ہے۔

لاجونتی :-
ہے۔ مگر اتنا ہی ۔ جتنا آپ کو ہوگا ۔ مگر میں تو تسلی
دینے آپ کی خدمت میں نہیں حاضر ہوئی ۔ آپ کیوں
تشریف لے آئے ۔

بھگوان :-
کیا تمہیں اس کا غم نہیں ہے کہ تمھارے اور ہردیو
کے درمیان ایک ایسی خلیج حائل ہوگئی ۔ جسے کوئی
نہیں پاٹ سکتا۔

لاجونتی :-
اس خلیج کا علم آپ کو کیسے ہوا ؟

دھڑکنے لگا ۔ اس کا جی چاہا۔ کہ سینہ پر پاؤں رکھ کر بھاگ جائے ۔ یہاں سے اور کسی ایسے کونے میں روپوش ہوجائے کہ بھگوان اُسے نہ دیکھ پائے۔ نہ پہنچ پائے۔ اس تک اس کا سراغ بھی نہ لگا سکے۔ لیکن وہ سامنے کھڑا تھا ۔ اور لاجونتی میں اتنی سکت نہ تھی کہ اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دے اور یا اسے یہیں رہنے دے۔ اور خود کہیں چلی جائے ۔

بھگوان نے گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے کہا ۔

تم بہت پریشان ہو ۔ اور سراسیمہ نظر آرہی ہو ۔

لاجونتی نے کہا

نہیں ۔ ایسی کوئی بات نہیں !

بھگوان :۔

مجھے اپنا ہمدرد سمجھو ۔ مجھ سے نہ چھپاؤ ۔ بتاؤ کیا بات ہے ۔

لاجونتی :۔

(برہمی کے ساتھ) اول تو ایسی کوئی بات ہے نہیں ۔ اور اگر ہے بھی تو آپ کو کیوں بتاؤں ۔ آپ میرے کون ہوتے ہیں۔ آپ کو مجھ سے ہمدردی کرنے کا کوئی حق نہیں ۔

بھگوان :۔

لاجونتی :-
بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں ۔
بھگوان :-
پھر بھی طرزِ عمل اتنا دل خراش ۔
لاجونتی :-
دل خراش نہ کہیئے ۔ صاف اور کھرا کہیئے ۔ میں لگی لپٹی رکھنے کی قائل نہیں ہوں ۔ میری زبان اور دل میں کوئی مغائرت نہیں ۔
بھگوان :-
یہ تو بڑی اچھی بات ہے ۔ اور سچ پوچھو کہ تمھاری جو باتیں غیر معمولی طور پر مجھے پسند ہیں ۔ ان میں ایک یہی بے لاگ اور کھرا طرزِ عمل بھی ہے ۔ لیکن معاف کرنا ۔ اس وقت تو میرے لئے یہ چیز بلائے جان بن گئی ہے ۔ کم از کم اپنے طرزِ عمل میں اتنی لچک تو پیدا کر لو ۔ کہ محبت کرنے والوں کے دل نہ ٹوٹنے پائیں ۔
لاجونتی :-
کیا آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں ؟
بھگوان :-
ہاں ، گلے پر چھری رکھ دو ۔ تو بھی انکار نہیں کرونگا

بھگوان :-
کیا ایک ہندو عورت اور ایک مسلمان مرد کے درمیان ناقابل عبور خلیج حائل نہیں ہوتی -

لاجونتی :-
(سٹ پٹاکر) ہوتی ہوگی - میں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا -

بھگوان :-
لیکن اب تو کرنا پڑے گا -

لاجونتی :-
کروں گی - لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا - کہ اس معاملہ سے آپ اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں ؟

بھگوان :-
اس لئے کہ اس سے میرا مفاد وابستہ ہے - میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد وابستہ ہے -

لاجونتی :-
میری سمجھ میں نہیں آتا - آپ ایسی بہکی بہکی باتیں کیوں کرتے ہیں ؟

بھگوان :-
مجھے افسوس ہے - تم مجھے اب تک نہیں سمجھ سکیں -

کے سامنے ہار مان لی تھی۔ لیکن آج وہ شکست خوردہ ہے۔ اور میں فاتح۔ وہ اب تمھاری جھلک بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اور میں تمھارے پاس کھڑا ہوں۔ واقعات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کر سکتی ہو۔ تو کر دو۔

لاجونتی:-

کتنا اچھا ہوتا۔ اگر آپ یہ باتیں میری بجائے ہر دیو سے کرتے۔

بھگوان:-

کیا تم سمجھتی ہو۔ میں اُس سے ڈرتا ہوں؟

لاجونتی:-

صرف میں ہی نہیں ساری دنیا یہی سمجھتی ہے۔

بھگوان:-

تم بھی بے وقوف ہو اور ساری دنیا بھی۔ میں ایک فاتح ہوں۔ میں نے تمھیں فتح کر لیا۔ اور میرا سب سے بڑا دشمن میرے راستے سے ہٹ گیا۔ نہیں نہیں۔ ہٹا نہیں میں نے اسے ہٹا دیا۔

لاجونتی:-

شیر جب سامنے نہیں ہوتا۔ تو لومڑی بھی اپنے آپ کو شیر سمجھنے لگتی ہے۔

مرتے مرتے بھی میرے منہ سے بھی یہی بول نکلیں گے۔

لاجونتی:-
کیا آپ راج کمار ہردیو کے سامنے میری محبت سے دست بردار نہیں ہو چکے

بھگوان:-
(بگڑ کر) کون کہتا ہے۔ یہ سب بکواس ہے۔

لاجونتی:-
اگر آپ سچ کو جھوٹ کہنے پر تُل گئے ہیں۔ تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ لیکن اگر آپ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر محسوس کریں ۔۔ میں غلط نہیں کہتی ۔ مجھے معلوم ہے ۔کس بزدلی کے ساتھ میرے بارے میں راج کمار ہردیو سے آپ نے ہار مان لی تھی۔

بھگوان:-
چلو مان لی تھی ۔ پھر ۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

انسان ہر وقت ایک حالت میں نہیں رہتا ۔ کبھی ہارتا ہے کبھی جیتتا ہے ۔ جیت کے بعد ہار ، ہار کے بعد جیت ہی اس دُنیا کی ریت ۔ مان لو ۔ میں نے ہردیو

لاجونتی :-

زبردستی ہے کچھ ؟

بھگوان :-

یہی سمجھ لو۔

لاجونتی :-

کیوں سمجھ لوں۔ میں نے کسی کی زبردستی کے سامنے آج تک سر نہیں جھکایا۔ اور جب تک زندہ ہوں۔ جُھکا بھی نہیں سکتی۔

بھگوان :-

یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ ایک ہندو عورت اپنے شوہر کا احترام کرنے پر مجبور ہے۔ اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان بہت جلد یہ رشتہ قائم ہونے والا ہے۔

لاجونتی :-

مُنہ دھو رکھیے۔ ؎

این خیال است و محال است و جنوں

بھگوان :-

بس تم سے یہی کہنے آیا تھا۔

لاجونتی :-

بھگوان:-
کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ میں لومڑی ہوں اور وہ بھگوڑا جو دلّی میں چوہے کی طرح کہیں دُبکا پڑا ہے۔ شیر ہے۔

لاجونتی:-
میرا یہی خیال ہے۔

بھگوان:-
تم میری توہین کر رہی ہو۔ اور میں سب کچھ برداشت کرسکتا ہوں۔ مگر اپنی توہین نہیں برداشت کرسکتا۔ کسی قیمت پر بھی نہیں۔

لاجونتی:-
تو پھر یہاں سے تشریف لے جائیے۔ یہاں اگر آئیں گے۔ تو اسی طرح کی باتیں سُننا پڑیں گی۔

بھگوان:-
یہ کیوں؟

لاجونتی:-
"جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں"

بھگوان:-
میں یہاں آؤں گا۔ اور تمھیں میری پذیرائی کرنا پڑے گی۔

میرے صبر اور ضبط کا زیادہ امتحان نہ لو

لاجونتی:-

ورنہ اندیشہ ہے۔ کہ آپ فیل ہو جائیں گے۔ یہی بات ہے نا؟

بھگوان:-

ہاں، یہی بات ہے۔ واقعی کبھی میں قابو سے باہر ہو جاؤں گا۔ میرا غصّہ بڑا بے پناہ ہوتا ہے۔ دشمن بھی میرے غصّے سے کانپتے ہیں۔

لاجونتی:-

جب آپ ایک کمزور عورت کو نہ ڈرا سکے۔ تو پھر دشمنوں کو کیا ڈرائیں گے۔ جائیے جائیے اپنی بہادری کا۔ اور رعب و داب کا سکّہ کسی اور پہ بٹھا دیجئے گا۔ یہاں آپ کی دال نہیں گل سکتی۔ یہ باتیں کسی اور کے سامنے کیجئے۔

بھگوان:-

میں جانتا ہوں۔ لیکن بہت جلد پھر واپس آؤں گا۔ آج میری حیثیت کچھ اور ہے۔ اور اس وقت کچھ اور ہوگی۔ اور مجھے یقین ہے۔ کہ جب تک تم نے یہ سیکھ لیا ہوگا۔ کہ میرے ساتھ تمھیں کس طرح گفتگو کرنی چاہیئے۔

مجھے بھی جو کچھ کہنا تھا۔ میں نے کہہ دیا۔ آپ ٹھنڈے
ٹھنڈے ٹھنڈے تشریف لے جایئے۔ بھلا اسی
میں ہے۔

بھگوان :۔

تم ۔ مجھے دھمکی دیتی ہو؟

لاجونتی :۔

آخر آپ اپنے بارے میں کس غلط فہمی کا شکار ہیں۔
دھمکی کیا چیز ہے۔ اگر آپ سیدھے سے چلے نہ گئے
تو آپ کو یہاں سے نکلنا پڑے گا۔

بھگوان :۔

(بہت زیادہ غُصّے کے ساتھ) لاجونتی ——————

لاجونتی :۔

آپ کتنے ہی زور سے چیخنے کی کوشش کریں۔ لیکن
آپ کی آواز سے وہ کڑک اور گرج پیدا نہیں ہو سکتی۔
جو بہادر اور شجاع لوگوں کی آواز میں ہوتی ہے۔
اُسے سن کر لوگ ڈر جاتے ہیں۔ اور آپ کی
بے ہنگم آواز سماعت پر بار تو ہوتی ہے۔ لیکن
اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

بھگوان :۔

باب (۲۲)

اُبال!

آج پھر لاجونتی کے کمرے میں پیکرِ جلال بنے ہوئے مہاراج رونق افروز تھے۔ مہارانی اُن کے ساتھ تھیں۔ اور غصّے سے اُن کا چہرہ بھی گُلنار ہو رہا تھا۔

ان دونوں کو اس حالت میں دیکھ کر لاجونتی گھبرا گئی۔ اس نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا۔ کہ ضرور کوئی خاص بات ہے۔ ضرور کوئی تازہ آفت نازل ہونے والی ہے۔ وہ مہاراج کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔ مہاراج نے شیر کی طرح گرجتے ہوئے کہا۔

لاجونتی :-

بہت اچھا ——— اس وقت تو آپ تشریف لے جائیے۔ اگر پھر آپ آسکے۔ تو میں سوچ لوں گی۔ آپ سے کس زبان میں گفتگو کی جائے۔

بھگوان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ برہمی کے عالم میں کمرے سے نکلا چلا گیا۔

مجھ سے خفا ہوں۔

مہاراج:
نہیں۔ میں تم سے خفا نہیں ہوں۔ خفا اس نالائق اور ننگ خاندان ہردیو سنگھ سے ہوں۔ جس نے لٹیا ڈبو دی۔ جس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ جس نے میرے منہ پر ایسی سیاہی ملی۔ کہ اب وہ گنگا جل سے بھی نہیں دھل سکتی۔

لاجونتی:
باقی ہوں مہاراج۔ آپ کو اُن کے طرزِ عمل سے بڑی تکلیف پہنچی ہے۔

مہاراج:
سچ کہتی ہے بیٹی ـــــــ وہ مجھے زہر دے دیتا۔ قتل کر دیتا۔ بغاوت کر کے میرے تخت حکومت پر قبضہ کر لیتا۔ تو بھی مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ مسلمان ہو کر اُس نے مجھے رُوسیاہ کر دیا۔ کاش وہ دلی جانے سے پہلے مر گیا ہوتا۔ تو مجھے یہ داغ نہ دیکھنا پڑتا۔

لاجونتی:
سچ کہتے ہیں۔ واقعی آپ کو بڑا دُکھ ہوا۔ جب آپ کے دُکھ کا خیال کرتی ہوں تو میرا دل رونے لگتا ہے۔

پانی سر سے اُونچا ہو چکا۔

لاجونتی نے پوچھا

کیا بات ہوئی مہاراج ؟

مہاراج نے خشمناک لہجے میں جواب دیا

توہین ۔ تذلیل ۔ رُسوائی ———— تیرے کارن

یہ دن دیکھنے پڑے ہیں ہیں۔

لاجونتی :-

میں نے تو کوئی خطا نہیں کی مہاراج !

مہاراج :-

تیرا وجود خطا ہے :

لاجونتی :-

تو جو تلوار آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی سے میری گردن اُڑا دیجئے۔ آپ کے ہاتھوں مرنا بھی میری سب سے بڑی سعادت ہے۔

مہاراج کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُنھوں نے لرزتی ہوئی اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا

میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ تم پر ظلم نہیں کر سکتا۔

لاجونتی نے روہانسی آواز میں کہا :

کیا مجھ پر اس سے بڑا بھی ظلم ہو سکتا ہے۔ کہ آپ

بندۂ فرمان ہوں - جو وہ کہے گا۔ کروں گا۔ لیکن وہ نہیں جانتا اپنی آن پر میں جان دے سکتا ہوں ۔ میں ٹوٹ سکتا ہوں ۔ لچک نہیں سکتا ۔

لاجونتی :- آخر اب کی کیا بات لکھی ہے ؟

مہاراج :- وہ مجھے حکم دے رہا ہے ۔ کہ میں تمھیں اس کی خدمت میں روانہ کر دوں ۔

لاجونتی :- آپ پر کون حکم چلا سکتا ہے ۔

مہاراج :- کوئی نہیں ۔ سوا ہر دیو کے ۔ وہی اس غلط فہمی میں مبتلا ہے ۔

لاجونتی :- اُن کی یہ غلط فہمی رفع ہو جائے گی ۔

مہاراج :- ضرور رفع ہو گی ۔ میں بوڑھا ہوں ۔ لیکن میرا حوصلہ جوانوں کی طرح ہے ۔ میری تلوار کُند نہیں ہوئی ۔ اس کی دھار اب بھی اتنی ہی تیز ہے ۔ جتنی پہلے

مہاراج

:- یہ تیری محبت ہے۔ ذرا غور تو کر۔ جسے میں نے اولاد سے زیادہ چاہا۔ وہ میرا سب سے بڑا دشمن ثابت ہوا۔ وہ مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔ وہ اتنی دور بیٹھا ہوا میرے ناک کاٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔

لاجونتی :-

نہ جانے انھیں کیا ہو گیا ہے؟

مہاراج :-

شاید تجھے نہیں معلوم۔ اس کا پھر ایک خط آیا ہے۔

لاجونتی :-

پھر خط آیا ہے۔ نہ جانے کیا کیا لکھا ہوگا۔ اس نے

مہاراج :

وہی بے سرو پا باتیں۔

لاجونتی :

آخر کیا لکھا ہے انھوں نے۔

مہاراج :-

وہ دلی کے بادشاہ سے مل گیا ہے۔ میرے خلاف نہ جانے کیسی کیسی سازشیں کر رہا ہے۔ وہ سمجھتا ہے۔ میں اس کا

(۲۳)

باب

اے موت تو کہاں ہے؟

بم کے گولے کی طرح مہاراج کے الفاظ لاجونتی کے دل و دماغ پر گرے تھے، اور وہ اپنے آپ کو ایک عجیب پوزیشن میں محسوس کر رہی تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اس صورت حال کا مقابلہ کیوں کر اور کس طرح کرے؟ کر بھی سکے گی یا نہیں۔ ایک عجیب یاس انگیز کیفیت طاری تھی، اس کے چہرہ کا ایک رنگ آتا تھا، ایک جاتا تھا، وہ سخت پریشان تھی، اس کی قوتِ فکر سلب ہو گئی تھی۔ دفعتاً مہارانی نے قفلِ سکوت توڑا۔ انہوں نے طنز کے ساتھ پوچھا:-

بھئی - بے شک میں بوڑھا ہوں - لیکن میرے دم خم میں کوئی فرق نہیں آیا - میں ہر طرح کی لڑائی لڑ سکتا ہوں - تلوار کی بھی اور تدبیر کی بھی - اور پھر یہ ہر دیو محسوس کرے گا - کہ مجھ سے اُلجھ کر اُس نے اپنی زندگی برباد کر لی -

لاجونتی :۔ جی ارشاد،

مہاراج :۔ کیا تم مسلمان ہونا چاہتی ہو ؟

لاجونتی :۔ آپ میرا ایمان (توہین) نہ کیجئے مہاراج، میں اگر مسلمان ہونا چاہوں تو آپ بھی نہیں روک سکتے، بھلا دل پر بھی کوئی پہرہ بٹھا سکتا ہے ؟

مہاراج :۔ شاباش شاباش تم نے وہی کہا جو تمہیں کہنا چاہیئے تھا، اب ایک بات اور پوچھیں گے تم سے، اُمید ہے اس کا بھی صاف صاف، اور سچا سچا جواب دے دو گی؟

لاجونتی :۔ میں جواب دوں گی پوچھئے،

مہاراج :۔ ہم ہر دیو کو جواب لکھ رہے ہیں، نہ لاجونتی مسلمان ہو سکتی ہے نہ تمہیں مل سکتی ہے، تم اس کا خیال چھوڑ دو، بھول جاؤ اسے، ہمارے اس جواب سے تمہیں اختلاف تو نہیں ؟

لاجونتی :۔ مہاراج کے مُنہ سے جو بات نکلتی ہے وہ پوری ہوتی ہے کون انکار کر سکتا ہے اس کی تعمیل سے ؟

مہاراج :۔ شاباش شاباش، اس لئے تو ہم لاجونتی بیٹی سے اتنی محبت کرتے ہیں، اچھا بیٹی ایک بات اور ہے۔ اس کا جواب دے کر بھی ہمیں مطمئن کر دو!

لاجونتی :۔ فرمایئے اب کیا پوچھ رہے ہیں آپ ؟

"بتاؤ دلی جاؤ گی یا یہاں رہو گی؟ جیسا کہو ویسا انتظام کر دیا جائے۔"

لاجونتی نے کوئی جواب نہیں دیا وہ تصویر حیرت کی طرح خاموش رہی ——— لیکن مہارانی کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی، وہ اس سے سوال پر سوال اور جرح پر جرح کئے جا رہی تھیں، انہوں نے کہا:-

مہارانی:- اس طرح خاموش رہنے سے کام نہیں چلے گا، تمہیں جواب دینا پڑے گا، بتاؤ کیا چاہتی ہو؟ کچھ تو کہو۔ کچھ تو بولو۔

لاجونتی اب بھی خاموش تھی، اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

مہاراج:- بیٹی ہماری باتوں کا جواب دو، ہم سے بات کرو۔ آخر تم بولتی کیوں نہیں؟

لاجونتی:- جی فرمایئے، آپ جو کچھ پوچھیں گے میں اس کا جواب دوں گی،

مہاراج:- کیا ہردیو کی یہ حرکت تمہیں پسند آئی،

لاجونتی:- شاید وہ خود بھی اگر غور کریں تو اپنی اس حرکت پر نادم و شرمسار ہوں گے، اس سے بڑھ کر پاپ کیا ہو سکتا ہے، کہ ایک ہندو مسلمان ہو جائے؟ ضرور ایک دن وہ پچھتائیں گے۔

مہاراج:- شاباش ہمیں تم سے اسی جواب کی توقع تھی، اچھا بیٹی ایک بات تو بتاؤ؟

مایوسی کی باتیں کیوں کرتی ہو؟ بیٹی تمہارا ابھی سن ہی کیا ہے؟
تم نے ابھی دیکھا کیا ہے ؟ تمہاری زندگی شروع کب ہوئی
تھی کہ ختم ہو، وہ تو اب شروع ہوگی، نہایت شاندار طور پر،

لاجونتی :۔ مُرجھانے کے بعد پھول پھر کبھی نہیں کھلتا ،

مہاراج :۔ پھول تو ابھی کِھلا ہے بیٹی، مُرجھایا کب ؟ بھگوان نے
چاہا تو وہ کبھی نہیں مُرجھائے گا، ہمیشہ تروتازہ رہے گا،
اس کی مہک سے یہ دیس اور اس دیس کے باغ وچمن ہمیشہ
مُعطّر رہیں گے، ایسی باتیں نہ کرو یہ ناسمجھی کی باتیں ہیں، ان سے
ہمیں تکلیف ہوتی ہے، ہمارا دل دُکھتا ہے،

لاجونتی :۔ اچھّا اب کچھ نہ کہوں گی، خاموش ہوئی جاتی ہوں،

مہاراج :۔ ہماری خاطر اور ہمارے لحاظ سے نہیں قائل ہوکر،

مہارانی :۔ ہم نے بھگوان کو خط لکھ دیا ہے، وہ چند روز میں
بڑی دُھوم دھام سے برات لے کر آئے گا، اور تمہیں بیاہ
لے جائے گا، یہ ہمارا اٹل فیصلہ ہے،

مہاراج :۔ بیٹی تم بھگوان کو نہیں جانتیں، ہم جانتے ہیں، وہ بہادر
ہے، دلیر ہے، جیالا ہے، تلوار کا دھنی ہے۔ سُورما اور
ساونت ہے، خوبصورت اور طرحدار ہے، من موہن اور
بانکا سجیلا جوان ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک بہت
بڑی ریاست کا ولی عہد ہے، اس میں وہ تمام خوبیاں

مہاراج :- بھگوان کی کرپا سے تم جوان ہو چکی ہو، کلی جب پھول بن جاتی ہے، تو شاخ سے توڑ کر کوئی ہار میں گوندھ لیتا ہے، کوئی تاج میں لگاتا ہے، کوئی دستار کی زینت بنا لیتا ہے، اب تم پھول بن چکی ہو، شاخ تمہارا بوجھ نہیں سنبھال سکتی، وقت آگیا ہے کہ اس پھول کو ———

"کوئی دستار میں رکھے کوئی زیبِ گلو کر لے"

لاجونتی :- مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں مہاراج کے لئے بوجھ بن گئی ہوں! یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں بھر آئیں، آنسو کے قطرے موتی بن کر ٹپکنے لگے۔

مہاراج :- نہیں بیٹی، ہمارا یہ مطلب نہیں تھا، تم تو ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہو، تمہیں بوجھ کون کہہ سکتا ہے، لیکن بات یہ ہے بیٹی کہ اب تمہیں اپنی نئی زندگی شروع کرنا چاہئے زندگی کا نیا دور شروع کرنے کی یہی عمر ہے۔

لاجونتی :- زندگی ختم ہونے کے بعد پھر سے شروع کی جا سکتی ہے، مجھے معلوم نہ تھا، آج تو میری زندگی ختم ہو گئی مہاراج، وہ دوبارہ کیسے شروع ہو گی؟

مہارانی :- لو وہ تو سوگ منانے بیٹھ گئیں، میں قربان!

مہاراج :- مہارانی تم خاموش رہو، ہمیں اپنی بیٹی سے باتیں کرنے دو- ہاں بیٹی تم کیا کہہ رہی تھیں زندگی ختم ہو گئی؟ ایسی

مہارانی :- مجھے کبھی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ یہ مرض آپ ہی کو ہے!

مہاراج :- اچھا بھئی تم ہی سچی سہی لیکن انتقام لینے کا یہی وقت رہ گیا ہے، چھوڑ دان باتوں کو،

لاجونتی خاموشی کے ساتھ یہ باتیں سُن رہی تھی، اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی، واقعی اسے بھگوان سے نفرت تھی، اس سے قبل بھی یہ سوال اٹھ چکا تھا، مہارانی نے چاہا تھا کہ ہردیو سے رشتہ نہ ہو، بھگوان سے بات پکّی ہو جائے، لیکن وہ زمانہ اور تھا، مہاراج کی نظروں میں ہردیو سمایا ہوا تھا، وہ اس پر کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتے تھے، خیال تک نہیں کر سکتے تھے کہ اسے پیچھے دھکیل دیں، اور کسی دوسرے کو آگے بڑھا دیں! ———
چنانچہ جب ان کے کانوں تک یہ بات پہنچی، تو انہوں نے حقارت سے یہ تجویز ٹھکرا دی، اور اسی دن ہردیو کے ساتھ نسبت کا اعلان کر دیا، لیکن اب زمانہ بدل چکا ہے، ہردیو نے مسلمان ہو کر ہر استحقاق سے اپنے آپ کو محروم کر لیا ہے، اور اب بھگوان کے سوا کوئی حریف میدان میں نہیں رہ گیا، مہارانی نے مہاراج کے سامنے تجویز پیش کی، اور جلد از جلد لاجونتی کی شادی بھگوان کے ساتھ طے کر دی گئی، کیوں کہ ان کا خیال تھا اب ضرور کوئی گل کھلے گا، اور ہردیو کسی نہ کسی طرح بادشاہ دلّی کے ذریعہ دباؤ ڈال کر لاجونتی کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، اگر بادشاہ نے اس معاملہ میں مداخلت کی

موجود ہیں، جو ایک ہونے والے بادشاہ میں ہونی چاہئیں سخی، فیاض، رحم دل، بامروت، بااخلاق، کون سی خوبی ہے جو اس میں نہیں ہے؟

مہارانی:۔ اور فرض کرو نہ ہو اس میں کوئی خوبی تو کیا آسمان سے تارے توڑ کر لائے جائیں گے لاجونتی رانی کے لئے؟

مہاراج:۔ ایسی دل شکن باتیں کیوں کرتی ہو مہارانی تم ہمیشہ جیتی ہوئی بازی اپنی عقلمندی سے ہرا دیتی ہو، ہماری بچی کچھ انکار تو نہیں کرتی، پھر یہ دھمکی کیوں؟ یہ کڑوے بول کس لئے؟

مہارانی:۔ ہاں اس وقت آپ کے سامنے انکار نہیں کرتی، لیکن بھگوان سے جلتی ہے، نفرت کرتی ہے، اس کے دل پر اب بھی ہردیو کا قبضہ ہے۔

مہاراج:۔ دل کا حال تمہیں کیا معلوم تم ایسی باتیں کر کے اسے صدمہ پہنچا رہی ہو، ——— اور ہمیں بھی!

مہارانی:۔ یہ بھی ہمیں بہت صدمہ پہنچا چکی ہے، ایک مرتبہ بھگوان کا ذکر اس کے سامنے چھیڑا تو آپے سے باہر ہو گئی۔ ایسی ایسی ملاحیاں سنائیں اس بے چارہ کو کہ میں تو دنگ رہ گئی، دروازہ سے لگی کھڑی سب کچھ سن رہی تھی میں!

مہاراج:۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو گی؟

ہے، کیا آپ کو ایسی اُمید ہے؟ ہو سکتا ہے کہ آپ کی کوئی بات کوئی رائے کوئی فیصلہ مجھے پسند نہ آئے، لیکن آپ کو دشمن سمجھنے لگوں، آپ کی حکم عدولی کروں، آپ کی بات نہ مانوں، یہ کبھی نہیں ہو سکتا ؎

مہارانی :- سن لیجئے راجکماری کیا فرما رہی ہیں، میں نے تو پہلے ہی کہہ تھا اس کا راہ راست پر آنا مشکل ہے، حرفوں کی بنی ہوئی ہے یہ چھوکری؛

مہاراج :- کیا ہوا؟ اس نے کوئی ایسی بات تو نہیں کہی، جو قابلِ اعتراض ہو، پھر یہ غصّہ کیوں آگیا تمہیں؟ تم تو ہوا سے لڑتی ہو،

مہارانی :- ہاں میرا دماغ خراب ہو گیا ہے میں پاگل ہو گئی ہوں،

مہاراج :- افوہ، تم تو بات پکڑنے لگتی ہو، ارے بھئی اس غصّہ اور برہمی کا کوئی سبب بھی ہے؟ کوئی بات ہو تو بتاؤ خواہ مخواہ ہوا سے لڑنا کون سی عقلمندی ہے؟

مہارانی :- ہاں، اور کیا دیوانی جو ٹھیری،

مہاراج :- پھر وہی جلی کٹی باتیں،

مہارانی :- آپ مجھے تو کہتے ہیں لیکن ذرا راجکماری صاحبہ کی باتوں پر بھی تو غور کیجئے،

مہاراج :- وہی تو پوچھتا ہوں لیکن تم کچھ بتاؤ بھی،

تو کچھ بنائے نہ بن پڑے گا، سوائے اس کے کہ لاجونتی چپ چاپ دلّی بھیج دی جائے۔ اور یہ بڑی شرم کی بات ہوگی، لیکن اگر ایسا ہونے سے پہلے ہی اس تدبیر کی کاٹ کر دی جائے یعنی اگر بھگوان سے اس کی شادی کر دی جائے، تو حریف کی کوئی چال کامیاب نہ ہو سکے گی، وہ منہ دیکھتا رہ جائے گا، بادشاہ نے اگر مداخلت کی تو اس سے کہہ دیا جائے گا، لاجونتی اب ایک دوسرے راجکمار کی بیوی ہے، پھر بادشاہ بھی کچھ نہ کر سکے گا، اتنا اندھیر تو نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک کی بیوی چھین کے دوسرے کے حوالے کر دے، یہ بات مہاراجہ کے دل میں بیٹھ گئی۔ اور وہ مہارانی کو لے کر اس مسئلہ کا تصفیہ کرنے لاجونتی کے پاس پہنچ گئے،

مہاراج نے لاجونتی پر ایک نظر ڈالی، پھر کہا۔
کیوں بیٹی تم خاموش کیوں ہو'

لاجونتی:۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کہوں؟ میں کہہ بھی کیا سکتی ہوں"

مہاراج:۔ ہم نے جو فیصلہ کیا ہے، خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے، اور صرف اس لئے کیا ہے کہ تمہاری بہبودی کا تقاضہ یہی تھا۔ کیا تم ہمیں اپنا دشمن سمجھتی ہو؟

لاجونتی:۔ آپ نے مجھے پال پوس کے بڑا کیا ہے، ماں باپ کے مرنے کے بعد میں نے آپ ہی کی گود میں ماں کی ممتا اور باپ کی محبت پائی۔ اتنی بڑی احسان فراموشی مجھ سے کیسے ہو سکتی

تو نہیں ؟

لاجونتی :- بزرگوں کی رائے سے اوّل تو چھوٹوں کو اختلاف ہو ہی نہیں سکتا ، ہونا بھی نہیں چاہیئے اور اگر ہو تو بھی سعادت مندی کا تقاضہ یہی ہے کہ اپنی رائے ان کی رائے پر قربان کر دی جائے ، وہ تجربہ کار ہوتے ہیں اور یہ ناسمجھ ۔

مہاراج :- مہارانی تم اب بھی اپنی رائے پر قائم ہو گی ؟ کیا اب بھی تمہارے دل میں شک ہے ، کچھ تو شرماؤ اپنی غلطی پر ۔

مہارانی :- میرا شک تو اسی دن دور ہو گا ، جس دن بھگوان برات لے کر آئے گا ، اور بیاہ کر کے یہاں سے جائے گا اسے !

مہاراج :- سچ ہے وہم کی دوا لقمان کے پاس بھی نہیں بھگوان کو آنے سے کسی نے منع کیا ہے ؟ فیصلہ ہو گیا شادی کی تیاریاں شروع کر دو ۔ لاجونتی کو اتنا زیادہ اور ایسا اچھا جہیز ملنا چاہیئے کہ آس پاس کے راجہ مہاراجہ رشک کریں اس کی قسمت پر ۔ وہ ہماری بیٹی ہے ، اکلوتی بیٹی ۔ ہم اس کا بیاہ اس دھوم دھام سے کریں گے کہ پشتوں تک لوگ اس بیاہ کا چرچا کرتے رہیں گے ،—————

اچھا بیٹی اب ہم چلتے ہیں ، تم آرام کرو ، دیکھ پدمنی راجکماری کا خیال رکھ ۔ انہیں اچھے اچھے گیت سنا ، اچھی اچھی کہانیاں سنا ، ان کا دل بہلاتی رہ ،—————

مہارانی :- میں بتاؤں ؟ انہوں نے خود ہی سب کچھ اگل دیا ابھی
آپ نے سُنا نہیں کیا فرما رہی تھیں ؟

"ممکن ہے آپ کی کوئی بات کوئی رائے
کوئی فیصلہ مجھے پسند نہ آئے، لیکن میں آپ
کو دُشمن سمجھوں یہ کیسے ہو سکتا ہے"

کُھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ راجکماری صاحبہ فرماتی ہیں کہ آپ ہمارے دشمن تو نہیں لیکن آپ کی یہ بات کہ بھگوان بڑا اچھا آدمی ہے جھوٹ ۔ آپ کی یہ رائے کہ بھگوان میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں غلط ؛ آپ کا یہ فیصلہ کہ راجکماری بھگوان سے بیاہ دی جائیں ناقابلِ قبول ہے، کہہ دیجئے میں غلط فہمی میں مبتلا ہوں راجکماری کے بارے میں،

مہاراج :- کہہ دیجئے کی خوب رہی، واقعہ بھی ہے تم تو جلنے لگیں ہماری لاجونتی بیٹی سے، بھلا اس اندیشہ کا کیا موقع تھا یہ؟ تم بہت غلط سمجھتی ہو ہماری بیٹی کو بہرحال نہ اس نے یہ کہا نہ اس کا یہ مطلب تھا،

مہارانی :- تو پوچھ کیوں نہیں لیتے سامنے تو بیٹھی ہے تاکہ بات صاف ہو جائے، ابھی اسی وقت!

مہاراج :- ہاں پوچھے لیتا ہوں ——— کیوں بیٹی تم ہمارے فیصلہ کی تعمیل کرو گی؟ تمہیں ہماری رائے سے اختلاف

مہارانی :- یہ کام بھی ہو جائے گا اور ایسا ہی ہو گا، جیسا آپ چاہتے ہیں، ذرا چھری تلے دم تو لینے دیجئے - مجھے اور فکر ہے!

مہاراج :- شکریہ ——— کیوں پدمنی شادی کرے گی؟

مہارانی :- دیکھو بے چاری لجاگئی، اسے پڑ پڑ باتیں کرنا نہیں آتیں، کیوں چھیڑ رہے ہیں آپ غریب کو!

مہاراج :- اچھا ہم کچھ نہیں کہتے جاتے ہیں!

———(؛)———

مہاراج ہنستے ہوئے چلے گئے، ان کے جانے کے بعد مہارانی نے لاجونتی سے کہا :-

"بیٹی اب ٹسوے بہانا بیکار ہے، جو ہونا تھا وہ ہو چکا، ہر دیو اب تمہیں نہیں مل سکتا، بھگوان ہی کے پلے باندھی جاؤ گی، ہمارے فیصلہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، عقلمند ہو تو ہنسی خوشی اس رشتہ کو منظور کر لو، ورنہ روتی رہو، جی ہلکان کرتی رہو، کڑھتی رہو، آخر کار تمہیں بھگوان کے گھر جانا پڑے گا یہ سوچ لو۔ اگر یونہی روتی ہوئی گئیں تو وہ بھی ٹھیرا مرد آدمی، زیادہ دن چاؤ چوچلا کرنے سے رہا نئی شادی کرے گا، پھر تمہاری سوکن کا

اور ہاں مہارانی تم نے پدمنی کے بارے میں کیا سوچا؟ آخر اسے تم نے لاوارث کیوں سمجھ رکھا ہے؟ یہ بڑے اندھیر کی بات ہے۔ اس کا حشر کیا ہوگا؟ یہ بھی سوچا تم نے؟

مہارانی :۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟

مہاراج :۔ (زور سے قہقہہ لگا کر) لاجونتی کی شادی ہو جائے اور پدمنی یونہی بیٹھی رہے، یہ ظلم ہم نہیں برداشت کر سکتے جس دن لاجونتی کا بیاہ ہو اُسی دن پدمنی بھی دُلہن بنے گی اور اس کا بھی ڈولا نکلے گا۔

مہارانی :۔ پدمنی بے چاری کا کیا ہے۔ وہ راجکماری کی طرح کوئی طرّم خاں تو ہے نہیں، جس کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ پکڑا دیں گے، جس سے اس کی قسمت وابستہ کر دیں گے ساری زندگی نباہ دے گی، خاموشی اور وفاداری سے۔

مہاراج :۔ لیکن وہ کون شخص ہے جو پدمنی کا شوہر بنے گا؟ یہ طے ہو جانا چاہئے، واقعی ہماری سنجیدگی سے رائے ہے کہ پدمنی کی شادی کر دی جائے۔ اس نے بڑی وفاداری سے راجکماری کی خدمت کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں اسے سونے سے لاد دیں اور وہ کسی ایسے گھر کا چراغ بن جائے جس کی چمک سے سارا گھر جگمگا اُٹھے۔

مہارانی یہ باتیں کرکے آگے بڑھیں۔ چند قدم جاکر پھر واپس آئیں اور اُنہوں نے پدمنی سے کہا۔ سُنتی ہے پدمنی میں زبردستی نہیں کرتی، نہ مہاراجہ نے کسی طرح کی زیادتی کرنا پسند کیا لیکن بھلا اس میں ہے کہ ہردیو کے سارے خطوط جو لاجونتی کے نام آئے ہیں، شاہی مُلاحظہ کے لئے مہاراج کے دیوان خانے میں بھیج دیئے جائیں، آج نہیں تو کل سہی لیکن اگر سیدھی اُنگلیوں سے گھی نہ نکلا تو پھر اُنگلیوں کا ٹیڑھا کرنا بھی ہمیں آتا ہے۔

مہارانی چلی گئی، دروازہ تک انہیں چھوڑکر پدمنی واپس آگئی، اس کی آنکھوں میں بھی آنسو بھرے ہوئے تھے۔ وہ بھی رونا چاہتی تھی لیکن ضبط کررہی تھی۔ یہ آنسو نہ جانے اپنے حال پر بہہ رہے تھے یا لاجونتی کے مستقبل پر، وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی لاجونتی کے پاس آئی، اور چُپ چاپ بیٹھ گئی۔ دل میں طوفان اُٹھ رہا تھا اور یہ طوفان الفاظ کی صورت اختیار کرنا چاہتا تھا لیکن زبان خاموش تھی۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دل زبان پر قفل لگا دیتا ہے۔ راجکماری لاجونتی دل ہی دل میں موت کو پکار رہی تھی،

اے موت تو کہاں ہے؟

لیکن وہ بھی خاموش تھی،!

! —— موت بھی خاموش تھی،!

دور دورہ ہوگا، اور تم کوٹے کٹنی بن جاؤ گی۔ نہ
ادھر کی رہو گی نہ اُدھر کی۔ تمہارے بھلے کو
سمجھائے دیتے ہیں، سمجھو یا نہ سمجھو تمہیں اختیار!

لاجونتی کی آنکھوں سے آنسوؤں کا آبشار جاری تھا لیکن وہ بڑی ہمت کے ساتھ یہ سیلاب اشک روکے ہوئے تھی۔ اگر اسے اپنی خودداری کا پاس ولحاظ نہ ہوتا تو شاید پھوٹ پھوٹ کر روتی اور رو رو کر جل تھل کر دیتی۔ لیکن اپنی کمزوری اس سب سے بڑے دشمن پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ آنسوؤں پر بس نہ تھا، وہ اُبلے پڑ رہے تھے، اگرچہ کوشش یہی تھی کہ آنسو پی جائے ایک قطرہ بھی نہ گرنے دے۔

چلتے چلتے مہارانی نے پدمنی سے کہا:۔

"مہاراج نے جو کچھ کہا ہے اس کا دھیان رکھنا
میں تو اب جاتی ہوں، مجھی کو سارے کام انجام
دینے ہیں، اور ہاں ایک بات یاد رکھنا اگر ہردیو
کا کوئی خط لاجونتی کے پاس پہنچا تو لاجونتی کی جو
گت بنے گی وہ تو بنے گی تمہاری بھی خیر نہیں۔ وہ
بے بھاؤ کی پڑیں گی کہ عمر بھر یاد کرو گی، ناک چوٹی
کاٹ کر اگر گدھے پر سارے شہر کی سیر نہ کرائی تب
کی بات"

———(؛)———

"آخر یہ کٹھن منزل کسی نہ کسی طرح ختم ہو گئی":
اب ہم دلّی کے قریب پہنچ چکے ہیں، شاید دو تین گھنٹے بعد ہمارے گھوڑے دلّی کی سڑک پر دوڑ رہے ہوں گے،

دوسرے نے جواب دیا،

ہاں تم سچ کہتے ہو، لیکن اب ایک قدم بھی آگے بڑھنا خطرے کو دعوت دینا ہے، بارش بڑھتی جاتی ہے، اندھیرے میں کچھ سجھائی نہیں دیتا، بادل کی گرج اور بجلی کی چمک سے گھوڑے بھڑک رہے ہیں۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے۔ آگے جنگل ہے۔ وہاں ڈاکوؤں کا خطرہ بھی ہے، اور درندوں کا بھی، میرا کہا مانو اب سفر ملتوی کرو۔

ساتھی نے کہا:۔

پریتم تم نہیں جانتے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے منہ سے کیا نکل رہا ہے، ہم رُکنے کو تو رُک جائیں، لیکن اگر کسی سڑک پر پناہ لینا ہے تو بہتر یہی ہے کہ اپنا سفر جاری رکھیں، سفر ملتوی کر کے جائیں کہاں؟ ٹھہریں کہاں؟ یہ تو دیکھو آس پاس دور و نزدیک کہیں عمارت نظر نہیں آتی، پھر بہتر یہی ہے منزل مقصود کی طرف قدم بڑھتے رہیں۔
پریتم:۔ وہ سامنے درخت کی طرف دیکھو ——— دیکھو پریتم وہ سامنے روشنی سی نظر آ رہی ہے، اور مدھم سی، جیسے کہیں

(۲۴)

باب

وہ اندھیری اور خوفناک رات

برسات کی کالی اور اندھیری رات ہے، بادل چھائے ہوئے ہیں، پانی رِم جھم برس رہا ہے، تاریکی کا یہ عالم ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سُجھائی دیتا، گرج اور کڑک سے فضا پر ایک دہشت سی طاری ہے ایک لمحہ کے لئے کبھی کبھی بجلی چمک کر فضا کو منوّر کر دیتی ہے اور پھر وہی گھٹا ٹوپ اندھیرا یکا یک، ایک مرتبہ بجلی بڑے زور سے کڑکی دو سوار جو سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے جا رہے تھے۔ گرتے گرتے بچے کیوں کہ گھوڑے بے قابو ہو گئے تھے۔ ایک سوار نے دوسرے سے کہا :-

" کوئی جواب نہیں دیتا، حکم ہو تو دروازہ کھول دوں؟"
پریم نے مسکرا کر کہا
" حکم کی کیا ضرورت ہے؟ دروازہ کھولو، لیکن
احتیاط کے ساتھ، ایسا نہ ہو کوئی بھوت لپٹ جائے"
پریتم کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا، اُس نے کہا:۔
" پریم کی موجودگی میں نہ بھوت کچھ بگاڑ سکتا ہے
نہ راکشش، ہم کسی سے نہیں ڈرتے، کوئی ہوگا تو
کیا کرے گا ہمارا؟"
یہ کہہ کر اُس نے دروازہ زور سے کھولا، بڑی آسانی سے
کھل گیا، لیکن اندر کوئی نہ تھا، ایک ہرگ چھالا (ہرن کی کھال)
سوکھی روٹی کے ٹکڑے اور بس،
پریتم نے پریم سے کہا،
" یہ کیا ماجرا ہے، یہاں تو کوئی نظر نہیں آتا، لیکن
لیٹنے کے لئے ہرگ چھالا، پینے کے لئے پانی، کھانے
کے لئے روٹی کے ٹکڑے، دیکھنے اور کام کرنے
کے لئے یہ ٹمٹماتا ہوا دیا، ضرورت کی ہر چیز موجود
ہے۔ البتّہ ان چیزوں کا مالک کون ہے، اس کا پتہ
نہیں چلتا"
پریم نے ہرن کی کھال پر اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا

چراغ ٹمٹما رہا ہو، جیسے کہیں دیا جھلملا رہا ہو۔

پرتیم :- غور سے سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے، ہاں ٹھیک کہتے ہو۔ کچھ روشنی سی نظر تو آ رہی ہے، شاید کسی سادھو یا مہاتما کی کٹیا ہے،

پریم :- پھر تم بحث کرنے لگے، ہمیں بہر حال وہاں جانا ہے، وہ سادھو کی کٹیا ہو، بادشاہ کا محل یا دشمن کا گھر، یہ رات ہمیں وہیں گزارنی ہے،

پرتیم :- تم نہیں مانتے تو یہی سہی، گھوڑے بے چارے تھک بھی بہت گئے ہیں۔

یہ کہہ کر اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی، پرتیم نے بھی اس کا ساتھ دیا، اور دونوں گھوڑے پھر ہوا سے باتیں کرنے لگے،

تھوڑی دیر میں یہ دونوں ایک ویران سے مندر کے سامنے پہنچ گئے، مندر کے احاطہ میں دو تین کوٹھریاں نظر آئیں، یہ سب خالی تھیں، البتہ ایک کوٹھری میں جہاں سے روشنی نظر آ رہی تھی، شاید کوئی موجود تھا، پریم نے پرتیم سے کہا،

ضرور یہاں کوئی ہے، ہمت کرو، آگے بڑھو، دروازہ کھٹ کھٹاؤ۔

پرتیم نے دروازہ کھٹ کھٹایا، لیکن کوئی جواب نہ ملا،

پرتیم نے کہا :-

پریتم :- حد ہوگئی عقلمندی کی ، واہ بھئی واہ ، بھلا یہ تو کہو یہ تم نے کیسے جانا وہ ایک ہے ، ممکن ہے کئی آدمی ہوں - اگر چار پانچ ہوئے تو ؟

پریم :- دیکھا جائے گا ، اب سو جاؤ ——— پانچ نہیں پانچ سو ہوں ہم بھگت لیں گے ،

پریتم :- پریم اتنی غفلت ٹھیک نہیں ، مناسب یہ ہے کہ ایک سوئے دوسرا جاگے ، مجھے ویسے بھی نیند نہیں آرہی ہے ، تم سو جاؤ ،

پریم :- پھر مجھے بھی نیند آچکی ، اچھا ہم بھی نہیں سوتے ، آؤ باتیں کریں ۔

پریتم :- باتیں کیا کروں ، میرے تو ہوش گم ہیں ، عقل کام نہیں کرتی ۔

پریم :- کیوں کیا ہوا ؟ ہوش کیوں گم ہیں ؟ عقل کہاں بھاگ گئی ؟

پریتم :- اس سفر پر نظر ڈالنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے ، کہ واقعی خدا ہمارے ساتھ ہے ، ورنہ اتنا دُور دراز کا سفر اتنی آسانی سے طے نہیں ہو سکتا تھا ، ندی نالے دریا پہاڑ جنگل کھائی خندق ، وادی ، میدان ، نشیب و فراز ان سب مقامات کو ہم طے کرتے ہوئے یہاں تک آگئے ،

"تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے
سے، یہ چیزیں کسی کی بھی ہوں، ہمارے کام تو
آرہی ہیں۔ جاؤ گھوڑوں کو پاس کی کوٹھری میں باندھ
دو اور فوراً واپس آؤ، بھوک بڑے زور سے لگ
رہی ہے۔ اگر دیر کی تو روٹی کا کوئی ٹکڑا نہ بچے گا
نہ پانی کا کوئی قطرہ۔"

پریتم نے حکم کی تعمیل کی اور ذرا دیر میں واپس آگیا۔ دونوں نے اطمینان سے بیٹھ کر روٹی کھائی پانی پیا، اور ہرن کی کھال پر ایک ساتھ دونوں لیٹ گئے۔

پریتم :۔ اگر تھکن زیادہ ہوگئی ہو تو ہاتھ پاؤں داب دوں"

پریم :۔ نہیں تم بھی تو تھک کر چُور ہو چکے ہو، ایک نیند سو جائیں یہی بہتر ہے، کتنے دن ہوگئے جاگتے ہوئے، سونے سے ساری تھکن جاتی رہے گی۔

پریتم :۔ لیکن مجھے تو نیند نہیں آتی، اس ہولناک جگہ پر میرے تو رونگٹے کھڑے ہوئے جاتے ہیں، نہ جانے وہ کون ہے جس کی جگہ پر ہم قبضہ کئے بیٹھے ہیں، بے چارے کی روٹی بھی کھالی، اور پانی بھی پی لیا، اگر آجائے تو کیا ہوگا؟

پریم :۔ بہت بزدل ہو پریتم، ہم دو ہیں وہ ایک پھر بھی ڈر کے مارے تمہارا دم نکلتا ہے،

ڈھانڈتا، یہاں پہنچ جائے، اور یہیں گرفتار کرلے، پھر کیا ہوگا؟

پریم :- پھر وہی ہوگا، جو ابھی میں نے تمہیں بتایا تھا، اگر تلوار نے کام نہ دیا تو ہیرے کی کنی ہماری مشکل آسان کر دے گی، اگر کوئی مرنا چاہے تو اُسے روکنا کسی کے بس میں نہیں ہے؟

پریتم :- ٹھیک ہے لیکن خدا کرے اس کی ضرورت نہ پیش آئے اب تو واقعی مرنے کو جی نہیں چاہتا، زندگی پھر عزیز ہوگئی ہے!

پریم :- اُمید ہے ایسا ہی ہوگا، اس لئے کہ شروع ہی سے خدا ہمارا ساتھ دیتا چلا آرہا ہے، وہ اب ہمارا ساتھ نہ چھوڑے گا، اس پر بھروسہ کرکے ہم نے یہ کٹھن منزل سر کی، اسی کی مدد سے ہم منزل مقصود تک پہنچیں گے؟

پریتم :- آج رات کو کیا ہوگیا ہے؟ کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتی، جیسے شب ہجر!

پریم :- لیکن یہ شب ہجر ہی تو ہے، لیکن دھیرج رکھو اب گھبراہٹ کی ضرورت نہیں، صبح ہوا چاہتی ہے تھوڑی دیر میں اندھیرا دُور ہوجائے گا، روشنی پھیل جائے گی۔

پریتم :- ارے یہ تو غضب ہوگیا اب؟

پریم :- ہاں دیا بُجھ گیا، ویسے ہی ٹمٹما رہا تھا، تیل بھی کتنا تھا،

ڈاکو ہمیں لوٹ سکتے تھے، ٹھگ ہمارا خاتمہ کر سکتے تھے، درندے چیر پھاڑ کر ہمیں اپنا لقمہ بنا سکتے تھے لیکن کچھ نہ ہوا، اطمینان سے ہم نے ساری منزل طے کر لی، جیسے سیر و تفریح کو نکلے ہوں،

پریم :- ہاں بس دُعا کرو کہ جہاں منزل تک پہنچ گئے مقصود بھی پالیں، اور اب تھوڑا بہت جو راستہ باقی ہے یہ بھی خیریت کے ساتھ ختم ہو جائے،

پریتم :- ہمارے تعاقب میں ضرور سوار دوڑ کر آئے ہوں گے،

پریم :- لیکن ہم اُن کے ہاتھ نہ لگے،

پریتم :- اور اگر لگ جاتے؟

پریم :- تو اب تک اس دُنیا سے رخصت ہو چکے ہوتے، میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جیتے جی مجھے کوئی گرفتار نہیں کر سکتا،

پریتم :- اس فیصلہ کی بُنیاد کیا تھی، کون سے اتنے بڑے رُستم ہیں آپ؟

پریم :- میرے پاس تلوار بھی تھی اور ہیرے کی کنی بھی، اگر تلوار بیکار ہو جاتی تو ہیرے کی کنی کام کر سکتی تھی بڑی آسانی سے، لیکن قدرت کو یہ منظور تھا کہ دُشمن کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ہم بچ نکلیں، چنانچہ بچ نکلے،

پریتم :- لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ سواروں کا کوئی دستہ ڈھونڈتا

پریتم :- یہ کون سی مشکل بات ہے، دلی پہنچ جانے کے بعد ہر مشکل آسان ہو جائے گی۔

پریم اور پریتم باتیں کرتے کرتے خاموش ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد ایسا معلوم ہوا جیسے مندر کے احاطہ میں کوئی شخص چل رہا ہے، پریتم کے کان کھڑے ہو گئے، اس نے آہستہ سے ڈری ہوئی آواز میں کہا :-

" ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے احاطہ میں کوئی
چل پھر رہا ہے "

پریم نے جواب دیا :-

" تمہارے وہم کا علاج کسی کے پاس نہیں "

پریتم :- (ڈری ہوئی آواز میں) سنو تو، یہ دیکھو قدموں کی چاپ،

پریم :- ہاں کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے!

پریتم :- کون ہے یہ ؟

پریم :- میں کیا جانوں، دروازہ کھولو اور جو کوئی ہو اس کی خیریت دریافت کرلو، مزاج پوچھ لو، جی چاہے تو یہ بھی پوچھ لو آپ کے منہ میں کتنے دانت ہیں؟

پریتم :- نا بابا، مجھ سے یہ نہیں ہو گا، میرے تو رونگٹے کھڑے ہوئے جا رہے ہیں مارے ڈر کے!

پریم :- تو چپ بیٹھے رہو،

اس میں، سب ختم ہوگیا ، ہوا کے ایک ہلکے جھونکے کی تاب نہ لاسکا ، سچ پوچھو تو یہی حال انسان کی زندگی کا ہے ، ٹمٹما تا رہتا ہے ، بھڑکتا رہتا ہے ، لیکن ہوا کا ایک جھونکا اس سے زندگی چھین لیتا ہے ، وہ ختم ہوجاتا ہے ،

پریتم :- عجیب چیز ہو بھئی تم بھی ، !

پریم :- کیوں کیا کیا اس خاکسار نے ؟

پریتم :- بات کہاں سے کہاں پہنچا دی ، ہم نے تو ایک سیدھی سی بات کہی تھی ، انہوں نے زمین آسمان کے قلابے ملانا شروع کردیئے ،

پریم :- اچھا بھئی زور کی نیند آرہی ہے ، باتیں ختم ،

پریتم :- خدا کے لئے اب سونے کا ارادہ نہ کرنا رات ختم ہوچکی ، صبح ہوا ہی چاہتی ہے ، اندھیرے میں دم گھٹ رہا ہے ، تمہیں اگر نیند آگئی تو مجھے موت آجائے گی ، دہشت سے میرا دل پھٹ جائے گا ،

پریم :- (ہنس کر) اچھا اچھا ہم نہیں سوتے ، لیکن کم سے کم اتنا احسان تو کرو کہ بک بک کا سلسلہ ختم کرو - خاموش ہوجاؤ ذرا سوچنے دو ، دلی پہنچ کر ہم سب سے پہلے کہاں جائیں گے ؟ کس سے ملیں گے ؟ اپنے گوہر مقصود کا پتہ کس طرح چلائیں گے ؟

باب (۲۵)

تشنگی

اس سُنسان ویران اور خاموش کوٹھری پر اس وقت دہشت کی عجیب کیفیت تھی، پریم کا خون سُوکھا جا رہا تھا، موت سامنے رقص کرتی ہوئی اسے نظر آ رہی تھی، پریم جو اتنا جیالا اور دلاور اپنے آپ کو ظاہر کر رہا تھا، اس کی یہ حالت تھی کہ دل ہی دل میں سہما جا رہا تھا، زبان سے پرتیم کو تسکین اور تسلی دے رہا تھا، لیکن خود اس کے قلب کی یہ حالت تھی کہ زور زور سے دھڑک رہا تھا، اگر اندھیرا نہ ہوتا تو اس کی دہشت زدہ صورت دیکھ کر پریتم اور زیادہ بدحواس ہو جاتا،

ذرا دیر کے بعد ایسا معلوم ہوا جیسے مندر کے احاطہ میں وہ گھومنے والا شخص کوٹھری کے دروازے پر آکر کھڑا ہو گیا، اب تو پریتم کی حالت نازک ہو گئی۔، کاٹو تو لہو نہیں بدن میں بدن کانپ رہا تھا، پیشانی کیا سارا جسم پسینہ سے تر ہو رہا تھا، اُس نے پریم سے پٹتے ہوئے کہا :-

پریتم " ہائے غضب وہ یہاں آگیا "

پریتم :- ہاں وہ یہاں آگیا،

پریتم :- وہ دروازے پر کھڑا ہے،

پریتم :- ہاں وہ دروازے پر کھڑا ہے!

پریتم :- اب کیا ہوگا ؛

پریم :- وہی جو خدا کو منظور ہوگا، ہمارے تمہارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے ؛ اس پر بھروسہ کرو۔ وہ اپنے سے لَو لگانے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا،

لنگی ہاتھ میں ایک موٹا سا ڈنڈا، پاؤں میں چپل ،

پریم نے دروازہ کھولنے کے بعد اس پر ایک نظر ڈالی اور کہا ،

"سادھو مہاراج یہ آپ کی کوٹھری ہے ؟"

سادھو :- ہاں بابا ، آج کی رات ہم نے یہیں گزارنا چاہی تھی ، تم کون ہو ؟

پریم :- ہم مُسافر ہیں ، پانی برس رہا تھا سفر نہ جاری رکھ سکے یہاں آگئے ، اس کوٹھری کو خالی دیکھ کر ،

سادھو : بہت اچھا کیا ، کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی ،

پریم :- جی بالکل نہیں ، گھر کا سا آرام ملا۔

سادھو :- لیکن بابا یہاں ایک دیا بھی تو ٹمٹما رہا تھا ،

پریم :- وہ ہوا کے جھونکے کی تاب نہ لا سکا ، بُجھ گیا ،

سادھو :- اس میں تیل بہت کم تھا ، ختم ہو گیا ہوگا ،

پریم :- جی ہاں یہی بات تھی ، لیکن اندھیرے میں بھی ہمیں تکلیف نہیں ہوئی ، سادھو مہاراج آپ باہر کیوں کھڑے ہیں ، اندر آجائیے ، یہ تھوڑی سی رات باتوں میں گزر جائے گی ، آئیے تشریف لائیے ،

سادھو اندر آگیا ، پریتم نے اپنی جگہ اس کے لئے خالی کر دی وہ چُپ چاپ بیٹھ گیا ، اس نے کہا :-

اتنے میں کسی نے دروازہ پر دستک دی پھر کُنڈی کھٹکھٹائی پھر دروازہ بھڑبھڑایا، پریتم نے کہا،

پریم :- غضب ہوگیا اب ہم کیا کریں وہ تو دروازے پر آگیا،

پریتم :- دروازہ کھول دو،

پریم :- ایسا غضب بھی نہ کرنا، دروازہ کھولنا کسی طرح مُناسب نہیں، پھر تو کچھ بھی نہ کیا جاسکے گا،!

پریم :- لیکن دروازہ بہت کمزور ہے، اس کا توڑنا مشکل نہیں اگر وہ اندر گھُس آیا تو؟ اس سے بہتر یہی ہے کہ ہم اسے اندر بُلالیں،

پریتم :- ایسا ہوا تو دیکھا جائے گا، لیکن خود سے تو موت کو اندر بُلایا نہیں جاتا،

یکایک کسی آدمی نے زور زور سے دروازہ بھڑبھڑانا شروع کیا۔ پریتم نے سہمی ہوئی آواز میں کہا!

" ہائے اب کیا ہوگا بہت بُرے پھنسے، بتاؤ پریم اب کیا کریں؟ وہ دروازہ توڑے ڈال رہا ہے "

پریم نے کوئی جواب نہیں دیا، اور اُٹھ کر دروازہ کھول دیا، سامنے ایک شخص کھڑا تھا، اندھیرے میں اس کی صورت صاف دکھائی نہ دے سکی، اتنا اندازہ ہوگیا، کوئی سادھو ہے بڑے بڑے بال چہرہ پر داڑھی، کاندھے پہ ایک رومال، بدن پہ ایک کُرتا، اور

پریتم :- ہائے رام، اے سادھو مہاراج ، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں
اتنے بڑے سادھو ہوکر،

پریم :- پریتم تم چُپ رہو، ہماری باتوں میں دخل مت دو ——
—— ہاں سادھو مہاراج وہ کون سی بات آپ نے
کہی تھی، جسے سُن کر بھگوان گونگے بن گئے، لاچار اب
ہو گئے ؟

سادھو :- میں نے کہا تھا، میں جنم کرم کا ہندو ہوں، لیکن اب ہندو
دھرم سے اُکتا چکا، اس دیس میں ایک نیا دھرم آیا ہے،
وہ کہتا ہے، بُت پرستی چھوڑ دو، بُت اپنی ناک کی مکھی تک
نہیں اُڑا سکتے، کسی کی مدد کیا کریں گے، وہ کہتا ہے
عورت باپ بھائی اور شوہر کی لونڈی نہیں ہے۔ وہ بھی
اُن کی طرح ہے، دل رکھتی ہے، آرزوئیں اور حوصلے
رکھتی ہے، اس لئے وہ تمام حقوق دے دو، جو مرد کو
حاصل ہیں، وہ کہتا ہے ایک خدا کو پوجو، ایک رسول کو
مانو، اس کے رسول کی جھلک میں نے بعض مسلمانوں میں
دیکھی ہے، نیک پاک، خلقِ خدا کے خادم، تعصب سے
دُور، محبت سے چُور، دوست سب کے دشمن کسی کے
نہیں، راگ رنگ سے متنفر، ناچ گانے سے بیزار،
دن روزہ رکھ کر گزارتے ہیں۔ رات عبادت میں بسر

سادھو :- یہاں میرا ایک کشکول تھا، اس میں کچھ روٹی کے ٹکڑے تھے، ایک لٹیا تھی، اس میں تھوڑا سا پانی تھا، ایک مرگ چھالا بھی تھی، جو کمر ٹیکنے کے لئے میں نے بچھا دی تھی۔

پریم :- جی یہ سب چیزیں موجود ہیں، لیکن روٹی ہم نے کھا لی، بھوک بہت لگی تھی، پانی کے بغیر سوکھی روٹی کے ٹکڑے حلق سے نہیں اتر سکتے تھے، لہٰذا وہ بھی ختم ہو گیا، البتہ مرگ چھالا ویسی کی ویسی موجود ہے، ہمیں کیا معلوم تھا آپ آجائیں گے، بڑی شرمندگی ہو رہی ہے اپنی حرکت پر،

سادھو :- اس میں شرمانے کی کیا بات ہے، روٹی تھی اسی لئے کہ کھائی جائے، پانی کا مصرف یہی ہے کہ اسے پیا جائے تم نے ان دونوں چیزوں کو ٹھکانے لگا دیا، میں بہت خوش ہوا اچھا کیا،

پریم :- لیکن سادھو مہاراج آپ چلے کہاں گئے تھے یہ چیزیں رکھ کر ایسے ناوقت؟

سادھو :- مندر کے اندر بھگوان سے کچھ باتیں کرنے گیا تھا، لیکن وہ گونگے تھے، میری سنتے رہے، اپنی کچھ نہیں کہہ سکے، شاید لاجواب ہو گئے میری باتوں سے، کیا مجال ہے جو ایک بات کا بھی جواب دے سکے ہوں!

اس کوٹھری میں ڈیرا جما دیا، یہاں آکر میرے خیالات میں پھر ایک تموّج پیدا ہوا، میرے دل کی دُنیا ڈانواڈول ہونے لگی، جذبات کے تھپیڑوں نے مجھے بے قابو کر دیا، زندگی میں ہزاروں بار میں نے مندر کی چوکھٹ پر قدم رکھا، اور بھگوان کے چرنوں پر سر جُھکایا تھا، یہاں آکر وہ پچھلی باتیں پھر یاد آگئیں، میں بُھوکا تھا، پیاسا تھا لیکن مجھ سے کچھ نہ کھایا گیا، پانی کا ایک گھونٹ بھی حلق کے نیچے نہ اُتار سکا، سامنے ہی تو مندر ہے سب کچھ یہاں چھوڑ چھاڑ وہاں پہنچ گیا، میں نے بھگوان سے کہا:-

"مجھے روکو، مجھے سنبھالو، میں چلا، ایسا نہ ہو میں بالکل ہاتھ سے نکل جاؤں، ابھی واپس آسکتا ہوں، میرے دل کو تشفی دو، میرے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرو، میرا عقیدہ بدل دو، میں چاہتا ہوں اسلام سے پھر نفرت کرنے لگوں، وہ پردیسی مذہب ہے اس کے لئے دیس کے مذہب کو چھوڑوں؟ بھگوان ایسا کرو کہ اسی مندر میں رہ جاؤں، یہاں سے مرکر باہر نکلوں، تمہاری محبت پھر میرے دل میں جگہ

کر دیتے ہیں، سونے چاندی کے ڈھیر کو ٹھوکر لگاتے ہیں، بادشاہوں کو حقیر ذلیل سمجھتے ہیں، جاگیروں کے پروانے آتے ہیں تو پھاڑ کر پھینک دیتے ہیں، ان لوگوں کو دیکھ کر میرے دل میں ہلچل مچ گئی، میرے خیالات بدل گئے جس دھرم میں میں نے آنکھیں کھولیں، جس سماج میں رہا، جن اصولوں پر زندگی بسر کرتا رہا، سب میری نظر سے اتر گئے کوئی وقعت نہ رہ گئی ان کی میرے دل میں، مجھے ایک نئی دنیا مل گئی، ایک نیا سماج مل گیا، میں مسلمان ہوگیا، ابھی تھوڑے دن ہوئے میں ملتان گیا وہاں کے بزرگوں سے ملا، بدایوں گیا، وہاں کے پیروں کو دیکھا، اجمیر گیا خواجہ کی چوکھٹ پہ سر جھکا دیا، ان میں سے ہر جگہ، انوار الٰہی بکھرے ہوئے ملے، تجلیات خداوندی کا بار بار نظارہ کیا، روح کو وہ دولت ملی جو کبھی نہ پائی تھی، دل کو وہ سکون ملا جو کبھی میسر نہیں ہوا تھا، میری دنیا بدل گئی، خیالات بدل گئے، عقائد بدل گئے، جن چیزوں کو پہاڑ سے زیادہ اٹل، اور چٹان سے زیادہ مضبوط سمجھتا تھا اب ذرا غور کیا تو ان سب کی بساط مکڑی کے جالے سے زیادہ نظر نہ آئی، اجمیر سے آ رہا تھا، راستے میں بارش نے آلیا، میں نے کہا اس حالت میں آگے کیا بڑھوں، یہ مندر نظر آیا،

"پہلے میرا نام ہردیو تھا"

پریم :۔ اب آپ یہاں سے کہاں جائیں گے ؟

سادھو:۔ دلی اپنے مُرشد کی خانقاہ، وہیں ایک حجرہ مل گیاہے، اسی میں رہتا ہوں، تم کہاں جاؤ گے بھائی ؟

پریم :۔ ہم بھی دلی جارہے ہیں، خواجہ نظام الدین اولیا کا شہرہ سُنا، دل خود بخود ان کی طرف کھینچنے لگا، سوچا دیکھ آئیں مل آئیں، شاید ہماری جھولی میں بھی کچھ پڑجائے؟ ہمارے بے قرار دل کو بھی سُکون مل جائے!

سادھو :۔ لیکن تم تو ہندو نظر آتے ہو ؟

پریم :۔ آپ بھی تو ہندو تھے !

ہردیو :۔ ہاں بھئی ٹھیک کہتے ہو، جن بُزرگ کا تم نے نام لیا وہی میرے مُرشد ہیں، میں ان کا چاکر ہوں، اور اس چاکری پرمجھے فخر ہے۔

پریم : ہم دلی میں کسی کو جانتے نہیں، کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ہم آپ کے ساتھ چلیں اور چند دن آپ کے مہمان بن کر وہاں رہیں؟

ہردیو :۔ سر آنکھوں پر، نیکی اور پوچھ پوچھ

پریم :۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو لیتے ہیں ؟

ہردیو :۔ ہاں گھوڑے کی سواری جانتا تو ہوں،

پریم :۔ میں اپنے دوست کے ساتھ اس کے گھوڑے پر بیٹھ

بنا لے، ہندو مت پھر مجھ پر حکومت کرنے لگے"
لیکن بھگوان نے کوئی جواب نہ دیا، بھگوان کے پاس جواب تھا ہی نہیں، وہ خاموش رہے، لاجواب رہے۔
میں سمجھ گیا، یہ صرف پتھر کی مورت ہے، اس میں کوئی دم نہیں، کوئی شکتی نہیں، ذرا بھی بل نہیں، اصل چیز وہ خدا ہے، جو آسمانوں کے اوپر موجود ہے، جو دلوں پر قدرت رکھتا ہے، اور جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے، میرا ایمان پھر تازہ ہوگیا، اسلام سے میری محبت دو چند ہوگئی، اور میں پھر مسلمان ہو گیا، اس کوٹھری میں یوں آیا تھا کہ سامان اٹھاؤں اور واپس چلا جاؤں، بارش تھم چکی، رات ختم ہو چکی، پھر کیوں ٹھیروں؟
میرے پاس کوئی سواری نہیں پیدل گیا تھا، پیدل آ رہا ہوں، منہ اندھیرے نکل جاؤں گا، دھوپ نکلتے نکلتے، اپنے مرشد کی خانقاہ میں پہنچ جاؤں گا،
پریم نے اسے غور سے دیکھا ابھی تک اُجالا نہ ہوا تھا، اور ہوتا بھی تو کیا پہچان سکتا تھا؟
اس نے پوچھا،
"سادھو مہاراج آپ کا نام؟"
کچھ دیر خاموش رہا، پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔

(۲۶)
باب
لاجونتی، لاجونتی تم آگئیں؟

راستے میں بڑی دیر تک اِن لوگوں کے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی، ہردیو عالمِ خیال میں نہ جانے کہاں کی سیر کر رہا تھا، یہی کیفیت پریم اور پریتم کی بھی تھی؛ اِن دونوں نے پگڑی اپنے منہ کے گرد لپیٹ رکھی تھی، صرف آنکھیں اور منہ کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا، تھوڑی دیر کے بعد عمارتیں نظر آنے لگیں، پریتم نے ہردیو سے کہا:-

معلوم ہوتا ہے شہر آگیا، دلّی یہی ہے نا؟

ہردیو چونک پڑا، اُس نے جواب دیا،

جاؤں گا، دوسرے گھوڑے پر آپ بیٹھ جائیے، آگے آگے ہمیں راستہ دکھاتے ہوئے چلئے!

ہردیو :- چلو، میری دُعا ہے کہ تم کبھی نہ بھٹکو، ہمیشہ سیدھے راستے پر چلتے رہو!

پریم :- میں اس دُعا پر آمین کہتا ہوں!

مٹھی میں لینا چاہتا ہوں، کیا تمہارے بس میں ہے ؟ کیا چاند تاروں کی محفل سے اسے پکڑ لاؤ گے، کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کی نہ جا سکے، میری خواہش کوئی پُوری نہیں کر سکتا جب خدا نہیں کرتا تو تم کیا کر لو گے ؟

پریم :- پھر بھی کچھ کہیئے تو، آپ کی کہانی بڑی درد بھری معلوم ہوتی ہے، میرا تو دل ہل گیا، آپ کی باتیں سُن کر !

ہردیو :- ہاں میری کہانی درد ہی درد ہے، درد کے سوا کچھ نہیں اس لئے تو نہیں سُناتا،

پریم :- اس طرح دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے !

ہردیو :- اب تو تم دلّی چل ہی رہے ہو، وہیں باتیں ہوں گی،

پریم :- آپ ضرور چھُپا رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے، آپ کا دل کہیں اٹکا ہے ؟ کسی سے محبّت کرنے لگے ہیں آپ ؟

ہردیو :- تمہارا اندازہ غلط نہیں یہی بات ہے،

پریتم :- محبت تو بڑی اچھی چیز ہے، پھر محبّت کر کے آپ اتنے پریشان کیوں ہیں ؟

ہردیو :- اس لئے کہ ہماری محبّت نفرت سے بدل گئی،

پریتم :- یعنی آپ نفرت کرنے لگے، اپنی محبوبہ سے، شاید اس کا چال چلن ٹھیک نہ ہو گا ؟

ہردیو :- (برہمی کے ساتھ) زبان سنبھال کر بات کرو، اس کے

ہاں یہی دلی ہے، دُنیا کے بہت بڑے بادشاہ کا دارالحکومت
موجودہ دُنیا کے سب سے بڑے رُوحانی تاجدار کا مسکن ۔

پھر دونوں خاموش ہو گئے ۔ اور اپنی راہ چلنے لگے، تھوڑی دیر
کے بعد پریم نے ہردیو کو مخاطب کیا ،

پریم :۔ سادھو مہاراج آپ اتنے خاموش کیوں ہیں ؟ شاید سنہ بیت
چھوڑ دینے کا آپ کو افسوس ہے ؟ لیکن دھرم کا معاملہ
تو خوشی کا ہوتا ہے ، اس میں اتنی چنتا اور فکر کی کیا بات ہے ؟

ہردیو :۔ آگے بڑھنے والا پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھتا ، میں بہت آگے
نکل آیا ہوں ، جس دھرم کا تم نے نام لیا وہ مجھ سے
پیچھے رہ گیا ، میں کچھ اور سوچ رہا تھا ،

پریم :۔ بتائیے کیا سوچ رہے تھے آپ ؟ ———— معاف
کیجئے گا میری اس گستاخی کو ۔ !

ہردیو :۔ کیا کرو گے پوچھ کر میرے بھائی ، بتا دوں تو مجھے کوئی
فائدہ نہیں ، تم سُن لو تو میری کوئی مدد نہیں کر سکتے !

پریم :۔ یہ نہ کہئیے میں آپ کی مدد کروں گا ، ضرور کروں گا ، جو
کچھ ہو سکے گا ، اس سے دریغ نہ کروں گا ، کہہ کے تو دیکھئے ،

ہردیو :۔ (مسکرا کر) مجھے آسمان کے تارے چاہئیں لا سکتے ہو
میرے لئے ؟ میں چاند کو اپنی جیب میں رکھنا چاہتا ہوں ،
کھرچ لو گے ؟ اسے آسمان سے ، میں سُورج کو اپنی

پریتم :- بڑا دُکھ ہو رہا ہے ، یہ باتیں سُنکر ، لیکن خزاں کی آندھی کیوں آئی ، کیوں آنے دیا آپ نے اسے ؟

ہردیو :- میں بے بس تھا ، میری ایک کوشش بھی کامیاب نہیں ہوئی ، میں کُفر کی تاریکی سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آگیا میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا ، لیکن اس نے ہاتھ چھڑا لیا ۔ نفرت کے ساتھ حقارت کے ساتھ ،

پریتم :- آپ نے چاہا تھا کہ وہ مسلمان ہو جائے ؟ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی تھی ؟

ہردیو :- میں پُوری تفصیل سے اپنے اُن واردات کو اپنے خطوں میں لکھتا رہتا تھا ، جو مجھ پر گزر رہے تھے ۔ میں نے اس سے کوئی بات نہیں چھپائی ، ہر خط میں دل کھول کر رکھ دیتا تھا اس کے سامنے میں اسے اپنی کہانی سُناتا گیا ، اور یہ سمجھتا رہا کہ وہ میرے ساتھ ہے ، اس کی رفاقت راستے کی دُشواریوں کو کم کر دے ، لیکن جب مُڑ کر دیکھا تو وہ میرے ساتھ نہیں تھی ، وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھی ۔

پریتم :- بڑا دُکھ ہو رہا ہے آپ کی باتوں سے ——— آپ نے اسے سمجھایا ہوتا محبت کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں کہ اتنی آسانی سے ختم ہو جائے ، پہلے سے وہ مسلمان نہ ہوتی ، لیکن آپ سے نفرت تو نہ کرتی ، وہ اپنے مذہب پر قائم رہتی ،

چال چلن پر کوئی اُنگلی نہیں اُٹھا سکتا، تم اسے نہیں جانتے میں جانتا ہوں، وہ کتنی پاک اور کتنی مقدس ہے، فرشتے اس کے دامن پر نماز پڑھ سکتے ہیں!

پریتم :- تو پھر آخر بات کیا ہوئی؟ کیا وہ خود آپ سے نفرت کرنے لگی؟

ہردیو :- ہاں وہ مجھ سے نفرت کرنے لگی!

پریتم :- آپ جیسے آدمی سے بھی کوئی نفرت کر سکتا ہے، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی؟

ہردیو :- ہماری محبت کا پودا پروان چڑھ رہا تھا، اس میں گل بوٹے آ چکے تھے، فصل بہار نے ان میں تازگی اور رعنائی پیدا کر دی تھی، عین اس وقت خزاں کے ایک جھونکے نے چمن کو تاراج کر دیا، ہماری محبت کا درخت سوکھ گیا، ہماری محبت کے پھول مُرجھا گئے، وہ رعنائی اور زیبائی جاتی رہی، بھلا کسی کے سامنے اس کا لگایا ہوا چمن جل کر خاک ہو جائے تو اس کے دل کی کیا حالت ہوگی؟

یہ کہتے کہتے ہردیو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، یہ باتیں اس نے کچھ ایسے درد و سوز سے کیں کہ پریتم بھی بہت متاثر ہوا، اور پریم کی آنکھوں سے تو آنسوؤں کے تارے گرنے لگے۔

تم سے نفرت کرتی ہوں"، اور اس خط کے ساتھ ایک دوسرا خط بھی تھا اُس کا جسے میں بھی اپنا باپ مانتا تھا، اور میری محبوبہ بھی "!

پریتم :- اس میں کیا لکھا تھا؟ ——— اسی طرح کی باتیں ہونگی؟

ہردیو :- ہاں بلکہ اور بھی زیادہ سخت الفاظ تھے، لکھا تھا، لاجونتی تم سے نفرت کرتی ہے، وہ تمہارا نام بھی سُننا نہیں چاہتی، اس کا خیال اپنے دل سے نکال دو، اس نے سوئمبر کا مالا راجکمار بھگوان سنگھ کے گلے میں ڈال دیا ہے، دونوں کی شادی بہت جلد ہونے والی ہے؟

پریتم :- اور آپ نے یقین کرلیا، آپ یہ بات بھول گئے کہ عورت زندگی میں صرف ایک مرتبہ محبّت کرتی ہے، اور جس سے ایک مرتبہ کرتی ہے، پھر اس سے نفرت نہیں کرتی؟

ہردیو :- حقیقت اور چیز ہے، فلسفہ اور چیز، تم تو فلسفہ بیان کرنے لگے، بھائی میں واقعہ بتا رہا ہوں اور تم فلسفہ سنا رہے ہو، کہانیوں میں وہ بات ٹھیک ہے، جو تم نے کہی عملی زندگی میں وہ سچ ہے جو میں بتا رہا ہوں!

پریتم :- میں نہیں مان سکتا، کیسے مان لوں؟

ہردیو :- کوئی تمہیں مجبور بھی نہیں کرسکتا کہ مانو،

پریتم :- دنیا کی کوئی شریف عورت ایسا نہیں کرسکتی، خاص طور

آپ اپنے مذہب پر"!

ہردیو:۔ میں صرف یہی چاہتا تھا، کہ وہ مجھ سے نفرت نہ کرے، میں اپنی زندگی اس کی یاد میں بسر کر دوں، وہ اپنے دل میں مجھے یاد کرتی رہے، مذہب میں جبر کا، زبردستی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اسلام تو خاص طور پر اس بات کا مخالف ہے، وہ ہندو رہتی، لیکن مجھ سے نفرت نہ کرتی بس یہ تھی میری تمنّا"!

پریتم:۔ آخر کیا کہا اس نے آپ سے؟ کیا سچ مچ آپ کی محبت ٹھکرا دی؟ صاف صاف کہہ دیا کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں، تم سے بیزار ہوں؟

ہردیو:۔ ہاں یہی سمجھو،

پریتم:۔ سادھو مہاراج آپ تو عجیب باتیں کر رہے ہیں، آخر سمجھوں کیوں؟ واقعہ کیا ہوا؛ یہ بتایئے؟

ہردیو:۔ دلّی سے میں اپنے ایک خاص آدمی کے ہاتھ اُسے خط بھیجا کرتا تھا، میرے آخری خط کے جواب میں اُس نے جو خط لکھا، اس کے یہ الفاظ میرے دل پہ پتھر کی طرح نقش ہو گئے۔ "تم نیچ ہو، کمین ہو، رذیل ہو، جس نے دھرم کو چھوڑ دیا، اپنی سماج کو چھوڑ دیا، وہ اپنی محبوبہ سے بھی بے وفائی کر سکتا ہے، میں تم پہ بھروسہ نہیں کر سکتی، میں

ہردیو :۔ (خوش ہوکر) میں تمہارا بہت شکر گذار ہوں، زندگی بھر تمہارا احسان مانوں گا، لیکن یہ بات تم نے پہلے ہی کیوں نہ بتا دی؟

پریتم :۔ اب بتائے دیتا ہوں، دیر ہی کتنی ہوئی،

ہردیو :۔ بہت بہت شکریہ بتاؤ،

پریتم :۔ جو آپ کو بتایا گیا ہے، اس کا اُلٹا راجکماری کو بتایا گیا ہے، اس سے کہا گیا ہے کہ آپ اس سے نفرت کرتے ہیں، آپ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ یا تو مسلمان ہو ورنہ جس سے چاہے شادی کرلے، میں معلوم کرنا چاہتا تھا واقعہ کیا ہے، مجھے خوشی ہے کہ جھوٹ کا پول کھل گیا، اور سچی بات معلوم ہو گئی،

ہردیو :۔ تم راجکماری کے پاس واپس جاؤ، ابھی واپس جاؤ اور اسے جاکر بتاؤ، میں اب بھی اس سے محبت کرتا ہوں، اور زندگی کے آخری سانس تک محبت کرتا رہوں گا۔

پریتم :۔ میں آپ کا پیام پہنچا دوں گا، بالکل مطمئن رہیئے!

ہردیو :۔ لیکن تمہارے قدم اب تک دلی کی طرف اُٹھ رہے ہیں منزل کیوں کھوٹی کرتے ہو، واپس جاؤ،

پریتم :۔ چلا جاؤں گا، راجکمار لیکن دلی دیکھے بغیر نہیں، اتنی دُور سے آیا ہوں، اتنا لمبا سفر کیا ہے، پھر اتنی ہی دُور جانا ہے،

پر لاجونتی ؟ ——— ناممکن ،

ہردیو :۔ تم تو اس طرح کہہ رہے ہو ، جیسے تم لاجونتی سے بہت اچھی طرح واقف ہو ،، اس کی سیرت و کردار سے آشنا ہو ، جیسے تم نے اسے دیکھا ہے ، اس کے مزاج اور طبیعت کے روشناس ہو ؟

پریتم :۔ ہاں آپ کا خیال غلط نہیں ، میں راجکماری لاجونتی سے واقف ہوں ، جانتا ہوں ، پہچانتا ہوں ، ان کی خوبیوں سے واقف ہوں ، جتنا میں واقف ہوں ، اتنے آپ بھی نہیں ، !

ہردیو :۔ تعجب ہے میں تمہیں نہیں جانتا ، میں نے تمہیں کبھی وہاں نہیں دیکھا ، تمہاری اور لاجونتی کی صاحب سلامت کیسے ہوئی ؟

پریتم :۔ پدمنی کو تو آپ جانتے ہوں گے ؟ انہی راجکماری کی سہیلی ؟

ہردیو :۔ ہاں بہت اچھی طرح ، راجکماری اسے بہت عزیز رکھتی ہیں ،

پریتم :۔ میں پدمنی کا بھائی ہوں ، اور اسی لئے دلی جا رہا تھا ، کہ آپ سے ملوں ، اور راجکماری کے حال سے آپ کو اطلاع کروں !

ہردیو :۔ نہیں یہ نہیں ہوسکتا ، یہ اَن ہونی بات ہے ؟
پریتم :۔ یہ کیوں ؟ یہ کیسے سمجھ لیا آپ نے ؟ یہ خیال آپ کے دل میں آیا کیوں ؟
ہردیو :۔ میں راجکماری کے قابل نہیں رہا، وہ مجھ سے محبت کرتی ہیں یہ دوسری بات ہے، لیکن وہ مجھ سے شادی کریں یہ نہیں ہوسکتا ؟
پریتم :۔ آخر آپ اس قدر مایوس کیوں ہیں ،
ہردیو :۔ اس لئے کہ میں جانتا ہوں ، انہیں مُسلمانوں سے نفرت ہے ، اسلام سے نفرت ہے ؟
پریتم :۔ آپ بھی تو اسلام اور مُسلمانوں سے نفرت کرتے تھے ؟
ہردیو :۔ اس سے کیا ہوتا ہے ، ہر شخص کے خیالات بدلتے رہتے ہیں ، میرے بھی بدل گئے ، اور ایسے بدلے کہ اب میں ہردیو نہیں ایک مُسلمان ہوں ۔ جسے ہندو یت سے کوئی تعلق نہیں ،
پریتم :۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ راجکماری کے خیالات بھی بدل گئے ہوں ، اور اتنے بدل گئے ہوں کہ وہ بھی مسلمان ہونے کے بارے میں غور کرنے لگی ہوں ؟
ہردیو :۔ کیا تم اس لئے آئے ہو کہ مجھے دیوانہ بنادو ، یہ کیسی باتیں کررہے ہو ؛ میں اس کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا کہ ایسا

آتنا ہی لمبا سفر کرنا ہے، کم از کم ایک دن تو آرام کر لینے دیجئے،

ہردیو:۔ بڑی چوک ہوئی مجھ سے ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے میں بہت زیادہ خود غرض ہوگیا ہوں، مجھے معاف کردو۔ راجکماری اچھی تو ہیں، ان کی صحت تو ٹھیک ہے؟

پریتم:۔ بس یوں سمجھ لیجئے زندگی کے دن پورے کر رہی ہیں،

ہردیو:۔ یہ کیا کہا، کیا خدانخواستہ کچھ بیمار ہیں، کوئی آزار ہے انہیں؟

پریتم:۔ محبت سے بڑا روگ بھی کوئی ہو سکتا ہے؟

ہردیو:۔ وہ مجھ سے اب تک محبت کرتی ہیں؟ سچ کہتے ہو؟

پریتم:۔ بہت زیادہ!

ہردیو:۔ وہ مجھ سے ذرا بھی نفرت نہیں کرتی؟

پریتم:۔ ایسا اندھیر بھی ہو سکتا ہے کہیں؟

ہردیو:۔ وہ مجھ سے بیزار ہے نہ متنفر نہ بیگانہ؟

پریتم:۔ بالکل نہیں،

ہردیو:۔ تم نے مجھے نئی زندگی بخشی ہے، یہ بات بتا کے۔ کاش میرے پاس کچھ ہوتا، تو میں تمہیں انعام دیتا،

پریتم:۔ یہ رسمی باتیں ہیں، میرا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ آپ کے دل کی تمنا پوری ہو، راجکماری آپ کی بن جائیں،

آپ یہی سمجھیں گے جھوٹ بول رہا ہوں، دھوکا دے رہا ہوں،

ہردیو :- نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، میں تمہیں سچا آدمی سمجھتا ہوں، تم میں ہمدردی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، تم بڑے اچھے اور بھلے آدمی ہو، تم نے میری پریشانیاں دور کر دیں، میری مصیبتیں ختم کر دیں، سچ تو یہ ہے کہ تمہارا شکر یہ ادا نہیں ہو سکتا، لیکن میرے دوست ایسی بات تو نہ کہو جسے سن کر مجھ جیسے غم زدہ آدمی کو بھی ہنسی آجائے، بھلا کہاں راجکماری اور کہاں دتی؟

پریتم :- تو بتایئے یہ کون ہے؟

یہ کہہ کر پریتم نے پریم کی پگڑی کھینچ لی، اس کے لمبے لمبے بال شانوں پر بکھر گئے، سپاہی کے لباس میں وہ اور زیادہ بھلی معلوم ہو رہی تھی، اُسے دیکھ کر ہردیو کے بدن پر رعشہ طاری ہو گیا، اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے لاجونتی کی طرف دیکھا، اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا،

"لاجونتی؟ لاجونتی تم آگئیں؟"

اور پھر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا،

ہو سکتا ہے ؟

پریتم :۔ اپنی نہ کہیے آپ نے یہ بھی یقین کر لیا تھا کہ راجکماری کو نفرت ہو گئی ہے ، آپ کی ذات سے ، حالانکہ یہ یقین ہو گیا تھا ، آپ نے یہ بھی مان لیا تھا کہ راجکماری بھگوان سے شادی کرنے کو تیار ہو گئی ہے ، حالانکہ یہ بھی جھوٹ تھا ، اگر ایسی باتوں کا یقین کیا جا سکتا ہے تو میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے ؟

ہردیو :۔ جو کہو گے مان لوں گا ، یہ تو بتاؤ راجکماری مجھ سے نفرت تو نہیں کرتیں ؟

ہردیو کی یہ والہانہ اور بے خودانہ بات سن کر پریم کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا اور پریتم نے قہقہہ لگا کر کہا :۔

سار ی کتھا سن لی لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ سیتا مرد تھی یا عورت ، راجکمار ہوش کی باتیں کیجیے عقل کے ناخن لیجیے ، راجکماری اگر آپ سے نفرت کرتی ہوتیں ، آپ سے بیزار اور بیگانہ ہوتیں تو بھلا مجھے آپ کے پاس بھیج دیتیں ؟

ہردیو :۔ تو کیا راجکماری نے تمہیں بھیجا ہے ،

پریتم :۔ آپ تو اتنے بدگمان ہو چکے ہیں کہ اگر راجکماری کو آپ کے سامنے لا کر کھڑا کر دوں تو بھی آپ کو یقین نہ آئے گا ،

سے قریب ہی رہتے ہیں، بڑے سُکھ اور چین سے زندگی بسر کر رہے ہیں، نہ کوئی فکر نہ کوئی اندیشہ نہ غم نہ صدمہ، خدا کی عبادت اور مسرت کی زندگی، پدمنی جو پریتم کے لباس میں مریم کے ساتھ آئی تھی، اس نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے، اور ایک بہن کی حیثیت سے مریم کے پاس رہتی ہے، جس کا نام پیار سے مریم نے قدسیہ رکھا ہے،!

ایک روز احمد ایاز اور مریم خانہ باغ میں بیٹھے تھے، برسات کا موسم تھا، رم جھم بارش ہو رہی تھی، پھواریں اڑ اڑ کر مریم اور احمد کے دامن کو چھو رہی تھیں، دونوں اس وقت بہت خوش تھے ان کے چہرہ پر دلی مسرت کی لہر اور روشنی ہویدا تھی، احمد نے مریم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا،

"کتنی مشکلوں سے ہاتھ آئی ہو مریم"

مریم نے ایک ادائے ناز سے اسے دیکھا، اور پہلو بدلتے ہوئے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا،

آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی، جو مجھے کہنا چاہئے تھا، وہ آپ نے کہہ دیا، لیکن بالکل غلط،

احمد چونک پڑا، اس نے محبت بھری نظروں سے مریم کو دیکھا اور کہا

احمد ایاز:۔ یعنی ہم جھوٹے؟ ہمارا دعویٰ الفت غلط؟ ہماری داستانِ فراق

۲۹۰

(۲۷)

باب

نہ سنو میری داستان نہ سنو

ہر دیو کا اسلامی نام حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے احمد ایاز رکھا ہے، وہ اب باقاعدہ مسلمان ہو چکا ہے، اور حضرت کے متوسلین میں شامل ہو کر، ایک اچھے اور نیک مسلمان کی زندگی گذار رہا ہے، اپنے آبائی مذہب، مادری زبان اور قومی معاشرہ سے اب اس کا کوئی تعلق نہیں، وہ اب مسلمان ہے، فارسی بولتا ہے، اور اسلامی معاشرے کا ایک بہادر اور بے باک رکن ہے، لاجونتی سے اس کی شادی ہو چکی ہے، جس کا نام اب لاجونتی کی بجائے مریم ہے، دونوں ایک صاف ستھرے مختصر سے گھر میں خانقاہ

یہاں ٹھاٹ کا استقبال ہوا، رہنے کو بڑی اچھی جگہ ملی، بادشاہ کے دربار میں کرسی پائی، وفا اور شان کی زندگی بسر کرنے لگے، جہاں میں غلط کہوں وہیں ٹوک دیجئے۔"

احمد ایاز :- نہیں، بالکل ٹھیک ہے، کیوں اس سے مطلب؟

مریم :- یہ کہ اب ثبوت لیجئے، ایک بے یار و مددگار عورت، اس کی ایک بزدل اور ڈرپوک سہیلی، نہ فوج نہ سپاہ، نہ سامان نہ دولت، ایک روز رات کی تاریکی میں محل سے باہر نکلتی ہے، ڈرتی ہوئی، سہمتی ہوئی، لجاتی ہوئی، شرماتی ہوئی اور ایک نامعلوم سمت کی طرف روانہ ہوجاتی ہے، سفر گھنٹوں کا نہیں، ہفتوں کا ہے، بھوک لگتی ہے تو درختوں کے پتے اور سوکھی روٹی کھا کر گزارا کرتی ہے، پیاس ستاتی ہے تو گھنٹوں پیاسا رہنا پڑتا ہے، پھر کبھی پانی ملتا بھی ہے تو پھیکا، میلا، سیٹھا، راستے میں جنگل بھی پڑتے ہیں اور دریا بھی، پہاڑ بھی اور میدان بھی، ندی بھی اور نالے بھی، کہیں ڈاکوؤں کا ڈر کہیں ٹھگوں کا خوف، کہیں درندوں کی دہشت، لیکن سب سے بے نیاز اور بے پرواہ اپنی منزل کی طرف بڑھتی گئی، اپنے آپ کو بھی سنبھالتی اور اپنی کم حوصلہ سہیلی کو بھی تسلی دیتی، جس نے رو رو کے جل تھل کر دیا، رات

گپ؟ کیوں جناب یہ مقصد ہے نا آپ کا؟

مریم :- اگر مجھ سے سچ کہلانے پر تلے ہیں تو میرا جواب ہاں کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

احمد ایاز :- لیکن آخر اتنے بڑے الزام کا کوئی ثبوت؟ یہ تو وہی بات ہوئی،

کسی کی جان گئی آپکی ادا ٹھیری

ہم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے رہے اور آپ نے ایک لفظ میں فیصلہ کرلیا اچھا انصاف ہے؟

کیا خوب یہ انصاف ہے کیا دادرسی ہے

مریم :- ثبوت چاہئے آپ کو؟ کہئے تو پیش کر دوں؟

احمد ایاز :- (مسکراکر) گو یا تم بحث پر تل گئی ہو، ہم بھی ہار ماننے والے نہیں، لاؤ اپنا ثبوت پیش کرو ہمارے دربار میں!

مریم :- دیکھئے ایک بات بتایئے، لیکن سچ سچ،

احمد ایاز :- تم کوئی بات پوچھو اور میں نہ بتاؤں یہ ہو سکتا ہے، بھلا؟

مریم :- آپ راج محل سے سفیر بن کر دلّی کی طرف روانہ ہوئے بڑے ٹھاٹھ اور شان و تجمل کے ساتھ، آپ کے ساتھ فوجی سپاہیوں کا ایک دستہ تھا، حسب ضرورت روپیہ تھا، ضرورت سے زیادہ ہتھیار تھے، پھر دلّی پہونچے تو

میرے قدم بھی ڈگمگا جاتے ،

مریم :۔ (مسکراکر) یہ تو داستان کا صرف ایک ٹکڑا سنا ہے آپ نے ،

احمد ایاز :۔ تو کیا ابھی کچھ اور بھی باقی ہے ،

مریم ۔ بہت کچھ اس سے زیادہ دردانگیز!

احمد ایاز :۔ تو کیوں نہیں کہہ دیتیں ، کہہ ڈالو آج ہر بات جو دل میں ہے ، میں سنوں گا ، دل کے کانوں سے سنوں گا ، ہاں کیا کہہ رہی تھیں ؟

مریم :۔ سنئے : ــــــ لیکن ذرا دل تھام کر! ــــــ بڑی پردرد ہے اپنی کہانی ،

احمد ایاز :۔ سن رہا ہوں ، بڑے غور اور تعجب سے سن رہا ہوں ،

مریم :۔ آپ دلّی آئے اور چشم بینا کھول کر روحانی ترقیاں حاصل کرنے لگے ــــــ اسلام کی شان میں قصیدے پڑھنے لگے ، لیکن جو صرف آپ کے سہارے آپ سے پندرہ سو میل دور بیٹھی تھی ، کبھی آپ نے سوچا اس پر کیا گذر رہی ہے ؟

احمد ایاز :۔ اس پر کیا گزر سکتی تھی ، وہ محل میں رہتی تھی ، اور ہر طرح کا آرام اور عیش حاصل تھا اسے ، اپنی نیند سوتی تھی اپنی نیند اٹھتی تھی ،

مریم :۔ جی آپ کا یہ خیال بھی غلط ہے ، اسے وہ تکلیف تھی جو عالم

شب بلا بن کر نمودار ہوئی، گھور اندھیرا، ویران اور سنسان مقام، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دینا مشکل فضا ہولناک، نہ آدم نہ آدم زاد اور وہ رات بسر کرنے کے لیے کبھی کسی کھنڈر میں، کبھی کسی کٹیا میں، کبھی کسی درخت کے نیچے، اپنے گھوڑے سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتی، ذرا کے ذرا اونگھتی پھر سہم کر آنکھ کھل جاتی، رات ابھی باقی ہوتی کہ پھر گھوڑے پر بیٹھتی اور چل کھڑی ہوتی، اس طرح ایک دن نہیں تقریباً مہینہ بھر لوگوں کی نظر سے بچتی، لوگوں کی آنکھ میں خاک جھونکتی ہوئی وہ اپنی منزل تک پہنچتی ہے، جہاں رات میں ہر قدم پر خطرہ ہی خطرہ تھا، جان کا، آبرو کا، ناموس کا، آخر وہ عورت تھی۔ نوجوان اور خوبصورت، ——— !

احمد ایاز بڑے غور سے مریم کی یہ داستان درد سنتا رہا، اس کے چہرہ پر اس وقت کرب و اضطراب کی کیفیت طاری تھی۔ اس نے بڑے اثر انگیز لہجہ میں کہا،

"مریم تم سچی ہو، میرا تمہارا مقابلہ نہیں ہو سکتا، کہاں تم؟ کہاں میں؟ کوئی نسبت ہی نہیں مجھ میں اور تم میں، تم نے بڑے بڑے دکھ جھیلے، بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں، بہت بڑے خطرے کا مقابلہ کیا، یہ کام تم ہی کر سکتی تھیں، تمہاری جگہ میں ہوتا تو شاید

مریم :۔ معاملہ اگر صرف یہیں تک ہوتا تو واقعی یہی کرتی، اس کان سنتی، دوسرے کان سے اڑا دیتی، لیکن ایک دوسری مصیبت بھی تو تھی،

احمد ایاز :۔ وہ کیا ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصیبتوں کا سلسلہ قائم ہو گیا تھا ؟

مریم :۔ یہ لوگ میدان صاف پا کر جی بھر کے آپ کی برائیاں کرتے تھے، مہارانی خوش ہو ہو کر یہ برائیاں سنتی اور مجھے سناتی تھیں، ان لوگوں کو خیال تھا، ہردیو بزدل ہے، نکما ہے، بے ایمان ہے، چور ہے، عیاش ہے، بد اخلاق اور بدکردار ہے، دنیا جہان کی برائیاں اور کمزوریاں اس کی ذات میں جمع ہیں، نہ جانے کتنی عورتوں کو خراب کر چکا، نہ جانے کتنی داسیوں کی آبرو لوٹ چکا، نہ جانے کتنی بھولی بھالی اور سادہ لوح چھوکریوں کی زندگیاں غارت کر چکا، یہ باتیں ایک بار نہیں، ہر روز، اور ہر روز بھی ایک بار نہیں کئی بار میرے کانوں میں پڑتی تھیں، میں کلیجہ مسوس کر رہ جاتی، اگر کچھ بولتی تو قیامت برپا ہو جاتی، خاموش رہ کر اپنے ہاتھوں اپنے دل کے ٹکڑے کرتی تھی، آنسو بھی نہیں بہا سکتی تھی، یہ تھی میری مظلومی کی زندگی، جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے، اس طرح میں نے کئی سال گذار دیئے،

نزع میں کسی کو ہوسکتی ہے ،

احمد ایاز :- یہ میں پہلی مرتبہ سن رہا ہوں ،

مریم :- میں بھی پہلی مرتبہ یہ داستان زبان پرلائی ہوں ،

احمد ایاز :- اچھا تو کہو کیا تکلیف تھی تمہیں ،

مریم :- محل میں میری حیثیت بتیس دانتوں میں ایک زبان کی تھی، آپ کو معلوم ہے ، مہارانی مجھ سے جلتی تھیں ، خار کھاتی تھیں . میرے نام سے میرے وجود سے ، ان کی خواہش تھی ، میں آپ کا خیال دل سے نکال دوں ، طرح طرح سے وہ اپنے بھتیجے بھگوان سنگھ کا ذکر کیا کرتی تھیں ، کبھی اس کی خوبصورتی کی تعریف ، کبھی اس کی بہادری کے گن گائے جارہے ہیں ، کبھی اس کی حکومت اور ریاست کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے جارہے ہیں ، کبھی اس کے دھن دولت کے لمبے چوڑے افسانے سنائے جارہے ہیں ، اور محل کی داسیاں ، مہارانی کی سہیلیاں اور میری ہمجولیاں سب سکھائی پڑھائی تھیں ، خوب ہاں میں ہاں ملاتیں اور میں شمع خاموش کی طرح جلا کرتی ،

احمد ایاز :- لیکن اس میں جلنے کی کیا بات تھی ، یہ باتیں وقعت ہی کیا رکھتی تھیں ؟ بکواس پر کوئی کان دھرتا ہے ؟ اس کان سنتیں دوسرے کان اڑا دیتیں ، !

زندگی بسر کر رہے ہیں ،

مریم :- بالکل سچ کہا آپ نے ، میرے دل کی بات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سچی اور حقیقی زندگی اب شروع ہوئی ہے ؟

احمد ایاز :- بے شک یہ واقعہ ہے کہ ہماری اب تک کی زندگی بے مقصد تھی ، اب ہم ایک مقصد کے لئے جی رہے ہیں ،

مریم :- کتنا جی چاہتا ہے کہ حضرت کی زیارت کروں ؛

احمد ایاز :- کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں ، انشاء اللہ کسی روز لے چلوں گا ، وہاں جاکر تم ایسا نور دیکھو گی ، جو تمہاری روح کو منور کرے گا ،

مریم :- خدا وہ مبارک دن اور مبارک تر گھڑی جلد لائے ، حضرت کی جو باتیں آپ سنایا کرتے ہیں ، وہ اتنی اچھی لگتی ہیں کہ کہہ نہیں سکتی ،

احمد ایاز :- حضرت کے منہ سے جو بول نکلتا ہے وہ حقیقت اور معرفت کا پیکر ہوتا ہے ، چند لفظوں میں وہ اتنی بڑی بات کہہ جاتے ہیں کہ کوئی اور بڑی سی کتاب لکھ کر بھی وہ مفہوم اس خوبی سے ادا نہیں کر سکتا ،

مریم :- سنا ہے حضرت کے پاس سونے چاندی کے ڈھیر لگے رہتے ہیں ؟

احمد ایاز :- ہاں ، لیکن صرف اس لئے کہ غریبوں اور ضرورتمندوں

لیکن زبان سے اف نہ کی، دل میں طوفان اٹھتے، لیکن ایسا
معلوم ہوتا جیسے کسی نے میرے لب سی دیئے، بولنا بھول
گئی تھی، میری طاقتِ گفتار جواب دے چکی تھی، سوچنا، کڑھنا
اور دل ہی دل میں رونا، یہ تھا میرا مشغلہ، بتایئے اس زندگی
کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

احمد ایاز:۔ آفریں ہے تمہاری ہمت پر، واقعہ پرانا ہو چکا، حالات
بدل چکے۔ ہماری تمہاری جدائی کا دور ختم ہو چکا، لیکن اب
بھی یہ باتیں سنتا ہوں تو خون کھولنے لگتا ہے،

مریم:۔ یہی فرق ہے۔ مجھ میں اور آپ میں، آپ کا خون کھولتا تو
آپ سب کچھ کر سکتے تھے، اور میں زبان سے ایک حرف
بھی نہیں نکال سکتی تھی، خاموش رہنے پر مجبور رہتی،

احمد ایاز:۔ یہ افسانہ نہیں، ایک درد انگیز حقیقت ہے، سچ کہتی
ہو، میری بانو، خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ وہ دور ختم ہو گیا
اب ہمیں دنیا کی کوئی طاقت ایک دوسرے سے جدا
نہیں کر سکتی؟

مریم:۔ انشاء اللہ، ——— میرا دل بھی یہی کہتا ہے،

احمد ایاز:۔ یہاں ہمارے پاس دولت نہیں، ثروت نہیں، پالکی
دالکی نہیں، گھوڑے اور ہاتھی نہیں، ریشم اور کمخواب نہیں،
سونا اور چاندی نہیں، لیکن کتنا آنند ہے، کتنے سکھ کی

(۲۸)
باب
ٹکر

روز و شب کے قافلۂ سبک گام کا سفر جاری تھا، دن گزر رہے تھے، فصلیں بدل رہی تھیں، حالات پلٹا کھا رہے تھے احمد ایاز اور مریم ان تغیرات کو دیکھتے تھے، پھر بھی یہ محسوس کرتے تھے کہ زندگی کا قافلہ اسی طرح چلتا رہے گا، سکون اور عافیت کی جو نعمت ملی ہے وہ کبھی ختم نہ ہوگی، ایک روز باتوں باتوں میں احمد ایاز نے اپنی تشویش کو چھپاتے ہوئے مریم سے کہا:-

احمد ایاز :- یہ تو بتاؤ اگر میں چند روز کے لئے کہیں باہر جاؤں تو تمہیں اعتراض تو نہ ہوگا؟

میں تقسیم ہوتے رہیں، خود حضرت کی غذا تو جَو کی دو سوکھی روٹیاں اور ایک آب خورہ پانی ہے، بس آگے نام خدا کا، اللہ ہو بس باقی ہوس!

مریم :- ہاں اللہ والے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں!

ستایا جائے ؟

مریم :- وہ کون بدبخت ہے ، جو حضرت کا بیری بن رہا ہے ؟

احمدایاز :- بادشاہ ، بادشاہ کجکلاہ !

مریم :- (سہم کر) بادشاہ ؟ ——— یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ؟

احمدایاز :- ہاں مریم ایسی ہی بات ہے !

مریم :- لیکن آپ تو کہتے تھے بادشاہ اور ولی عہد دونوں حضرت کے بڑے معتقد اور جاں نثار ہیں ؟

احمدایاز :- ہاں زمانے کی گردش اپنا کام کر رہی ہے ، تمہیں معلوم ہے علاؤالدین خلجی کا انتقال ہوگیا ، اس کا ولی عہد خضر خاں گوالیار کے قلعہ میں قید ہے ، چھوٹا لڑکا قطب الدین بادشاہت کے تخت پر قابض ہے ؟

مریم :- ہاں یہ میرے سامنے کے واقعات ہیں ، جانتی ہوں سب کچھ معلوم ہے ،

احمدایاز :- قطب الدین کے دل میں یہ خیال جم گیا ہے ، کہ حضرت کی ہمدردیاں خضر خاں کے ساتھ ہیں ، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ساری خلقت حضرت کی حلقہ بگوش ہے ، لہٰذا وہ حضرت سے خار کھانے لگا ہے ان کی توہین کرنے پر تل گیا ہے !

مریم :- حضرت کی توہین کرنے پر ؟ کیا حشر ہوگا اس کا ؟ بزرگوں کے منہ آنا اپنی تباہی کو دعوت دینا ہے !

مریم :- (سہم کر) آپ کہیں باہر جا رہے ہیں ؟

احمد ایاز :- ہاں شاید، ایک بہت ضروری کام سے ،

مریم :- لیکن میں آپ کو تنہا نہ جانے دوں گی ، میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی ؟

احمد ایاز :- کیسی بچوں کی سی بھولی بھولی باتیں کرتی ہو بعض وقت ، ایسا نہیں ہو سکتا ، مجھے تنہا ہی جانا پڑے گا -

مریم :- لیکن آپ کہاں جا رہے ہیں ؟ کتنے دنوں کے لئے جا رہے ہیں ؟ کب واپس آئیں گے ؟

احمد ایاز :- یہ کچھ نہیں بتا سکتا ، مجھے بھی نہیں معلوم ہے کب جاؤنگا ممکن ہے یہیں رہ کر کام آجاؤں !

یہ سنکر مریم کا چہرہ زرد پڑگیا ، ایسا معلوم ہوتا تھا ، جیسے کسی نے اس کی روح کھینچ لی ، اس نے لرزتی آواز میں کہا :-

" یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ؟ "

احمد ایاز :- معاملات کچھ عجیب حالات اختیار کر رہے ہیں ، میں نہیں کہہ سکتا میرا انجام کیا ہو گا ؟ حالات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا ؟

مریم :- آخر کیوں ؟ آپ پر کیا مصیبت آ رہی ہے ؟

احمد ایاز :- اگر میرے مرشد پر آفت آنے گی تو سب سے پہلے مجھ پر آئے گی ، اپنی زندگی میں کیا اسے دیکھ سکتا ہوں کہ انھیں

مریم :- (اشتیاق کے ساتھ) پھر حضرت نے کیا جواب دیا، حد ہوگئی اس گستاخی اور بے ادبی کی،

احمد ایاز :- حضرت نے جواب دیا، فقیر بادشاہوں سے نہیں ملا کرتے، دعاوہ اپنے مصلے پر بیٹھ کر مانگتے ہیں، کسی کی فرمائش سے نہیں مانگتے، اور فرمایشی دعائیں بے نتیجہ اور بے اثر بھی ہوتی ہیں،

مریم :- بالکل ٹھیک جواب دیا، حضرت نے، جل ہی تو گئے ہونگے بادشاہ سلامت صاحب،

احمد ایاز ہاں اور جانتی ہو انہوں نے جل کر کیا کہا،

مریم :- نہیں میں نہیں جانتی، بتلایئے ——— میرا تو دل ہول رہا ہے،

احمد ایاز :- انہوں نے حکم صادر کیا کہ اس مرتبہ حضرت کو شریک دربار ہونا پڑے گا، اور اگر وہ خود سے نہ آئے تو جبراً لایا جائے گا۔

مریم :- (لرز کر) اے اللہ اب کیا ہوگا،

احمد ایاز :- حضرت نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا وہ نہیں جائیں گے اور ہم جاں نثاروں نے طے کر لیا کہ جب تک ہم زندہ ہیں حضرت تک کوئی نہیں پہنچ سکتا،

مریم :- بہت مبارک فیصلہ ہے، بالکل ٹھیک،

احمد ایاز :- ہاں اور شاید اسے تباہ کرنے میں میرے تلوار کو بھی کچھ کرنا پڑے ،

مریم :- لیکن آخر بات کیا ہوئی ، کچھ تفصیل بھی تو معلوم ہونی چاہئے؟

احمد ایاز :- ہر مہینے کی چودھویں تاریخ کو بادشاہ اپنا دربار خاص منعقد کرتا ہے ، اس میں تمام معزز ممتاز اور سر برآوردہ لوگ شریک ہوتے ہیں ، علماء اور صوفیا کا ایک خاص طبقہ بھی حاضر رہتا ہے ، اور یہ لوگ مل کر بادشاہ کی درازی عمر اور ترقیٔ اقبال کی دعائیں مانگتے ہیں ،

مریم :- اچھا تو کون منع کرتا ہے نہیں ، دعائیں مانگنے سے ، دعا کا قبول کرنا اور نہ کرنا خدا کے اختیار میں ہے ، بندہ کے بس میں تو نہیں ؟

احمد ایاز :- ہاں ——— بادشاہ کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ اور تو سب دعائیں دیتے ہوئے آتے ہیں مگر حضرت دربار میں نہیں آتے ، نہ اس کی درازیٔ عمر اور ترقیٔ اقبال کی دعا میں شریک ہوتے ہیں ؟

مریم :- حضرت کے دربار میں خود بڑے بڑے بادشاہ سر جھکا کر آتے ہیں ، وہ دنیادی بادشاہ کے دربار میں کیوں جانے لگے ؟

احمد ایاز :- بادشاہ نے حضرت کے پاس آدمی بھیجے اور کہلایا کہ آپ بھی دربار میں آکر دعا میں شرکت کیا کیجئے !

ساتھ ایک مسلم عورت بھی ہوگی ؛ اور وہ مریم ہوگی؛

احمد ایاز :۔ کسی اور موقع پر تمہاری یہ بات میں ہرگز نہ مانتا۔ لیکن اس موقع پر انکار نہیں کرتا ، ضرور تمہاری فرمائش پوری کروں گا ، بڑے شوق سے چلنا ، انشاء اللہ ہم دونوں اپنے روحانی تاجدار پر قربان ہو جائیں گے ؛

مریم :۔ آج چاند کی کون سے تاریخ ہے ؟

احمد ایاز :۔ بارہ —— صرف دو دن باقی ہیں ۔——
اچھا اب میں جاتا ہوں ، حالات کا جائزہ لینا ہے !

احمد ایاز :- میں تمہاری رائے سے اتفاق کرتا ہوں، اب بتاؤ کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں حضرت کے قدموں پر اپنی جان قربان کر دوں ؟

مریم :- (عزم کے ساتھ) ہاں اور اگر میں آپ میں کمزوری کے آثار دیکھتی تو آپ سے نفرت کرنے لگتی۔ زندگی کا اس سے اچھا مصرف اور کیا ہو سکتا ہے، کہ مرشد کے قدموں پر جان دے دیں، میں بھی تلوار چلانا جانتی ہوں، آپ کے ساتھ ساتھ میں بھی چلوں گی۔ جس طرح آپ اپنی جان مرشد پر قربان کر دیں گے، اسی طرح میں بھی اپنے روحانی باپ پر اپنی زندگی قربان کر دوں گی، اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو، کم از کم ہم اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھیں گے،

احمد ایاز یہ باتیں سنکر اٹھ کھڑا ہوا، اس نے مریم کی پیشانی پر بوسہ دیا، اور ایک تاثر کے عالم میں آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر کہا،

" مریم اب تک میں تم سے محبت کرتا تھا، آج سے تمہاری عزت بھی کرتا ہوں، اب تک تم میرے دل پر حکومت کرتی تھیں، آج سے دل و دماغ دونوں پر تمہارا سکہ چلنے لگا، تم نے وہ بات کہی جو ایک بہادر اور مسلمان خاتون ہی کہہ سکتی ہے،

مریم :- ان الفاظ کا شکریہ، لیکن پھر بتلائے دیتی ہوں کہ آپ کے

ترقیٔ اقبال کی دعا دربار میں کھڑے ہوکر مانگنی پڑے گی ، حکومت کی پوری مشنری اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تُل گئی تھی ، ہر قیمت پر سلطان المشائخ کو حاضرِ دربار کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا ، تیزی سے اپنے انتظامات مکمل کئے جا رہے تھے ، جو لوگ حضرت کے عقیدت مند تھے ، وہ حیران و پریشان مضطرب و سراسیمہ نتیجے کا انتظار کر رہے تھے ، ان کی ایک بڑی جماعت احمد ایاز کی سرکردگی میں تیر و پیکان اور تیغ و تفنگ سے مسلح جان دینے اور جان لینے پر تلی ہوئی تھی۔

اور خود حضرت کا کیا حال تھا ؟

وہ جانتے تھے چودھویں تاریخ کے شروع ہونے میں اب صرف ایک رات حائل ہے ، لیکن ان کے اطمینان اور یکسوئی میں کوئی فرق نہ آیا ، وہی جان نواز تبسم ، وہی درویشانہ استغنار ، وہی اطمینان اور سکون ، وہی معمولات و مشاغل ایسا معلوم ہوتا جیسے چودھویں کا چاند شروع ہونے میں ابھی چودہ برس باقی ہیں ، نہ کوئی فکر نہ اضطراب نہ گھبراہٹ ، جیسے کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی تھی ، نہ ہونے والی ہے ، نہ ہوسکتی ہے ، اور خدامِ بارگاہ کا یہ عالم تھا کہ ، نہ دن کو قرار تھا ، نہ رات کو آرام ، ان کا خواب و خور حرام تھا ، وہ یکسر اضطراب و التہاب بنے ہوئے تھے ،

باب (۲۹)

کارسازِ مابہ فکرِ کارِ ما

قطب الدین کے اس متمردانہ حکم نے سارے شہر میں ایک ہلچل سی پیدا کردی، جو لوگ غیر متعلق تھے، وہ انتظار کر رہے تھے کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے، ایک گدائے بوریا نشین ، وقت کے بہت بڑے فرمانروا اور صاحب تاج و تخت سے ٹکّر لے رہا ہے،

قطب الدین اڑ گیا تھا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کو اس کے ایوانِ حکومت میں حاضر ہونا پڑے گا، اور درازئ عمر و

کشت وخون ہوگا !

احمد ایاز بول پڑا ۔

غلاموں نے فیصلہ کرلیا ہے ، کہ جب تک
ہم زندہ ہیں قطب الدین کا کوئی سپاہی
درگاہ میں داخل نہ ہو سکے گا ،

حضرت مسکرا مسکرا کر یہ باتیں سنتے رہے ، پھر انہوں نے
نہایت ملائمت اور نرمی کے ساتھ فرمایا :۔

ضد اچھی چیز ہے اگر کسی اچھے مقصد کے
لئے ہو ، بادشاہ چاہتا ہے ہم اپنا اصول
توڑ دیں ، ہمارا فیصلہ ہے کہ اصول نہیں
توڑیں گے ، اس کی ضد کسی نیک مقصد کے
لئے ہے تو وہ ضرور کامیاب ہوگا ، اگر ہم
ٹھیک کہتے ہیں تو فتح ہماری ہوگی ۔ بھلا
فقیروں کو بادشاہ کے دربار سے کیا تعلق
بادشاہ کی دعاگوئی منصب فقر کے خلاف
ہے ، فقیر اگر جاتا ہے تو اس کے پاس
جہاں سے اسے حقیقت اور معرفت کا
رس ملتا ہے ، بادشاہوں کے دربار
میں سب کچھ ہے ، مگر یہی چیز نہیں ،

نماز عصر کے بعد حضرت کے حلقۂ ارادت میں ' چند مریدان با صفا بیٹھے تھے ' ان میں احمد ایاز بھی تھا ، باتوں باتوں میں قطب الدین کی بے ہودگی اور بدتمیزی کا ذکر چھڑ گیا ' ایک مرید نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا :-

پیر و مرشد کل کیا ہوگا ؟

حضرت نے اپنی پرسکون نظریں اس پر گاڑ دیں ۔ اور مسکراتے ہوئے فرمایا :-

ہم نے غیب دانی کا دعویٰ نہیں کیا ، تم وہ بات ہم سے پوچھتے ہو ۔ جو صرف خدا کو معلوم ہے ، ہم تو یہ بھی نہیں جانتے چشم زدن میں کیا ہوگا ، تم کل کے بارے میں پوچھ رہے ہو ‘

مرید نے عرض کیا :-

یہ تو آپ نے صحیح فرمایا ، لیکن غلام کا مطلب یہ تھا کہ کل چودہ تاریخ ہے ، سب جانتے ہیں قطب الدین تل گیا ہے ، کہ حضور کو دربار میں طلب کرے ، بادشاہ بڑا ضدی ہے ، اس کے باپ کو حضور سے جتنی عقیدت تھی ، یہ اتنا ہی بدعقیدہ اور گمراہ ہے اگر حضور تشریف نہ لے گئے تو زبردست

گرفت میں لے لیتا ہے ، احمد ایاز جاؤ آرام
کرو ، بے فکر ہو جاؤ ، اور ہماری بیٹی مریم
کو بھی مطمئن کر دو ، اس سے کہہ دو ، جو لوگ
خدا کے ہو رہتے ہیں خدا بھی ان کا بن جاتا
ہے ، جن لوگوں کی لو خدا سے لگی رہتی ہے ،
انہیں کبھی مایوسی اور نامرادی کا منہ نہیں
دیکھنا پڑتا ،

اس اثناء میں اذان مغرب کی آواز بلند ہوئی ، حضرت نماز کے لئے کھڑے ہو گئے ، روز کے مقابلہ میں آج نمازیوں کی تعداد زیادہ تھی ، نماز کے بعد آپ اپنے حجرہ میں چلے گئے اور لوگ ایک ایک کر کے منتشر ہو گئے !

فقیر اس کے لئے دعا کرتا ہے جو مظلوم
ہو، ستم رسیدہ ہو، اس کے لئے وہ دعا
نہیں کرسکتا جو ظالم ہو ستم گر ہو،

احمد ایاز نے کہا:۔

پیر و مرشد کا ایک ایک لفظ صداقت
اور سچائی کا آئینہ دار ہے، قطب الدین
اپنی حقیقت اور حیثیت کو فراموش کرچکا
ہے، مگر اس نے اپنے حدود سے قدم
باہر نکالا تو قدر و عافیت معلوم ہوجائے
گی، وہ جان لے گا اس بے ہودگی کا
انجام کیا ہوتا ہے؟

حضرت نے محبت بھری نظروں سے احمد ایاز کو دیکھا اور فرمایا:۔

"پریشان کیوں ہوتے ہو" ؎
کارسازِ ما، بفکرِ کارِ ما

ظلم کا کاروبار زیادہ دیر تک نہیں چل
سکتا، قطب الدین نے اگر اپنی حد سے
آگے بڑھنے کی کوشش کی تو ایک احکم الحاکمین
بھی ہے، جو ہر خطا کار اور ظالم کو اپنی

" ہاں میں آگیا مریم ، کوئی خاص بات ہے راہ کیوں تک رہی تھیں ؟ "

مریم نے آنکھیں جھکائیں اور کہا :۔

" یوں ہی بڑی دیر سے آپ کی راہ تک رہی ہوں ، جی چاہتا تھا آپ سے باتیں کروں ، ہاں یہ تو کہئے کوئی نئی خبر بھی معلوم ہوئی ؟ "

احمد ایاز نے مسند پر بیٹھتے ہوئے کہا :۔

" نئی خبروں کا تو آج کل زور شور ہے ، سارے شہر میں ایک ہلچل مچی ہوئی ہے ، بادشاہ اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے ، اور ہمارے حضرت اپنے فیصلہ پر قائم ہیں ، وہ ہرگز دربار شاہی میں جانے کے لئے آمادہ نہیں "

مریم بولی :۔

" میرا دل بھی یہی کہتا تھا ، مجھے یقین تھا کہ حضرت کبھی وہاں نہیں جائیں گے ، یہ ان کی شان کے خلاف ہے "

احمد ایاز نے کچھ سوچتے ہوئے کہا :۔

" ٹھیک کہتی ہو ، ہم اپنے فیصلہ پر قائم ہیں "

(۳۰)

باب

فکر و تشویش

احمد ایاز درگاہ سے نکل کر سیدھا اپنے گھر پہنچا، مریم منتظر بیٹھی تھی، اسے دیکھتے ہی پیشوائی کے لئے بڑھی اور تعلق خاطر کے ساتھ کہا:-

آپ آ گئے؟ میں بڑی دیر سے آپ کی راہ تک رہی تھی،

احمد ایاز نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا، اور جواب دیا:-

اور ہاں مریم حضرت نے تمہارا نام لے کر فرمایا، ہماری
بیٹی کو مطمئن کر دو، اسے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں
——— مریم کیا یہ ارشاد اس گفتگو کی طرف اشارہ
نہیں جو کل ہمارے تمہارے مابین ہوئی تھی، ظاہر ہے
اس معاملہ کے سوا مجھے اور تمہیں کوئی پریشانی لاحق نہیں
یقیناً وہ بھی فرمانا چاہتے تھے کہ ہمارا پریشان ہونا بیکار
ہے، خدا پر بھروسہ رکھو، لیکن انہیں یہ کیسے معلوم ہوا
کہ تم پریشان ہو، گفتگو تو صرف ———

تمہارے اور میرے درمیان تھی، نہ میں نے حضرت
سے اس گفتگو کا ذکر کیا نہ تم نے، اور نہ کسی اور کو اس بات
چیت کی سن گن ملی، پھر انہوں نے یہ کیسے جان لیا؟

مریم :- یہی میں بھی سوچ رہی ہوں، لیکن کچھ عقل کام نہیں کرتی،
سچی بات تو یہ ہے، بزرگوں کا سلسلہ خدا سے ملا ہوتا
ہے، وہ دل کی بات جان لیتے ہیں،

احمد ایاز :- ہاں یہی بات ہو سکتی ہے، اور کیا سمجھا جائے، اچھا
اب رات زیادہ ہو گئی ہے، تم سو رہو، میں نے ابھی
نماز نہیں پڑھی، پڑھ لوں، صبح نماز پڑھتے ہی حضرت
کے آستانے پر جانا ہے، اور پھر اس وقت تک وہاں

مریم خوش ہوگئی اور اُس نے مخمور لہجے میں کہا،

" ہاں ہم اپنے فیصلہ پر قائم ہیں، جان
دے دیں گے، مگر اپنے فیصلہ سے ایک
قدم ادھر اُدھر نہیں ہوں گے۔"

احمد ایاز:۔ لیکن آج ایک عجیب بات ہوئی، اگرچہ اس طرح کے کئی کرشمے دیکھ چکا ہوں، پھر بھی حیرت ہے کہ بڑھتی جا رہی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کیا ماجرا ہے؟

مریم:۔ آپ ہمیشہ بات ایسے الفاظ میں شروع کرتے ہیں کہ سننے والے کا اشتیاق بڑھ جاتا ہے، اور آپ اس کی بے کلی سے لطف لیں، بتائیے نا کس عجیب بات کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں آپ؟

احمد ایاز:۔ حضرت نے اپنے ایک مرید سے فرمایا۔" خدا ان لوگوں کو نہیں چھوڑتا، جو اس کے ہو رہتے ہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آیا، اس کا مطلب کیا ہے، پھر حضرت نے فرمایا احمد ایاز تم بالکل فکر نہ کرو جو کچھ ہوگا ٹھیک ہوگا، نہ تم کچھ کر سکتے ہو نہ میں، سب کچھ خدائے بزرگ و برتر کے دستِ قدرت میں ہے، قطب الدین کیا کر سکتا ہے جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے، یہ بھی کچھ عجیب سی باتیں تھیں، ان باتوں کا کیا موقع تھا، میں نہیں سمجھ سکا،

مشترک ہے، لیکن وہ نہیں جو پہلے تھا، اب ایک نیا مقصد ہے جو دل کے دامن کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے، اسلام کی محبت، مسلمانوں کی الفت اور وقت کے بہت بڑے مسلمان سے والہانہ عقیدت جن کی ہم جان لینا چاہتے تھے، انہیں پر قربان ہوجانا اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھ رہے ہیں، اب ہر وہ شخص قابل نفرت ہے جس سے اسلام کو، مسلمانوں کو ذرا بھی گزند پہنچے، ہر وہ شخص قابل عزت اور لائق احترام ہے، جو اسلام کا خادم ہو اور مسلمانوں کا پشتی بان ہو، حضرت خواجہ صاحب کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ اسلام کے پیامبر ہیں، اسلام کے مبلغ ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، رات کو عبادت کرتے ہیں، جو آتا ہے اس کے سامنے اپنے کردار کی ایسی من موہن تصویر پیش کرتے ہیں کہ پھر وہ انہی کا ہو رہتا ہے، پھر کسی اور چوکھٹ پر اس کا سر جھکتا ہی نہیں میں جب یہاں آئی تھی تو ہر دیو کی محبت میں چور تھی، میرے دل سے مسلمانوں کی نفرت دور ہوگئی، اس لئے کہ ہر دیو مسلمان ہوگیا، اور میرا انگ انگ اس سے محبت کرتا تھا، میں ہر اس چیز کو اچھا سمجھنے پر مجبور تھی۔ جو ہر دیو کو پسند ہو، لیکن یہاں آکر مسلمانوں کو دیکھا، اسلام کو پرکھا، اور اسلام کے ایک بہت بڑے ترجمان کی زندگی پر نظر ڈالی تو خود بھی مسلمان بن گئی، میں ہر دیو کے واسطے سے مسلمان ہوئی، لیکن اب اگر ہر دیو بھی چاہے تو اسلام کو نہیں چھوڑ

رہنا ہے، جب تک چودھویں تاریخ کا چاند طلوع ہوکر غروب نہ ہو جائے، آگے جو کچھ بھی ہو، ———

اور ہاں مریم میں اپنے وعدہ پر قائم ہوں، اگر چاہو تم بھی میرے ساتھ چل سکتی ہو، لیکن مردانہ لباس میں، کوئی پوچھے گا تو کہہ دوں گا، یہ میرا محبوب دوست ہے،

یہ سن کر مریم خوش ہوگئی، اس نے ممنون لہجہ میں جواب دیا:-

"ضرور چلوں گی، لیکن صبح نہیں شام کو، جو کچھ ہونا ہے شام ہی کو ہونا ہے، پھر شام کے پہنچنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ میرے مردانہ لباس سے کوئی شک میں نہیں پڑیگا"

"اچھا آپ نماز پڑھ لیجئے وقت نکلا جارہا ہے"

احمد ایاز نماز پڑھنے چلا گیا، مریم بستر پر لیٹ گئی، اور سوچنے لگی، انسان کی زندگی بھی کتنی ہزار پہلو ہے، ایک وہ زمانہ تھا کہ ہم دونوں اسلام سے نفرت کرتے تھے، مسلمانوں کے نام سے چڑتے تھے، ان کے عروج و فروغ سے جلتے تھے، ان کے خون کے پیاسے تھے، فیصلہ کر چکے تھے، دلی فتح کریں گے، اور شاہی محل پر ادوم کا جھنڈا لہرائیں گے، لیکن اب وہ باتیں خواب و خیال بن گئیں، اب ہردیو، ہردیو نہیں احمد ایاز ہے، لاجونتی لاجونتی نہیں، مریم ہے، دونوں کی زندگی کا مقصد اب بھی

احمد ایاز نے پوچھا:۔

کیا بات ہے مریم؟ تم اب تک جاگ کیوں رہی ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟ سر کا درد تو پریشان نہیں کرتا؟

وہ مسکراتی ہوئی بولی:۔

طبیعت بالکل ٹھیک ہے، لیکن نیند نہیں آتی، نہ جانے کیوں؟

احمد ایاز نے کہا:

تمہاری عادت ہے، تم سوچتی زیادہ ہو، لہذا نیند کم آتی ہے، صبح جلدی اٹھنا ہے، اب سو جاؤ۔

مریم نے کوئی جواب نہیں دیا، اور کروٹ بدل لی، گویا اب وہ سونے کی کوشش کر رہی تھی، احمد تھکا ہوا تھا، لیٹتے ہی سو گیا۔

سکتی ، ہردیو کو چھوڑ دوں گی مگر اسلام کے دامن سے لپٹی رہوں گی ، ساری دنیا ایک طرف اور ہر دیو ایک طرف ، دنیا پر لات مار دوں گی اور ہر دیو کو لے لوں گی ، لیکن اسلام ایک طرف اور ہر دیو ایک طرف ، اگر وقت پڑے اور ضرورت ہوئی تو ہر دیو سے منہ پھیر لوں گی ، اسلام سے آنکھیں نہیں پھیر سکتی ، ہر دیو دنیا سے اونچا ہے ، اور اسلام ہر دیو سے بھی اونچا ہے ، یہ کتنا بڑا انقلاب ہے ، میں دل ہی دل میں ہر دیو کو ملامت کرتی کتنی کہ وہ میری پرواہ نہیں کرتا ، اسلام کے پیچھے پڑا ہے ، اور اب میں خود اسی مرض میں مبتلا ہوں ، میں بھی کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتی ، سوائے اسلام کے ، وہی میری زندگی ہے ، وہی میرا اوڑھنا ، بچھونا ، اس کے سوا اب ذہن و دماغ میں کوئی بات آتی ہی نہیں ،

(۰)

احمد ایاز نے وضو کیا ، نماز پڑھی ، اور بڑی دیر تک پڑھی ، پھر حضرت کے بتائے ہوئے وظیفے پڑھنے لگا ، اس میں بھی کافی وقت صرف ہوگیا ، اتنی رات گذر گئی کہ تہجد کا وقت آگیا ، سوچا جاگ رہا ہوں ، کیوں نہ لگے ہاتھوں تہجد سے فراغت کر لوں ، پورے خشوع و خضوع سے تہجد کی نماز پڑھ لی ، پھر اطمینان سے بستر پر آیا لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ مریم کروٹیں بدل رہی ہے ، ابھی تک نہیں سوئی ، سوتا بننے کی کوشش کر رہی ہے لیکن نیند نہیں آتی۔

سپاہی لے کر سندھ میں داخل ہوا ، وہ راجا داہر کی فوج سے لڑا ، جس کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی ، اور کامیاب ہوا، اس کے زمانہ میں سندھ کی سرحد ملتان تک تھی ، اس کے بعد انقلابات کا دور شروع ہوا ، اور درۂ خیبر کے راستے محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کا آغاز کیا ، اس نے پے در پے سترہ حملے کئے اور سارے ہندوستان کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا ، ہندوستان کو مکمل طور پر فتح کر لینے کے بعد اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہیں رہ جائے ، لیکن فوج کا منشا نہ پایا ، واپس چلا گیا ، البتہ پنجاب کو مستقل طور پر اپنی حکومت میں شامل کر لیا ، غزنوی کے بعد اس کی اولاد سلطنت نہیں سنبھال سکی ، اب شہاب الدین غوری کا دور شروع ہوا دلّی اور اجمیر کے راجہ سے تراوڑی (کرنال) کے میدان میں زبردست جنگ ہوئی ، پرتھوی راج کے ساتھ ہندوستان کے ڈیڑھ سو راجا اپنی اپنی فوجوں سمیت مدد کے لئے موجود تھے ، غوری جیتا اور پرتھوی راج ہار گیا ، غوری نے بھی ہندوستان میں قیام نہ اختیار کیا ، اپنے ایک غلام قطب الدین ایبک کو باقی ہندوستان کے فتح کرنے پر مامور کیا ، اور خود واپس چلا گیا ،

قطب الدین نے دلّی کی طرف کوچ کیا ، یہاں آکر لال کوٹ

(۳۱)
باب

کرامت

قطب الدین کو اپنے باپ سے وراثت میں صرف بادشاہت ملی تھی، اور کچھ نہیں ملا تھا، نہ حکمت نہ تدبیر، نہ بہادری، نہ شجاعت، نہ معاملہ فہمی، نہ دور اندیشی، وہ ظالم تھا اور خونخواری اس کی سرشت تھی، عیاشی اور بدچلنی میں اس کا جواب نہ تھا، بزرگانِ دین کا مذاق اڑاتا تھا، مذہب اور روایات مذہب سے اسے کوئی سروکار نہ تھا، عیش اور عیاشی، یہی اس کی زندگی کا مقصد تھا،

۹۲ھ میں محمد بن قاسم ۱۷ سال کی عمر میں صرف پانچ ہزار

خلجی ـــــ سریر آرائے حکومت ہوا،

جلال الدین کو حضرت سلطان المشائخ سے بڑی عقیدت تھی، اس لئے کئی بار بارگاہ میں حاضر ہونے کی کوشش کی، مگر حضرت نے اسے پسند نہ کیا، جلال الدین کے بعد اس کا بھتیجا علاؤ الدین خلجی بادشاہ ہوا، یہ بھی حضرت سے ارادت رکھتا تھا، ایک عرصہ تک اس نے جاہ جلال کے ساتھ حکومت کی، پھر اپنے محبوب غلام ملک کافور کے ہاتھوں زہر کھا کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا، ملک کافور نے اپنی بادشاہت کے انتظامات علاؤ الدین خلجی کی زندگی ہی میں مکمل کر لئے تھے، ولی عہد خضر خاں کو گوالیار کے قلعہ میں بادشاہ کے حکم سے نظر بند کر دیا تھا، اس کی وفات کے بعد سات برس کے ننھے بچے شہاب الدین کو تخت پر بٹھایا اور خود اس کا نائب بن کر بادشاہت کرنے لگا، روز بروز اس کے اثر و اقتدار میں اضافہ ہو رہا تھا، لیکن ایک کانٹا ابھی باقی تھا۔ وہ تھا قطب الدین ۔ یہ علاؤ الدین کا منجھلا بیٹا، بظاہر بالکل بے بس لیکن نہایت زیرک اور چالاک، اس نے حکمت عملی سے کام لے کر کافور کو قتل کروا دیا۔ اور خود مالک تاج و نگیں بن گیا۔

تخت پر بیٹھنے کے بعد قطب الدین نے پہلا کام یہ کیا کہ جن لوگوں نے اس کے اشارے سے کافور کو قتل کیا تھا ان

کے قلعہ پر حملہ آور ہوا ، جہاں ہندوؤں کی بہت بڑی فوج مقابلہ کے لئے موجود تھی ، ایک خوں ریز جنگ کے بعد ہندوؤں کو شکست ہوئی ، اور ایبک ایک فاتح کی حیثیت سے قلعہ کے اندر داخل ہوگیا ، اس فتح کی یادگار میں اس نے ایک مسجد تعمیر کی جس کا نام قوت الاسلام رکھا ، قطب مینار اسی مسجد کا ایک مینار ہے ۔قطب الدین نے خاندانِ غلامان کی بنیاد رکھی ، جو کافی عرصہ تک ہندوستان پر حکومت کرتا رہا ، قطب الدین کے بعد اس کا ایک غلام شمس الدین التمش ہندوستان کا شہنشاہ ہوا ، اس کے بعد اس کی بیٹی رضیہ سلطانہ کئی سال تک ہندوستان پر حکومت کرتی رہی ، کچھ عرصہ کے بعد ایک اور ترک غلام غیاث الدین بلبن ہندوستان کا بادشاہ بن گیا ، اسی بلبن کے عہد حکومت میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ۱۶ سال کی عمر میں اپنے وطن بدایوں سے دلی تشریف لائے ، اور دلی میں اقامت گزیں ہو گئے ۔

بلبن کے انتقال کے بعد اس کا پوتا معزالدین کیقباد تختِ حکومت پر بیٹھا ، یہ آوارہ عیاش اور بدچلن آدمی تھا ، آخر اس کو پنجاب کے صوبہ دار جلال الدین خلجی نے بغاوت کرکے قتل کردیا ، اور خود بادشاہ ہوگیا ، کیقباد کے قتل نے خاندان غلامان کا خاتمہ کردیا ، اور اب ایک نیا خاندان —

بھی اس کے پاس تھا، یعنی شاہی محل کی کنجی اس کے پاس رہتی تھی، اور اس کی عادت تھی کہ رات کو بادشاہی محل کے دروازے پر رہتا تھا، ایک ہزار آدمی اس کے ماتحت تھے، ہر رات کو ڈھائی ڈھائی سو آدمی پہرے پر رہتے تھے، باہر کے دروازے سے اندر کے دروازے تک دو رویہ صف باندھے، اور ہتھیار لئے کھڑے رہتے تھے، چنانچہ جب کوئی شخص محل کے اندر داخل ہوتا تھا، تو ان کی صفوں کے درمیان سے گزرنا پڑتا تھا، ان لوگوں کو نوبت والے کہتے تھے، یہ قاضی خاں خسرو ملک سے نہایت نفرت کیا کرتا تھا، اور خسرو ملک چونکہ ہندو تھا، اور ہندوؤں کی بہت جانبداری کرتا تھا، اس لئے قاضی خاں اس سے ناراض تھا، اور ہر موقع پر بادشاہ سے عرض کیا کرتا تھا کہ اس سے خبردار رہنا چاہئے لیکن بادشاہ کچھ نہ سنتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ من گھڑت افسانے اور داستانیں دشمن نے وضع کی ہیں، یہ باتیں جانے دو۔ چونکہ خداوند تعالیٰ کی قضا میں تھا کہ بادشاہ قتل کیا جائے، اس لئے اس کے کان پر جوں نہ رینگتی، ایک روز خسرو خاں نے بادشاہ سے کہا کہ بعض ہندو مسلمان ہونا چاہتے ہیں، اس وقت یہ دستور تھا کہ جو بادشاہ کے سلام کو حاضر ہوتا تھا، بادشاہ کی طرف سے اس کو خلعت اور سونے کی کنگن انعام میں ملتے تھے، بادشاہ نے

خسرو خاں کے راستے میں دو رکاوٹیں تھیں، حضرت سلطان المشائخ اور امرائے دربار، وہ جانتا تھا کہ قدیم امراو جب تک موجود ہیں میری دال نہیں گلتی، اور حضرت سلطان المشائخ جب تک زندہ ہیں میرے ارادے پورے نہیں ہو سکتے اس نے امرائے دربار کا قلع قمع تو کر دیا، لیکن حضرت سلطان المشائخ کا کچھ نہ بگاڑ سکا، اس نے بادشاہ کو پٹی پڑھائی کہ آپ کا بھائی خضر خاں اور دوسرے بھائی شادے خاں اور ابوبکر خاں حضرت کے مرید تھے لہٰذا حضرت یہ چاہتے ہیں کہ اپنے مریدوں کا انتقام لیں، اور آپ کو قتل کرا دیں، یہی وجہ تھی کہ قطب الدین طرح طرح سے حضرت کو تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا، کبھی کوئی اعتراض کرتا، کبھی کوئی، آخر ایک مرتبہ اس نے حکم دیا کہ اب کی چودھویں تاریخ کو اگر حضرت دوسرے لوگوں کی طرح دربار شاہی میں دعائے درازئ عمر و ترقی اقبال دینے نہ حاضر ہوئے تو زبردستی لایا جائے گا، حضرت کسی طرح بھی وہاں جانے پر رضامند نہ تھے۔

خسرو خاں قطب الدین کے امیروں میں سے تھا بڑا بہادر اور خوبصورت جوان تھا، قطب الدین خسرو سے نہایت محبت رکھتا تھا؛ قطب الدین کا استاد قاضی خاں صدر جہاں تھا، وہ امرائے عظیم الشان میں سے تھا، اور کلید برداری کا عہدہ

خسرو خاں نے اسی وقت امیروں اور افسروں کو بلا بھیجا، ان کو کچھ معلوم نہ تھا، وہ جو داخل ہوئے تو خسرو ملک تخت پر بیٹھا تھا، ان سب نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی، صبح تک اس نے کسی کو جانے نہ دیا، صبح ہوتے ہی اپنی بادشاہت کو مشتہر کر دیا، اور دار الخلافہ سے باہر تمام امیروں کے نام پروانے بھیجے، اور گراں بہا خلعت بھی روانہ کئے، سب نے اس کی اطاعت منظور کر لی، جب خسرو ملک بادشاہ ہوا تو اس نے ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دیئے اور حکم دیا، تمام ملک میں کوئی گائے ذبح نہ کرنے پائے "ہندو گائے کا مارنا جائز نہیں رکھتے: اگر کوئی گائے ذبح کر لیتا ہے تو وہ اس کو اسی گائے کی کھال میں سلوا کر جلا دیتے ہیں، یہ گائے کی نہایت تعظیم کرتے ہیں اور اسے بہت مقدس خیال کرتے ہیں، ثواب کے لئے نیز بطور دوا کے بھی اس کا پیشاب استعمال کرتے ہیں، اور اس کے گوبر سے اپنے گھر اور دیواریں لیپتے ہیں، خسرو چاہتا تھا، مسلمان بھی ایسا ہی کریں[۱]"،

---

[۱] سفر نامہ ابن بطوطہ

کہا اندر لے آؤ، خسرو ملک نے کہا وہ رات کو آنا چاہتے ہیں
دن میں اپنے رشتہ داروں سے شرم کرتے ہیں، بادشاہ نے کہا
اچھا رات کو لے آؤ، خسرو ملک نے اچھے اچھے بہادر ہندو
منتخب کئے، جن میں اس کا بھائی (جاہریا خان خاناں) بھی
تھا، موسم گرمی کا تھا، بادشاہ سب سے اونچی چھت پر تھا،
اور اس کے پاس سوائے چند غلاموں کے اور کوئی نہ تھا، کیونکہ بظاہر
کسی طرح کا اندیشہ نہیں تھا! جب وہ چاروں دروازے کے
اندر چلے آئے، اور پانچویں دروازے پر پہنچے تو انہیں مسلح دیکھ
کر قاضی خاں کو شک ہوا، اس نے روکا اور کہا، اخوند عالم
(بادشاہ) کی اجازت لے آؤں، ان لوگوں نے ہجوم کرکے
قاضی خاں کو مار ڈالا، غل جو ہوا بادشاہ نے پوچھا کیا ہے؟
خسرو ملک نے کہا۔ وہ ہندو آتے ہیں، اور قاضی خاں ان کو
روکتا ہے، کچھ تکرار ہوگئی ہے، بادشاہ خائف ہوکر محل کی طرف
چلا، دروازہ بند تھا، اس نے دروازہ کھٹ کھٹایا، پیچھے
سے خسرو خاں نے اس کو قابو میں کرلیا، بادشاہ زبردست تھا
اس کو نیچے دبا لیا، اتنے میں وہ ہندو آگئے، خسرو خاں نے
پکار کر کہا کہ بادشاہ نے مجھے نیچے دبا رکھا ہے، انہوں نے
بادشاہ کو قتل کر ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر صحن میں پھینک دیا
دیکھتے ہی دیکھتے تختہ الٹ گیا، کچھ سے کچھ ہوگیا،

احمد ایاز:- یاد دلاؤ، میں نے کون سا وعدہ کیا تھا، ضرور اس کی تعمیل کروں گا۔

مریم:- یہ کہ میں بھی آپ کے ساتھ شانہ بشانہ حضرت پر اپنی جان قربان کرنے چلوں گی۔

احمد ایاز:- اوہ۔ ہاں، میں نے یہ وعدہ کیا تھا، مجھے حضرت کے پاس جانے دو، ان کی اجازت بغیر نہ میں کچھ کر سکتا ہوں نہ تم، میں ان سے دریافت کروں گا اگر انہوں نے اجازت دے دی تو شوق سے چلنا، ورنہ پھر رات کی تاریکی میں مردانہ لباس پہن کر چلنا۔

مریم:- اب آپ نے ایک نئی بات پیدا کی۔

احمد ایاز:- نہیں مریم غلط سمجھ رہی ہو، ایسا نہ ہو حضرت کی خوشنودی کی بجائے ہم ان کے عتاب کے مستحق قرار پائیں، ان سے اجازت لئے بغیر ہم میں سے کسی کے لئے بھی مناسب نہیں کہ اتنا بڑا اقدام کر گزرے۔

مریم خاموش ہو گئی، اور احمد ایاز حضرت کے آستانے کی طرف روانہ ہوا۔ واقعی اسے اپنی جان کی کوئی پرواہ نہ تھی، وہ ہر قیمت پر اپنے پیر و مرشد کی سلامتی پر اپنی جان قربان کر سکتا تھا، وہ ہر حالت میں حضرت کو تو چشم زخم سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا، وہ متفکر و مغموم حضرت کے حضور میں داخل

احمد ایاز صبح نماز سے فارغ ہو کر مریم کے پاس آیا
اور کہا :-

مریم ! خدا حافظ اب میں جاتا ہوں ،
مریم نے استقلال کے ساتھ کہا ،

جس مبارک کام پہ آپ جا رہے ہیں ، میں اس سے
روک نہیں سکتی ، میں نے ابھی نماز پڑھ کر خدا سے دعا کی ہے
یا تو آپ کامیاب واپس آئیں ، ورنہ اپنے مقصد پہ جان قربان
کر دیں ۔

احمد ایاز :- جزاک اللہ ، مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی تمہاری
اسلامی حمیت اور مذہبی عقیدت پر مجھے رشک آتا
ہے ، تم نے میرے بعد اسلام قبول کیا ، لیکن مجھ
سے بہت آگے بڑھ گئیں ،

مریم :- آپ مجھے ان الفاظ سے بہلانے کی کوشش نہ کریں ۔
احمد ایاز :- کیا مطلب ؟ کیا تم سمجھتی ہو میں تمہیں بنا رہا
ہوں ؟

مریم :- نہیں یہ تو نہیں سمجھتی ، لیکن یہ ضرور سمجھتی ہوں کہ
آپ جی بہلا رہے ہیں ، آپ نے مجھ سے کیا وعدہ
کیا تھا یاد ہے ؟ ابھی کچھ ایسی مدت بھی نہیں گزری
اس وعدے کو ،

کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما
فکرِ ما درکارِ ما آزارِ ما

اگر خدا یہ چاہتا ہے کہ یہ فقیر زندہ رہے تو دس ہزار قطب الدین بھی کچھ نہیں کر سکتے، اور اگر وقت آگیا تو یہیں اسی جگہ بیٹھے بیٹھے موت آسکتی ہے،

احمد ایاز حضرت کی یہ باتیں سنتا رہا، پھر اس نے ڈرتے ڈرتے کہا :-

"مجھے اور کوئی اندیشہ تو نہیں، البتہ یہ فکر ضرور ہے کہ قطب الدین یا اس کے آوردے یا اس کے سپاہی، حضور والا کے ساتھ کوئی بےادبی نہ کر گزریں"

حضرت نے جواب دیا :

"ادب اور عظمت صرف خدا کے لئے ہے، ہم جیسے معمولی بندے اپنے بارے میں غلط اندازے عظمت کے کیوں قائم کریں ؟

احمد ایاز :- کچھ بھی ہو، لیکن غلام کا یہ فیصلہ اٹل ہے کہ کسی قیمت پر بھی دشمنوں کو گستاخی کی اجازت نہ دے گا، اگر اس طرح کی کوئی حرکت ہوئی تو وہ یہیں اور اسی جگہ اپنے مرشد پر قربان ہو جائے گا"

ہوا ، اور ادب سے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا ، حضرت نے تبسم فرماتے ہوئے اسے دیکھا اور فرمایا:

" احمد کیا بات ہے ؟ آج تم افسردہ سے نظر آرہے ہو ؟ کوئی خاص بات ہو تو بتاؤ "

احمد ایاز نے عرض کیا :۔

" یا حضرت جب سے اسلام کی دولت ملی ہر فکر ، ہر خوف اور ہر اندیشہ سے غلام بے نیاز ہو چکا ہے ، بات صرف یہ ہے کہ آج چودہ تاریخ ہے ——— "

احمد ایاز اس سے آگے کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ حضرت نے متبسم لہجے میں فرمایا :۔

" ہاں ہم جانتے ہیں ، تمہیں ہماری کتنی فکر ہے ، اس فکر میں ہماری بیٹی مریم تم سے بھی دو قدم آگے ہے ، بجا طور پر تمہیں اس پر رشک آنا چاہیئے ، لیکن میرے عزیز ! انسان ، انسان کو نہیں بچا سکتا ، وہ تو صرف خدا ہی ہے جو سب کی رکھوالی کرتا ہے ، خواہ وہ چیونٹی ہو یا ہاتھی ، انسان ہو یا جانور ۔ خوب فرمایا ہے ، مولانا روم نے ، تم نے ان کی مثنوی تو پڑھی ہو گی ؟

قطب الدین کا وہی حشر ہوا جو ہونا چاہئے تھا ، اس نے خود موت کو دعوت دی ، اس نے خود ہلاکت کو بلایا ، اور ہلاک ہوگیا ، انسان جب خدائی کا خواب دیکھنے لگتا ہے تو خودی کو بھول جاتا ہے ، اسے خدا کبھی معاف نہیں کرتا ، کاش ایسا نہ ہوتا ، لیکن مشیتِ خداوندی میں کسی کو چارہ نہیں ، اور ہاں تم نے بتایا کہ خسرو خاں تختِ حکومت پر قابض ہوگیا ،

خادم نے دست بستہ جواب دیا ،

غلام کو یہی اطلاع ملی ہے ،

کچھ دیر تامل کرنے کے بعد حضرت نے فرمایا ،

دلّی کی قسمت میں نہ جانے کیا لکھا ہے ، انقلابات کا ایک تسلسل ہے ، میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں ، خسرو خاں کی حکومت بھی قائم نہیں رہ سکتی ، وہ منافق اور بد نفس ہے ، اس کی حالت یہ ہے کہ بظاہر مسلمان در پردہ کافر ، اس نے اپنے آقا کے ساتھ غداری کی ہے ، اسے اپنے اعمال کی سزا

حضرت نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہا ،

" تمہیں ابھی زندہ رہنا ہے ، بہت سے کام
انجام دینا ہیں ، تم ابھی موت کی وادی سے
بہت دور ہو ، موت کا نشانہ کوئی اور ہی ہے "

حضرت کے منہ سے یہ الفاظ ابھی نکلے ہی تھے کہ ایک خادم ہانپتا کانپتا حاضر ہوا ، اور اس نے عرض کیا ،

" یا حضرت ایک بہت عجیب خبر سننے
میں آئی ہے ـــــــ بہت عجیب ، بڑی
دہشت انگیز !

حضرت نے منہ سے کچھ نہ فرمایا اور اس کی طرف دیکھنے لگے اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا :-

" قطب الدین قتل کر دیا گیا ، خسرو خاں
نے اسے ہلاک کر دیا ، اور اب ناصرالدین محمد
کے نام سے وہی تخت حکومت پر متمکن ہے[1]
امرائے دربار نے اس کی بادشاہت منظور
کرلی ہے "

یہ باتیں سنکر حضرت کے چہرے پر ایک جلال کی سی کیفیت طاری ہوگئی ، اور انہوں نے فرمایا :-

---

[1] تاریخ فیروز شاہی

لے رہا، پیرومرشد!

سلطان المشائخ :- وہ کون سا اندیشہ ہے —— تم صاف صاف کیوں نہیں کہتے؟

احمد ایاز :- خسرو شاہ جتنا دشمن قطب الدین کا تھا اس سے زیادہ عداوت اسے میرے مرشد سے ہے!

سلطان المشائخ :- ہاں، ہم جانتے ہیں، وہ ہمیں اپنے راستے کا کانٹا سمجھتا ہے،

احمد ایاز :- اب حکومت اس کے ہاتھ میں آچکی ہے، ممکن ہے وہ پہلا وار اسی آستانے پر کرے،

سلطان المشائخ :- ایسا ہوسکتا ہے، بشرطیکہ قدرت اسے مہلت دے قطب الدین کا انجام تم دیکھ چکے ہو، خسرو شاہ بہت جلد اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔

ان باتوں سے احمد ایاز کے دل کو بڑی توت ملی، اس نے اندازہ کرلیا کہ جس شخص کی روحانی طاقت نے قطب الدین جیسے شہنشاہِ وقت کو کچل کر رکھ دیا، خسرو شاہ جیسا شخص اس کے مقابلہ میں ایک لمحہ بھی نہیں ٹھیر سکتا، دفعتاً اس کا مرجھایا ہوا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا، اور تھوڑی دیر بیٹھ کر دل میں مسرتوں کا طوفان لئے وہ اپنے گھر کی طرف چلا تاکہ پریشان مریم کے کانوں تک یہ خوشخبری پہنچا سکے،

بھگتنا ہے، وہ کسی طرح بھی قدرت کے انتقام
سے نہیں بچ سکتا،

احمد ایاز نے حضرت کے خاموش ہونے کے بعد عرض کیا،

میں خسرو خاں کو اچھی طرح جانتا
ہوں، وہ مجھے اب تک ہندو سمجھتا ہے
اس لئے اس نے اپنی ہندویت مجھ سے
پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کی، وہ سمجھتا
ہے جس طرح وہ منافق ہے اسی طرح
میں نے بھی ظاہری طور پر اپنے مسلمان
ہونے کا اعلان کیا ہے، میں نے دل
سے اسلام نہیں قبول کیا ہے، ایک مرتبہ
اس نے مجھ سے صاف الفاظ میں کہا تھا'
قطب الدین میرے ہاتھ سے قتل ہوگا اور
ہندوستان کی حکومت میرے قبضہ میں
آئے گی،

حضرت نے فرمایا

'ہاں ہندوستان کی حکومت اس کے
ہاتھ میں آگئی، لیکن رہ نہ سکے گی،

احمد ایاز :۔ لیکن اب میرے دل میں ایک اور اندیشہ کروٹ

احمد ایاز نے پُرشوق نظروں سے اسے دیکھا اور کہا،

"وہ تمہیں بیٹی کہتے ہیں، اس سے زیادہ
اور کیا چاہتی ہو"

ایک انداز خاص کے ساتھ وہ خفا ہوتی ہوئی بولی:

توبہ آپ تو ہر وقت ستایا کرتے ہیں
ہماری جان پر بنی ہے، اور آپ کو ہنسی
مذاق کی باتیں سوجھ رہی ہیں، یہ بھی کوئی
بات ہوئی، واہ اچھی رہی'

احمد ایاز:۔ اچھا ہم خاموش رہتے ہیں، نہ منہ سے کچھ بات نکلے گی نہ شکایت کا موقع ملے گا،

مریم:۔ جو چاہے کیجئے، پہلے یہ بتایئے حضرت نے مجھے اور آپ کو اپنی ذات گرامی پر قربان ہونے کی اجازت دی یا نہیں؟

احمد ایاز:۔ نہیں انکار کر دیا،

مریم:۔ کیا آپ کو بھی نہیں؟ ——— آپ کو تو مل گئی ہوگی اجازت؟

احمد ایاز:۔ نہیں مجھے بھی نہیں،

مریم:۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) واقعی ہم دونوں بڑے بدقسمت ہیں۔ ——— اب کیا ہوگا؟ کیا حضرت بادشاہ کے

مریم اس کی منتظر بیٹھی تھی، چہرہ کا ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا، دل میں نہ جانے کس کس طرح کے خیالات آرہے تھے، وہ سخت پریشان تھی، جب سے احمد ایاز گیا تھا وہ مصلے پر بیٹھی دعائیں مانگ رہی تھی۔ سجدے کر رہی تھی۔ اپنے رب سے گڑگڑا گڑگڑا کر اپنے آقا اور مرشد کے لئے بڑے درد بھرے الفاظ میں التجا کر رہی تھی، کہ ہم سب قربان ہو جائیں لیکن حضرت سلطان المشائخ کو کسی طرح گزند نہ پہنچے۔ دعا کے لئے اس کے ہاتھ بلند تھے، کہ اس نے احمد ایاز کو آتا دیکھا، وہ بیتابانہ اٹھ کھڑی ہوئی، اپنے تک اس کے آنے کا انتظار نہ کر سکی خود لپک کر اس کے پاس پہنچ گئی، اور کہنے لگی:۔

"آپ آگئے؟ میں آپ کا انتظار کر رہی تھی"

احمد ایاز نے تبسّم کے پھول بکھیرتے ہوئے جواب دیا

"ہاں مریم میں آگیا، لیکن تم اتنی پریشان اور اداس کیوں ہو؟ پگلی میں تمہارے لئے ایک بہت بڑی خوشخبری لایا ہوں"

بے قرار ہو کر مریم بولی،

سب سے پہلے یہ فرمایئے، حضرت نے میرے بارے میں کیا فرمایا؟

مریم :- (سہم کر) پھر اب کیا ہوگا؟ یہ تو بہت بُرا ہوا،

سلطان المشائخ :- وہی جو قطب الدین کے ساتھ ہو چکا ہے، دونوں مسکرانے لگے۔

دربار میں تشریف لے جائیں گے ،

احمد ایاز :- نہیں ، وہ خود سب سے بڑے دربار میں پہنچ گیا ، اب کسی کی قسمت کا فیصلہ اس کے ہاتھ میں نہیں وہ خود اپنی قسمت کے فیصلہ کا منتظر ہے ، ایک بے بس اور بے کس انسان کی طرح !

مریم :- یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ؟ میں بالکل نہیں سمجھی ، ان باتوں سے آپ کا مقصد کیا ہے ؟

احمد ایاز :- اتنی ذہین اور ذکی ہو ، لیکن اتنے صاف اور واضح الفاظ کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکتیں ؟

مریم :- اس وقت میرا دماغ ماؤف ہے ، عقل کام نہیں کرتی ، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہوں ، زیادہ پریشان نہ کیجئے ، صاف صاف بتائیے کیا بات ہے ، کیا کہنا چاہتے ہیں آپ ؟ —— میرے صبر اور ضبط کا زیادہ امتحان نہ لیجئے !

احمد ایاز :- قطب الدین خلجی قتل کر ڈالا گیا ،

مریم :- (خوش ہوکر) واقعی ! سچ ؟

احمد ایاز :- ہاں مریم ، یہ واقعہ ہے ،

مریم :- اب بادشاہت کا تخت کس کے قبضہ میں آیا ،

احمد ایاز :- قطب الدین کے نمک حرام غلام خسرو کے قبضہ میں ،

لیکن ان کے عہدے چھین لئے، امتناع گاؤکشی کا حکم صادر کیا، اور فرمان نافذ کردیا کہ جو کوئی گائے ذبح کرتا پکڑا جائے گا، اسے عبرت انگیز سزا دی جائے گی، گجراتی ہندوؤں نے ایک طرف مساجد کی بے حرمتی شروع کی، دوسری طرف شہریوں کو لوٹنا، ایک عجیب افرا تفری کا عالم تھا،

خسرو شاہ جانتا تھا مسلمان اس وقت تک رام نہیں ہوسکتے، جب تک علماء و مشائخ اس کا ساتھ نہ دیں، اس کی تلوار نے سب کی زبانیں بند کردیں، سب پر دہشت اور سراسیمگی کی کیفیت طاری کردی، اس کی زر پاشی نے علماء اور مشائخ کے منہ پر تالے لگا دیئے، البتہ حضرت سلطان المشائخ کو وہ رام نہ کرسکتا تھا، اس نے چاندی کی سینیوں میں سونے کے سرپوش سے ڈھک کر چار لاکھ روپیہ حضرت کی خدمت میں بھیجا، جس وقت یہ روپیہ آیا، آپ نے احمد ایاز سے مخاطب ہوکر فرمایا:-

"ہمیں روپے کی ضرورت نہیں، یہ روپیہ ہماری خانقاہ میں بار نہیں پا سکتا، جاؤ ابھی اور اسی وقت فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم کردو! یہ سینیاں بھی اور یہ سرپوش بھی،

احمد ایاز روپیہ تقسیم کرکے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا،

(۳۴۳)

باب

جلالِ فقر!

دلی پر اب خسرو شاہ ناصر الدین احمد کے نام سے حکومت کر رہا تھا، اس نے تخت پر بیٹھتے ہی فرمان صادر کر دیا جو سر اطاعت خم کرے گا مالا مال کر دیا جائے گا، جو سرکشی کا ثبوت دے گا اس کی جان سلامت نہ رہے گی،۔ ایک طرف اس نے جود و عطا، داد و دہش، سخاوت اور دریا دلی کے مظاہرے شروع کئے، دوسری طرف نظامِ حکومت میں تبدیلی کا آغاز کر دیا، فوج بالکل بدل دی، گجرات سے چالیس ہزار ہندو منگائے، اور انہیں اعلیٰ اعلیٰ مناصب سونپ دیئے، مسلم حکام و عمال کو بہت زیادہ انعام و اکرام دیا،

کی بیعت نہیں کی بلکہ بغاوت پر آمادہ ہے،

سلطان المشائخ :۔ وہ کون ۔ شاید تم غازی ملک کا ذکر کر رہے ہو، جو ملتان اور دیپال پور کا گورنر ہے، اور مغلوں کے سرحدی حملے بڑی بہادری اور شجاعت سے روکتا رہتا ہے،

احمد ایاز :۔ بجا ارشاد ہوا ، غازی ملک کے پاس جب خسرو شاہ نے خلعت بھیجا تو اُس نے پھاڑ کر پھینک دیا اور کہا میں ایک نمک حرام اور غدار کا خلعت قبول نہیں کر سکتا ۔

سلطان المشائخ :۔ (خوش ہو کر) ہاں اس سے ہمیں ایسی ہی امید تھی، خسرو کے زہر کا تریاق وہی بن سکتا ہے ۔ وہ آئے گا اور خسرو کا تختِ حکومت اُلٹ دے گا، جانتے ہو وہ اب تک کیوں نہیں آیا،

احمد ایاز :۔ میں نہیں جانتا پیر و مرشد،

سلطان المشائخ :۔ اس کا محبوب بیٹا جوناں خاں یہیں دلی میں موجود ہے ، خسرو شاہ نے اسے نظر بند کر رکھا ہے غازی ملک اگر لشکر لے کر آگے بڑھا تو جس بیدردی سے خسرو شاہ نے اپنے آقا قطب الدین کے بچوں کو قتل کر ڈالا اسی طرح جوناں خاں کو قتل کر دیگا۔

حضرت نے فرمایا،

"شہر کا کیا حال ہے؟"

احمد ایاز:- مسلمان پریشان اور مغموم ہیں، ہندوؤں کے حوصلے بڑھ گئے ہیں، آس پاس کے ہندو راجا ہر طرح سے خسرو شاہ کی پشت پناہی کر رہے ہیں، چالیس ہزار ہندو اس نے گجرات سے منگا لئے، دو لاکھ جاٹوں راجپوتوں اور مرہٹوں کا لشکر اس نے اور تیار کر لیا۔ سمجھ میں نہیں آتا انجام کیا ہوگا؟

سلطان المشائخ:- پریشان مت ہو، خدا پر بھروسہ رکھو، طوفان آتا ہے اور گزر جاتا ہے، یہ طوفان بھی گزر جائے گا، ہاں تو بتاؤ کیا تمام امراء نے ناصر الدین محمد کی اطاعت قبول کر لی؟

احمد ایاز:- جی ہاں یہ لوگ اقتدار کے سامنے سر جھکاتے ہیں، روپیہ ان کا آقا ہے، دولت ان کی مالک،

سلطان المشائخ:- ابن الوقت لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، لیکن یہ ماننے کو ہمارا جی نہیں چاہتا کہ کوئی مرد کار بھی ایسا نہیں جو اس طوفان سے ٹکر لینے کی جرأت کرے، اسلام کا توشہ اتنا خالی نہیں ہوسکتا،

احمد ایاز:- ایک شخص ضرور ایسا ہے، جس نے نہ صرف خسرو شاہ

بیعت کر چکے ہیں، کسی میں دم مارنے کی مجال نہیں،

احمد ایاز :۔ آپ کی خوش قسمتی، شک و شبہہ سے بالاتر ہے،

خسرو شاہ :۔ لیکن دو کانٹے ہمارے راستہ میں ایسے ہیں جنہوں نے زندگی دشوار کر دی ہے،

خان خاناں :۔ تم سمجھ گئے ہو گے، یہ کون ہو سکتے ہیں؟

احمد ایاز :۔ نہیں، بالکل نہیں سمجھا،

خان خاناں :۔ ایک تو تمہارے مرشد خواجہ نظام الدین اولیا، ہیں، نہ صرف یہ کہ انہوں نے بیعت نہیں کی بلکہ امیر خسرو کو دربار شاہی میں آنے سے منع کر دیا، یہ کھلی ہوئی بغاوت و سرکشی ہے، اگر انہیں رام کر سکتے ہو تو رام کر لو، ورنہ ہماری تلوار کو یہ گتھی حل کرنا پڑے گی،

خسرو شاہ :۔ حالانکہ ہم اسے پسند نہیں کرتے کہ تارک الدنیا لوگوں کو اپنا دشمن بنالیں،

احمد ایاز :۔ اور وہ دوسرا کانٹا؟

خان خاناں :۔ وہ ہے غازی ملک، ہمیں معلوم ہوا ہے وہ لشکر کشی کی تیاریاں کر رہا ہے،

احمد ایاز :۔ جہاں تک سلطان المشائخ کا تعلق ہے، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا، آپ جانیں اور وہ جانیں، لیکن جہاں تک غازی ملک کا تعلق ہے، شاید میں آپ کی کچھ مدد

احمد ایاز :- میں جوناں خاں کو جانتا ہوں ، خسرو شاہ مجھے جانتا ہے ، اگر مرشد کا حکم ہو تو جوناں خاں کے پاس جاؤں اور اسے ملتان بھیجنے کی تدبیر کروں ،

سلطان المشائخ :- در کارِ خیر ہیچ حاجتِ استخارہ نیست ، اگر یہ کام کر سکتے ہو تو ضرور کرو ،

اس گفتگو کے بعد احمد ایاز خسرو شاہ کے دربار میں پہنچا خسرو شاہ خندہ پیشانی کے ساتھ ملا ، کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں ، پھر احمد ایاز سے خسرو شاہ نے کہا ،

"کیا تم ہمارا ایک کام کر سکتے ہو ؟"

قبل اس کے کہ احمد ایاز کوئی جواب دے خسرو شاہ کے بھائی جاہریا نے جس کا نام خان خاناں رکھا گیا تھا اور جو شاہی فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا تھا ، کہا

" یہ کام صرف ہمارا ہر دیو کر سکتا ہے ، اور کوئی نہیں ، کیوں ہر دیو تم پر اعتماد کیا جائے ؟"

احمد ایاز :- میں جو کام کر سکتا ہوں ضرور کروں گا ، جو کام مجھے کرنا چاہئے اس کے انجام دینے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کروں گا ، فرمایئے آپ کیا چاہتے ہیں ؛

خسرو شاہ :- ہماری بادشاہت عام طور پر تسلیم کی جا چکی ہے ، عوام خواص ، امراء ، علماء ، مشائخ سب ہماری بادشاہی پر

احمد ایاز :- جو تاں خاں کو نظر بند رکھ کر آپ اسے بھی اپنا دشمن بنا رہے ہیں، اور غازی ملک کو بھی ، حالانکہ اگر اسے رہا کر دیں ، تو اُسے بھی آپ کی خیر خواہی کا یقین آجائے گا اور غازی ملک کو بھی ،

خسرو خاں :- اور اگر وہ بھاگ گیا تو ؟

احمد ایاز :- اگر بھاگ گیا تو کیا نقصان پہنچائے گا ، ایک آدمی کو نظر بند رکھ کر آپ کسی خطرے کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور پھر میں اس کے پاس کیوں جا رہا ہوں ؟ اسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کروں گا ، اسے سمجھاؤں گا ، کہ اب قطب الدین خلجی زندہ نہیں ہو سکتا اسے بتاؤں گا کہ اگر وہ اطاعت قبول کرے گا تو بڑے سے بڑے منصب کا دروازہ اس کے لئے کھلا ہے ، اگر غازی ملک تختِ دلی کی اطاعت کرتا رہے گا تو نہ صرف اپنے منصب پر بحال رہے گا بلکہ ترقی کے دروازے اس کے لئے کھل جائیں گے ،

خان خاناں :- (کچھ سوچتے ہوئے) ہاں تجویز تو معقول ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ اور اسے ہموار کرنے کی کوشش کرو۔

احمد ایاز :- لیکن جب تک میرے ہاتھ میں رہائی کا پروانہ نہ ہو کیوں کر جا سکتا ہوں ؟

کرسکوں،

خان خاناں :۔ (خوش ہوکر) اس سلسلہ میں کیا کر سکتے ہو؟ اگر یہ کہ غازی ملک ہماری اطاعت قبول کرلے تو یقین رکھو تمہیں بڑے سے بڑا منصب دیا جائے گا، جس کے تم سزاوار ہو،

احمدایاز :۔ لالچ نہ دیجئے، میری زندگی میرے اصول ہیں، میں وہی کرتا ہوں، جسے درست سمجھتا ہوں۔ ترغیب میرا راستہ نہیں بدل سکتی، خوف میرا ارادہ نہیں بدل سکتا،

خان خاناں :۔ ارے بھائی ہردیو عجب طرح کے آدمی ہو، اچھا ہم لالچ نہیں دیتے، جو کچھ اور جس طرح کرنا چاہو کرو، ہم تمہاری مدد کریں گے،

احمدایاز :۔ کیا آپ نے جوناخاں کو نظربند کر رکھا ہے؟

خان خاناں :۔ ہاں وہ نظربند ہے!

احمدایاز :۔ یہ تو آپ نے غلطی کی، بہرحال جو ہونا تھا وہ ہوگیا اب اس غلطی کی تلافی اس طرح ہو سکتی ہے کہ مجھے اس کے پاس جانے دیجئے، اور نظربندی کے احکام واپس لے لیجئے،

خان خاناں :۔ اس میں کیا مصلحت ہے؟

باب (۳۳)

خان خاناں اور احمد ایاز

خسرو شاہ سے رخصت ہو کر احمد ایاز باہر نکلا۔ ابھی وہ اپنی سواری تک نہیں پہنچا تھا کہ ایک خواجہ سرا دوڑتا ہوا اُس کے پاس آیا اور اس نے کہا خان خاناں نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ احمد ایاز کو اس طلبی پر تعجب تو ہوا لیکن خواجہ سرا کے ساتھ وہ اس کے کوشک میں پہنچا۔ خسرو شاہ کے دربار سے رخصت ہو کر وہ یہیں آگیا تھا۔ احمد ایاز کو دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے کہا۔ "تم سے ایک بہت اہم اور ضروری بات کہنا تھی۔ اس لئے میں نے تکلیف دی"

احمد ایاز نے اخلاق اور گرمجوشی کے ساتھ کہا۔

کوئی مضائقہ نہیں میں حاضر ہوں۔ فرمائیے۔ کیا ارشاد ہوتا ہے۔

خسرو شاہ :- پروانہ تمہیں ابھی ملتا ہے، جاؤ اور اپنا فرض دیانت داری کے ساتھ ادا کرو!

احمد ایاز :- ایسا ہی ہوگا!

خانخاناں ۔ یقیناً دیندار آدمی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ خلقت انہیں مانتی اور اوران کے سامنے سر جھکاتی ہے ۔

احمد ایاز :۔ اب میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں ۔

خانخاں :۔ پوچھو کیا پوچھتے ہو ؟

احمد ایاز :۔ کیا دیندار آدمی سلطانوں اور بادشاہوں کے دربار میں حاضری دیا کرتے ہیں ۔ کیا وہ جاہ وجلال ۔ رعب شاہی اور آداب قیصری کے سامنے سر جھکایا کرتے ہیں ۔ کیا اُن کی عبادت وریاضت نفس کشی اور مجاہدے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ معاوضہ حاصل کریں ۔ کیا اُن کے مرید اُن پر اتنے حاوی ہوتے ہیں کہ ان کی رہنمائی کرنے لگیں ۔ اور انہیں روپیہ حاصل کرنے کے گُر بتانے لگیں ۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو بالکل غلط سمجھتے ہیں ۔ آپ کو اپنے خیال فاسد کی اصلاح کرنی چاہئے ۔

خانخاناں :۔ تم کو معلوم ہے ۔ خسرو شاہ کے دربار میں بڑے بڑے علماء مشائخ حاضری دے چکے ہیں ۔ کیا اُنہوں نے غلط کیا ؟

احمد ایاز :۔ دوسروں نے کیا کیا ۔ وہ میں نہیں جانتا ۔ اپنے حضرت کے بارے میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ شاہانہ شوکت وسطوت کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے ۔ اور اُن کا کوئی مرید اس بارے میں نہ انہیں صلاح ومشورہ دینے کی جرأت کر سکتا ہے ۔ نہ اُسے ایسا کرنا چاہئے ۔

خانخاناں :۔ کیا بادشاہ ظل اللہ نہیں ہوتا ؟ اس کی اعانت فرض نہیں

خانخاناں۔ تُم جونا خاں کے پاس جا رہے ہو۔ جاؤ میں منع نہیں کرتا اچّھا ہے اگر وہ راہ راست پر آ جائے، لیکن تمہیں ایک اور کام بھی کرنا ہے۔

احمد ایاز۔ جو کام میرے بس میں ہو۔ ضرور کروں گا۔ فرمائیے۔

خانخاناں۔ اپنے پیر و مرشد کو آمادہ کرو۔ کہ وہ بادشاہ سلامت کے حامی اور مددگار بن جائیں۔ اس میں اُن کا بھی بھلا ہے اور تمہارا بھی۔

احمد ایاز:۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔ میں اُن سے کیا کہوں جا کر؟

خانخاناں۔ ابتک اُن کا جو طرزِ عمل ہے۔ بڑی حد تک مخالفانہ ہے اسے بدل دیں۔

احمد ایاز:۔ کس طرح؟

خانخاناں:۔ امیر خسرو کو دربار میں آنے کا حکم دیں۔

احمد ایاز:۔ اور اس کے علاوہ کیا کریں؟

خانانخاناں۔ دربار میں آئیں۔ بادشاہ کو ترقی عمر و اقبال کی دُعا دیں۔ اپنے مریدوں کو حکم دیدیں کہ وہ نئی حکومت اور نئے بادشاہ کی دل و جان سے اطاعت کریں۔

احمد ایاز:۔ اگر ایسا ہو۔ تو آپ کیا صلہ دیں گے؟

خانخاناں:۔ تمہیں یا تمہارے پیر و مرشد کو؟

احمد ایاز:۔ دونوں کو!

خاں خاناں:۔ تمہیں وہ بڑے سے بڑا منصب دیا جا سکتا ہے۔ جو تم چاہو۔ اور تمہارے پیر و مرشد کی بھی زر و مال سے خدمت کی جا سکتی ہے!

احمد ایاز:۔ میرے پیر و مرشد کو آپ دنیا دار آدمی سمجھتے ہیں۔ یا دیندار؟

احمد ایاز :- ایک بات آپ بھی کان کھول کر سُن لیجئے - میں آپ کا احترام کرتا ہوں - نئے بادشاہ کی اطاعت کا دم بھرتا ہوں — جوناخاں کے پاس اس لئے جا رہا ہوں کہ اُسے آپ کا مطیع بنا دوں - لیکن اگر آپ میرے حضرت کے معاملے کو بیچ میں لائیں گے - تو میرے دل سے آپ کا احترام اُٹھ جائے گا - میں بادشاہ کا مطیع نہیں باغی بن جاؤں گا - میری کوشش یہ ہوگی کہ جوناں خاں اور خسرو شاہ کے تعلقات ہرگز ہموار نہ ہونے پائیں - میں ہر معاملے میں کمزوری کا اظہار کر سکتا ہوں - کمزوری کا شکار ہو سکتا ہوں تقاضائے وقت میں عمل درآمد کر سکتا ہوں - لیکن اگر میرے حضرت کا معاملہ درپیش ہو - تو میں ان تمام بندھنوں کو توڑ دوں گا - اور حضرت کی وفاداری کو سب پر مقدم رکھوں گا - آپ سوچ لیجئے ، مجھ سے کام لینا چاہتے ہیں یا نہیں ؟

خان خاناں :- اگر تم سے کام لینا مقصود نہ ہوتا - تو تمہیں ذریعہ اور واسطہ بنانے کی کوشش کیوں کی جاتی -

احمد ایاز :-

لیکن آپ مجھ سے کوئی ایسا کام نہیں لے سکتے جس سے میں حضرت کی نظر میں مشتبہ ہو جاؤں -

ہوتی !

احمد ایاز :۔ بے شک عوام کا فرض ہے کہ وہ بادشاہوں کی اطاعت کریں لیکن کسی بادشاہ کو آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ کسی دوسرے بادشاہ کی اطاعت کرے۔

خانخاناں :۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ اپنا مطلب واضح کرو۔

احمد ایاز :۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے حضرت سلطان المشائخ نہیں، اتقیا اور صلحا کی گردنیں ان کے سامنے جھکتی ہیں۔ وہ روحانی تاجدار ہیں۔ دنیا کے بادشاہوں کا فرض ہے۔ کہ اُن کے حضور میں سر جھکا کر حاضر ہوں۔ وہ کہیں نہیں جا سکتے وہ کسی دربار میں تشریف نہیں لے جا سکتے۔ اس خیال خام کو جس قدر جلد اپنے دل سے نکال دیں اتنا ہی بہتر ہے۔

خانخاناں :۔ (برہم ہوکر) یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا جو ہم کہتے ہیں!

احمد ایاز :۔ وہ بھی کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ جو آپ فرماتے ہیں۔

خانخاناں :۔ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔

احمد ایاز :۔ یہ آپ کا خیال ہے اور بہت مہلک خیال ہے۔ اس مطالبے پر اصرار کر کے نہ آپ بادشاہ کے ساتھ دانائی کا حق ادا کر رہے ہیں۔ نہ اپنے ساتھ انصاف کر رہے ہیں۔

خانخاناں :۔ تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔ اور تمھیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں دھمکیوں میں نہیں آ سکتا۔

خانخاناں :- پھر کس طرح حاصل ہو گی؟
احمد ایاز :- حسن عمل سے ، صلاحیت پیدا کیجئے ۔ حاصل ہو جائے گی ۔
ہم جیسے دنیادار لوگ مرعوب ہو سکتے ہیں ۔ متاثر ہو سکتے ہیں
لالچ میں آسکتے ہیں ۔ لیکن حضرت جیسے نفوسِ قدسیہ ان باتوں
سے کہیں بالا ہیں ؎

برو ایں دام بر مرغے دگر نہ
کہ عنقارا بلند است آشیانہ

بہرحال جو کچھ مجھے کہنا تھا ۔ میں نے کہہ دیا ۔ اور میں آپ سے
توقع رکھتا ہوں کہ اب اس سلسلے میں آپ مزید گفتگو کر کے میرا
اور اپنا وقت ضائع نہیں کریں گے ۔
خان خاناں نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ وہ خاموش ہو گیا لیکن اس
کے چہرے کا انقباض بتا رہا تھا کہ یہ باتیں اُسے بہت ناگوار گزریں ۔
احمد ایاز نے کہا :-
اب میں اجازت چاہتا ہوں لیکن قبل اس کے کہ میں جاؤں ۔ یہ
بتا دیجئے ۔ جونا خاں کے پاس افہام و تفہیم کے لئے مجھے جانا چاہئے
یا نہیں ؟
خان خاناں نے تیوری چڑھا کر کہا :
بادشاہ سلامت کے معاملات میں مداخلت کا مجھے کوئی حق نہیں ۔
وہاں جانے نہ جانے کا پروانہ اُنھوں نے مرحمت فرمایا ہے ۔ شوق سے

خان خاناں :۔ عجیب شخص ہو بھائی۔ بجائے اس کے کہ تم ہماری بات مانتے۔ فساد پر آمادہ ہو۔

احمد ایاز :۔ آپ نے بات بھی ایسی کہی۔ کہ جو کسی طرح عمل میں نہیں لائی جاسکتی۔

خانخاناں :۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمیں سختی کرنا پڑے گی۔

احمد ایاز :۔ کس پہ سختی کریں گے آپ؟

خانخاناں :۔ ہر اس شخص پر جو نئے نظام، نئی حکومت، اور نئے فرمانروا کا مخالف ہو۔

احمد ایاز :۔ آپ اپنا حوصلہ نکال لیجئے۔ کوئی آپ کو منع نہیں کرتا۔

خانخاناں :۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ ہنگامہ آرائی اور فتنہ و فساد کے بغیر یہ بیل منڈھے چڑھ جائے۔

احمد ایاز :۔ آپ کو اس پہ قناعت کرنی چاہیے۔ کہ حضرت کی طرف سے کسی طرح کی مخالفت ظہور میں نہیں آرہی ہے۔ اور حضرت کا ایک خادم یعنی یہ خاکسار آپ کے ساتھ تعاون کر رہا ہے۔

خانخاناں :۔ یہ حکومت اس وقت تک مستحکم نہیں ہو سکتی۔ جب تک تمہارے پیر و مرشد کا تعاون نہ حاصل ہو۔ اگرچہ تمہارے تعاون کی قدر و قیمت بھی ہم پورے طور پر محسوس کرتے ہیں۔

احمد ایاز :۔ حضرت کی سرپرستی خوشامد اور دھمکی سے نہیں حاصل ہو سکتی۔

(۳۴)

باب

قدرت کا انتقام

دربار شاہی سے رخصت ہوکر احمد ایاز جوناں خاں کے پاس گیا، کئی دن اس کے پاس رہا، دونوں میں رازدارانہ باتیں ہوتی رہیں، کبھی دونوں کے چہرے فرطِ مسرت سے کھل اٹھتے کبھی پریشانی اور اضمحلال کی کیفیت طاری ہوجاتی۔

جونا خاں کے رویّہ میں اب کافی تبدیلی آچکی تھی۔ وہ خانخاناں اور خسرو شاہ کے دربار میں جانے لگا تھا، ان کی تجویزوں میں حصہ لینے لگا تھا، اب معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ حالات سے مجبور ہوکر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگیا ہے، ادھر احمد ایاز بھیس بدل

جائیے۔ میں نے ایک بات کہی تھی۔ تو آپ نے اُسے ماننے سے انکار کر دیا اس بات کا مجھے صدمہ ہے۔ بہرحال ہر شخص خود ہی اپنے بارے میں زیادہ اچھا اور زیادہ بہتر فیصلہ کر سکتا ہے۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہونگا۔

احمد ایاز نے چلتے چلتے خانخاناں سے کہا:۔

"آپ نے جو کچھ فرمایا۔ مجھے اس سے اتفاق ہے"

یہ کہہ کر وہ خانخاناں سے رخصت ہوا۔ دربار کی طرف سے گزرا تو اُسے خسرو شاہ نظر آگیا۔ اُس نے پوچھا:۔

کیا تم جوناخاں کے پاس سے واپس آگئے۔

احمد ایاز نے جواب دیا۔

خانخاناں نے اپنی باتوں میں مجھے الجھائے رکھا تھا۔ میں اب تک نہ جا سکا۔ اب جا رہا ہوں۔

اور پھر اُس نے وہ تمام گفتگو دہرا دی جو اس سے اور خانخاناں سے ہوئی تھی۔

خسرو شاہ نے غور سے اس کی باتیں سُنی اور پھر کہا۔

تم اپنا کام کرو۔ ہمارے لئے جونا خاں زیادہ قیمت رکھتا ہے بہ نسبت کسی درویش اور فقیر کے۔ جاؤ اور اپنی کوششوں کے نتیجے سے بہت جلد ہمیں اطلاع دو۔

ملک جونا کا پیچھا کر، جاہریا ہندؤں کی ایک جرار فوج لے کر
ملک جونا کے تعاقب میں روانہ ہوا،

ملک جونا صبح سے شام تک گھوڑے دوڑاتا ہوا چلتا رہا
یہاں تک کہ سرسہ پہنچ گیا، جو پنجاب کے ضلع حصار کا ایک
مشہور قصبہ ہے، یہاں اس کے باپ کی بھیجی ہوئی فوج موجود
تھی، ملک جونا نے فوج سے کہا تم سب یہیں ٹھیرو تاکہ اگر
خسرو خاں کی فوج میری تلاش میں آئے تو اس کو روکے رکھو،
میں آگے چلتا ہوں، چنانچہ ملک جونا نے وہ رات بھی لگاتار
دوڑنے میں گزاری، اور صرف تھوڑی دیر کھانے کے لئے
سرسہ میں ٹھیرا، دوسرے دن صبح جاہریا خان خاناں کی ہندو
فوج بھی سرسہ پہنچ گئی، اور وہاں اس کا غازی ملک کی فوج
سے مقابلہ ہوگیا، غازی ملک کی فوج کم تھی مگر تھکی ہوئی نہ
تھی، اور ہندو فوج رات بھر چلنے کے سبب بہت تھک
گئی تھی، اس لئے صرف دو سو مسلمانوں نے پانچ ہزار ہندو
فوج کو شکست دی، اور جاہریا سرسہ سے دہلی کی طرف بھاگ
کر آگیا، اور مسلمان فوج ملتان کی طرف چلی گئی،

جب ملک جونا اپنے باپ ملک غازی کے پاس پہنچ گیا
تو غازی ملک نے سندھ کے حاکم کشلو خاں اور اطراف کی
مسلمان فوجوں کو جمع کر کے دہلی کی طرف کوچ کیا، خسرو خاں

ملتان پہنچا ۔ اور غازی ملک کو اس کے تمام حالات سے آگاہ کیا وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر گیا ۔ اور اسی طرح واپس آیا کسی کو پتہ نہ چل سکا ، وہ دلی سے باہر گیا تھا بھی یا نہیں، لیکن اس سفر نے خسرو شاہ کی قسمت پر مہر لگا دی ۔

چنانچہ غازی ملک نے اپنے بیٹے جونا خاں کو خفیہ پیغام بھیجا کہ میں "سرسہ" پر اپنی فوج بھیج دیتا ہوں تو کسی طرح بھاگ کر سرسہ تک آجا ۔ یہ پیغام آنے کے بعد ملک جونا نے خسرو سے کہا ۔ شاہی گھوڑے بہت مدت سے پھیرے نہیں گئے ہیں ، اگر اجازت ہو تو میں ان گھوڑوں کو جنگل میں پھرا لاؤں خسرو خاں کی عقل پر ایسا پردہ پڑا کہ اس نے ملک جونا کو جنگل میں لے جا کر گھوڑے پھیرنے کی اجازت دیدی ، ملک جونا ایک اور امیر کے لڑکے کو ساتھ لے کر تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوا ، اور گھوڑے پھیرنے کے بہانے دلی سے باہر چلا گیا اسی دن شام کو یہ خبر خسرو خاں کے بھائی جاہریا کو ہوئی جس کو خسرو خاں نے ہندوستان کا سپہ سالار بنایا تھا اور خان خاناں خطاب دیا تھا ، وہ گھبرایا ہوا تھا ہوا خسرو خاں کے پاس آیا اور کہا تو نے بڑی غلطی کی کہ ملک جونا کو گھوڑے پھیرنے کی اجازت دیدی ، مجھے اندیشہ ہے وہ اپنے باپ کے پاس بھاگ گیا ہوگا ، اسپر خسرو خاں نے کہا تو جلدی فوج لے کر جا ، اور

بعد اسی محل میں رہتا تھا۔

جب جاہریا خانخاناں شکست کھا کر دہلی میں آیا تو اس نے حوض خاص کے قرب میں مورچے بنائے اور چاروں طرف کے ہندو راجاؤں کے پاس سانڈنی سوار بھیجے کہ میری مدد کے لئے آؤ، چنانچہ اس کثرت سے ہندو راجاؤں کی فوجیں آئیں کہ دہلی شہر اور اس کے اطراف میں چلنے پھرنے کی بھی جگہ باقی نہیں رہی۔ غلہ بہت مہنگا ہوگیا، یہاں تک کہ پینے کا پانی بھی شہریوں کو مشکل سے ملتا تھا،

جب غازی ملک کی فوجیں ہندو مورچوں کے سامنے آئیں، تو مسلمان ہندوؤں کی یہ کثرت دیکھ کر گھبرا گئے، اور ان میں بڑی بے دلی پیدا ہوگئی، مگر شہر کے اندر جو مسلمان سردار خسرو کی نظربندی میں تھے، انہوں نے غازی ملک کو پیغام بھیجے کہ تم ڈرو نہیں حملہ شروع کرو، ہم شہر کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر ہندوؤں پر پیچھے سے حملہ کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، مگر لڑائی ایسی سخت ہوئی کہ ہر وقت اندیشہ ہوتا تھا کہ اب مسلمانوں کو شکست ہوجائے گی، خسرو خاں خود گھوڑے پر سوار نہایت بہادری کے ساتھ، میدانِ جنگ میں موجود تھا، اور اس کے سر پر شاہی چتر کا سایہ تھا جس سے ہندو فوجوں کی ہمت بڑھی ہوئی تھی، غازی ملک اور

نے بادشاہ کی زندگی میں، چالیس ہزار گجراتی ہندو دہلی میں بلائے تھے، اور بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد جب وہ تخت نشین ہوا، تو اس نے راجپوتوں اور دوسری جنگجو ہندو قوموں سے دو لاکھ سپاہی اور بھرتی کر لئے تھے، جب اس نے کہا کہ غازی ملک نے دہلی کی طرف کوچ کیا ہے، تو اس نے بھی اپنے سپہ سالار، اپنے بھائی جاہر یا کو، ہندوؤں کی ایک جرار فوج کے ساتھ آگے بھیجا تاکہ غازی ملک کو اور اس کی فوج کو دہلی تک آنے سے روکا جائے، یہ مقابلہ بھی سرسہ کے میدان میں ہوا ہندو فوج زیادہ تھی، اور غازی ملک کی فوج کم تھی؛ پھر بھی وہ سب تجربہ کار اور جنگجو سپاہی تھے، جاہر یا نے یہاں بھی شکست کھائی اور فوج لے کر دہلی کی طرف بھاگا،

موجودہ دہلی میں جہاں صفدر جنگ کا مقبرہ ہے، اس کے مشرق میں ایک سڑک قطب مینا اور گوڑ گانوے کی طرف جاتی ہے، سڑک کے قرب میں انگریزوں نے ہوائی جہازوں کا اڈہ بنایا ہے، اس سے آگے علاؤالدین خلجی کا بنایا ہوا دہلی شہر تھا، جس کو سیری مہری کہتے تھے، اور اس سیری شہر میں ہزار ستون محل تھا، جس کی چھت پر قطب الدین خلجی کو خسرو خاں نے قتل کیا تھا اور خسرو خاں بادشاہ ہونے کے

اولاد میں، کوئی زندہ ہے یا نہیں؟ اگر
ہو تو اس کو لائیے تاکہ ہم اسے تخت پر
بٹھائیں۔

جواب دیا گیا کہ ظالم خسرو خاں نے بادشاہ کے قتل کے بعد اس کے معصوم لڑکوں کو بھی مار ڈالا، اب کوئی آدمی خلجی کے شاہی خاندان میں باقی نہیں رہا ہے؛

یہ سن کر غازی ملک نے کشلو خاں حاکم سندھ سے کہا

ہاتھ پھیلا کہ میں تیرے ہاتھ پر
بیعت کرتا ہوں، اور تو ہندوستان
کا بادشاہ بن جا،

کشلو خاں نے جواب دیا

تو نے مجھ سے زیادہ مغلوں پر جہاد
کئے ہیں، اس لئے بادشاہی کا مستحق تو
ہے، میں نہیں، ہاتھ بڑھا میں سب
سے پہلے تیری بیعت کروں گا،

آخر جب دربار کے سب امیروں نے بھی کشلو خاں کی تائید کی تو غازی ملک بسم اللہ پڑھ کر تخت پر بیٹھ گیا اور اپنا نام غیاث الدین تغلق رکھا اور اپنے بیٹے جوناں ملک کو الغ خاں کا خطاب دے کر اپنا ولی عہد قرار دیا، اور

اس کے بیٹے ملک جونا اور کشلو خاں حاکم سندھ اور دوسرے مسلمان سرداروں نے کفن اپنے سر سے باندھ لئے تھے اور ایسی بہادری سے لڑ رہے تھے کہ ہندوؤں کی ہمت پست ہوتی جاتی تھی، یکایک ہندو فوج کے پاؤں اکھڑے اور اس نے بھاگنا شروع کیا، جاہریا اور خسرو خاں چیخ چیخ کر ہندوؤں کو روکتے تھے، مگر وہ سر پر پاؤں رکھے بے تحاشہ بھاگے چلے جاتے تھے۔ آخر مجبور ہو کر خسرو خاں اور جاہریا بھی کہیں بھاگ گئے، میدان میں چاروں طرف ہزارہا لاشیں پڑی تھیں، مسلمانوں کے گھوڑے ان لاشوں کو روندتے ہوئے دہلی شہر میں فاتحہ داخل ہوئے، غازی ملک اور اس کا بیٹا جونا ملک اور کشلو خاں سیدھے محل ہزار ستون میں آئے اور خلجی دربار کے سب مسلمان امیروں کو جمع کیا، غازی ملک نے کہا:-

خدا کا شکر ہے کہ اس نے غداروں کو شکست دی، میں آپ سب مسلمان بھائیوں کا شکر گذار ہوں، اگر آپ پیچھے سے حملہ نہ کرتے تو ہم ہندوؤں کی ٹڈی دل فوجوں کو مغلوب نہ کر سکتے تھے، اب یہ بتائیے کہ میرے آقا سلطان قطب الدین خلجی کی

خسرو خاں نے کہا

تم خوش نہ ہو، ہندوستان کے ہندو راجہ
بہت جلد تم کو ہندوستان سے نکال دینگے،

ملک جونا نے آگے بڑھ کر خسرو کی خوبصورت زلفوں کو پکڑ لیا اور ہنس کر کہا،

انہیں زلفوں کے پیچ خم میں تو نے
سلطان قطب الدین خلجی کا دل اسیر کر لیا تھا۔

یہ کہہ کر اس کی زلفیں کھینچیں اور ایک طمانچہ خسرو کے رخسار پر مارا،

خسرو نے کہا،

جونا مجھے ذلیل نہ کر، میں نے ہمیشہ
تیرے ساتھ اچھا برتاؤ کیا ہے،

ملک جونا نے مڑ کر اپنے سپاہیوں سے کہا:۔

اخوند عالم (بادشاہ سلامت) کے
لئے گھوڑا لاؤ،

سپاہی ایک مریل ٹٹو لے کر آئے، اور خسرو کو پکڑ کر اٹھایا، اور اس ٹٹو پر سوار کر دیا، وہ ٹٹو لاغری کے سبب چل نہ سکتا تھا، اس لئے ایک طرف سے ملک جونا نے خسرو

یہی ملک جونا غیاث الدین تغلق کے بعد محمد تغلق کے نام سے مشہور ہوا ،

تخت نشین ہونے کے بعد تغلق نے شہر کے انتظامات شروع کئے اور خسرو خاں اور جاہر یا کی تلاش بھی جاری رکھی خسرو خاں دہلی کے باہر ایک باغ میں چھپ گیا تھا اور دو دن چھپا رہا ، جب بھوک سے مجبور ہوا تو باغ کے مالی کو انگوٹھی دی اور کہا ،

" اس کو بیچ کر بازار سے روٹی لا "

مالی بازار میں انگوٹھی فروخت کرنے لگا اور پکڑا گیا اس کو کوتوال کے پاس پہنچا یا گیا ، کوتوال اس مالی کو تغلق شاہ کے پاس لے گیا ، تغلق نے فوراً اپنے ولی عہد ملک جونا کو خسرو خاں کی گرفتاری کے لئے بھیجا ، خسرو خاں باغ میں موجود تھا ، جونہی ملک جونا اس کے سامنے پہنچا ، خسرو خاں نے ہنس کر کہا :

تم بہت دیر میں گھوڑے پھیر کر لائے
میں تمہارا انتظار کر رہا تھا ،

ملک جونا نے جواب دیا :

مجھے تیری موت کے فرشتے نے باتوں
میں لگا لیا تھا اب وہ فرشتہ تجھکو بلاتا ہے'

سلوک کر جو بادشاہ بادشاہوں کے
ساتھ کرتے ہیں،
تغلق نے جواب دیا،
بسروچشم میں وہی سلوک کروں گا جو
تجھ جیسے بادشاہ قطب الدین خلجی جیسے
محبت کرنے والے بادشاہوں کے ساتھ
کیا کرتے تھے۔
یہ کہہ کر حکم دیا،
لے جاؤ اس ملعون کو، ہزارستون محل
کی چھت پر، جہاں اس نے اپنے آقا
اور اپنے عاشق کا سر کاٹا تھا، اسی
جگہ کھڑا کر کے اس کا سر کاٹ ڈالو،
اور جس طرح اس نے سلطان قطب الدین
خلجی کا سر کاٹ کر چھت سے نیچے
پھینک دیا تھا، اسی طرح اس کا سر
بھی کاٹ کر چھت سے پھینک دو۔
یہ سنکر خسرو کانپنے لگا، اور رونی آواز بنا کر تغلق
سے کہا۔
مجھ پر رحم کر، میں تیرے بہت کام

کو پکڑا، اور دوسری طرف سے ملک جونا کے ایک سردار نے پکڑا، اور سپاہی اس ٹٹو کو کھینچتے ہوئے تغلق کے سامنے لائے اور تخت کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا۔

خسرو خاں نے دیکھا کل جس تخت پر میں بیٹھا تھا، آج اس پر غازی ملک بیٹھا ہے، اور امراء اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ خسرو خاں نے تغلق سے کہا،

میں دو دن سے بھوکا ہوں، اور آج
تیرا مہمان ہوں،

تغلق نے کہا

بسر و چشم میں اپنے مہمان کی ضیافت
کرتا ہوں۔ (یہ کہہ کر حکم دیا) شربت لاؤ،
اور اچھے اچھے کھانے لاؤ۔

جب یہ سب چیزیں آگئیں تو اپنے سامنے بٹھا کر خسرو کو پہلے شربت پلایا، پھر کھانا کھلایا اور اپنے ہاتھ سے پان کا بیڑا دیا، یہ برتاؤ دیکھ کر خسرو خوش ہوا کہ تغلق مجھ پر مہربان ہے، اس لئے اس نے تغلق سے کہا،

غازی ملک تو آج ہندوستان کا
شہنشاہ ہے اور کل میں بھی ہندوستان
کا شہنشاہ تھا، پس میرے ساتھ وہ

لاشوں کو اور سر کو چھت سے نیچے پھینک دیا گیا، پھر تغلق نے حکم دیا :-

چونکہ میرے بادشاہ سلطان قطب الدین خلجی کو اس کافر بچے سے محبت تھی، اور اس نے جھوٹ موٹ اسلام قبول کر لیا تھا، اس واسطے اس کی لاش کو نہلاؤ اور کفن دے کر سلطان قطب الدین خلجی کی قبر کے برابر دفن کر دو، مگر اس کا بھائی چونکہ مسلمان نہیں ہوا تھا، اس واسطے اس کی لاش ہندوؤں کے حوالے کر دو، وہ اپنے رواج کے مطابق اس کو آگ میں جلا دیں، چنانچہ ان دونوں حکموں کی تعمیل کی گئی۔

آؤں گا، اور تمام ہندوستان کے
ہندوؤں کو تیرا تابعدار بنا دوں گا،

خسرو یہ کہہ رہا تھا کہ اسی اثناء میں اس کا بھائی جاہریا خان خاناں گرفتار ہوکر آگیا، بادشاہ نے حکم دیا:۔

بہت اچھا ہوا، تم دونوں بھائی
ایک ساتھ دنیا سے سفر کرنا،

اس کے بعد ان دونوں کو ہزار ستون محل کی چھت پر لے گئے، ملک جونا نے ان دونوں سے پوچھا،

"تم نے کس جگہ بادشاہ کو قتل کیا تھا"

ان دونوں نے مارے ڈر کے وہ جگہ بتائی اور ملک جونا کو دکھائی، اس کے بعد ملک جونا نے حکم دیا:

"خسرو خاں اور جاہریا کو اس جرم
میں کہ اپنے بادشاہ کے معصوم بچوں کو
زنانخانے میں نہایت بے دردی سے
ان کے پاؤں پکڑ کر دیواروں پر مارا تھا
میں حکم دیتا ہوں کہ ایک ہی وار میں
ان دونوں کے سر کاٹ ڈالو"

یہ سنتے ہی سپاہیوں نے دو تلواریں ان کی گردن پر ماریں، اور دونوں کے سر کٹ کر نیچے گر پڑے، اس کے بعد ان

اچھی نہ تھی، ملتان میں رہنے کے باعث اسے حضرت کے روحانی فیوض اور برکات کا بھی کوئی اندازہ نہ تھا۔

اس کے برعکس جونا خاں جو اب ولی عہد سلطنت تھا اور الغ خاں کے نام سے پکارا جاتا تھا، حضرت کا نہایت معتقد تھا، اگرچہ آستانے پر اسے اب تک حاضری کا موقع نہ ملا تھا، لیکن وہ ایک عرصہ سے دلی میں رہ رہا تھا، اس لئے جانتا تھا کہ حضرت کا مقام کیا ہے، قطب الدین خلجی کی گستاخی اور بدعقیدگی کا جو حشر ہوا، وہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ خسرو شاہ کی ہلاکت اور بربادی بھی در اصل حضرت کے روحانی تصوف کا نتیجہ تھا وہ اسے بھی نظر انداز نہیں کرسکتا تھا کہ احمد ایاز حضرت کے اشارے سے اگر اس کا ساتھ نہ دیتا، خسرو شاہ اور خان خاناں سے اس کی سفارش نہ کرتا تو شاید ایک دن نظر بندی کے عالم میں وہ ہلاک کردیا جاتا، لیکن احمد ایاز کی بروقت اعانت نے اسے دلی سے نکل جانے کا موقع دیا، حضرت کی خدمت میں تو وہ کوئی نظر اور تحفہ پیش کرنے کی جرأت نہ کرسکا، لیکن احمد ایاز کو اس نے اپنے پاس ملازم رکھ لیا اور میر تعمیرات کا عہدہ عنایت کیا، احمد ایاز نے اپنی زندگی اپنے حضرت کے ہاتھ میں دے دی تھی، کوئی کام بھی بغیر اجازت

باب (۳۵)

شہزادہ درویش کے لباس میں!

غازی ملک، غیاث الدین تغلق کے نام سے تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا، بے انتہا سیر چشم، ایماندار، اولوالعزم اور بہادر فرمانروا تھا، لیکن اپنے عقائد میں اتنا ہی سخت اور اٹل بھی، یہ علماء سے زیادہ مانوس تھا، صوفیاء سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ تھی، ایک مدت تک ملتان میں رہا تھا، اور وہاں ایسے عناصر موجود تھے، جو صوفیا کے خلاف اور خاص طور پر حضرت سلطان المشائخ کے خلاف اسے بھڑکایا کرتے، جب وہ دلی پہنچا تو حضرت کے متعلق اس کی رائے

بادشاہت بھی ملے تو قبول نہیں کرسکتا ،

الغ خاں :- تعجب ہے ، آخر حضرت نے کیا جادو کر دیا تم پر ؟

احمد ایاز :- یہ نہ پوچھئے اُنہوں نے مجھے وہ نعمت عطا کی ہے جس کا جواب نہیں مل سکتا ، میں تلنگانے کے شاہی خاندان کا ایک فرد ہوں ، ہندو تھا ، اور اپنے ہندو ہونے پر نازاں تھا ، مسلم حکومت ، مسلم قوم ، مسلم تہذیب ، مسلم تمدّن ، مسلم معاشرت ہر چیز سے نفرت کرتا تھا ، اتفاق سے حضرت کے آستانے پر پہنچا ، اور میری کایا پلٹ گئی ، اب دنیا میں اسلام سے بڑھ کر مجھے کوئی چیز محبوب نہیں ہے ،

الغ خاں :- جزاک اللہ ، لیکن ہم نے جو منصب تمہیں سونپا ہے ، اس میں اسلام کے خلاف تو کوئی بات نہیں ،

احمد ایاز :- آپ بجا فرماتے ہیں ، لیکن غلام آقا کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا ، میں غلام ہوں اور حضرت میرے آقا ، جو وہ کہیں گے ، وہی ہوگا ،

الغ خاں :- اچھی بات ہے ، دریافت کرلو ، ہم کل تک تمہارا انتظار کریں گے ، لیکن سمجھ میں نہیں آتا دنیاوی معاملات میں حضرت کی رضامندی اور نارضامندی سے کیا تعلق ہوسکتا ہے ؟

کے نہیں کرتا تھا، چنانچہ جب ولی عہد نے میر تعمیرات (چیف انجینئر) کا منصب عطا کیا، تو اس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا، آپ کی اس بندہ نوازی کا دل سے شکر گذار ہوں، لیکن اگر مرشد نے اجازت دے دی تو قبول کروں گا ورنہ نہیں،

جس منصب کے لئے بڑے بڑے امراء اور رؤساء جان چھڑکتے تھے، اس کے ساتھ احمد ایاز کا یہ بے نیازانہ برتاؤ دیکھ کر الغ خاں کو بڑی حیرت ہوئی، اُس نے کہا:۔

"تمہیں معلوم ہے اس منصب کے لئے
کتنے اور کیسے کیسے لوگ خواستگار ہیں،
میں نے سب کی درخواستیں مسترد کر دیں،
اور تمہیں یہ منصب بلند سونپا، لیکن تم ہو
کہ لیت و لعل سے کام لے رہے ہو کیا
یہ میری توہین نہیں"؟

احمد ایاز نے بغیر کسی جھجک کے دست بستہ عرض کیا،

"آپ کی توجہ اور عنایات کا دل و جان
سے ممنون ہوں، لیکن یہ زندگی میری نہیں
اسے میں حضرت کے حوالے کر چکا ہوں
ان کی اجازت کے بغیر اگر مجھے کونین کی

بے نفسی کی کوئی مثال ہو سکتی ہے ؟ بادشاہت کی تمنا میرے باپ نے نہیں کی ، بادشاہت خود آئی اور میرے باپ کے قدموں سے لپٹ گئی ، تم مجھے اس کے زوال کی خبر دے رہے ہو ، تمہیں شرم نہیں آتی ؟

احمد ایاز :- میں اپنی گستاخی کی معافی چاہتا ہوں ؟

الغ خاں :- آخر یہ بات تمہاری زبان تک آئی کیسے ؟

احمد ایاز :- انسان ہوں ممکن ہے سمجھنے میں بھول چوک ہو گئی ہو

الغ خاں :- کس چیز کے سمجھنے میں ؟

احمد ایاز :- حضرت کے ارشاد کا مفہوم سمجھنے میں !

الغ خاں :- (چونک کر) حضرت فرما رہے تھے کچھ ؟

احمد ایاز :- جی ہاں ، انہی کی باتوں سے میں نے ایسا اندازہ لگایا ، واقعی سلطان غیاث الدین تغلق بڑے اچھے آدمی ہیں ممکن ہے حضرت کا اشارہ کسی اور طرف ہو !

الغ خاں :- تم نے ہمیں عجیب کشش و پنج میں ڈال دیا ، آخر حضرت نے کیا فرمایا تھا ،

احمد ایاز :- پرسوں رات کو عشاء کی نماز سے کچھ پہلے چند درویش حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ،

الغ خاں :- (پریشان ہو کر) پرسوں رات ۔ عشاء سے کچھ پہلے ،

احمد ایاز :۔ یہ آپ نہیں جانتے ، شاید جان بھی نہیں سکتے اور کچھ ضروری بھی نہیں کہ جانیں ، ورنہ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ بادشاہتیں بھی وہاں سے تقسیم ہوتی ہیں۔

الغ خاں :۔ (متحیر ہو کر) یہ کیا کہتے ہو ، بادشاہتیں وہاں سے تقسیم ہوتی ہیں ؟

احمد ایاز :۔ جی ہاں غلط نہیں کہتا ، مجھے تو موجودہ بادشاہت بھی متزلزل ہوتی نظر آتی ہے ، خدا خیر کرے ،

یہ سُنکر الغ خاں کا رنگ سپید پڑ گیا ، وہ اپنے باپ سے بہت محبت کرتا تھا ، اس نے اپنے اضطراب کو چھپایا اور حیرت و استعجاب کے لہجہ میں کہا ،

الغ خاں :۔ یہ تم نے کیسے جانا ، ـــــــ اخوندِ عالم شہنشاہ عالم پناہ) حُسن انصاف ، صداقت ، اُولوالعزمی اور ایمانداری کے ساتھ فرائض حکومت انجام دے رہے ہیں ، کیا تم اس سے انکار کر سکتے ہو ، کیا ان کا کوئی بدترین دشمن بھی انکار کر سکتا ہے ، قطب الدین کے قتل کے بعد جب بادشاہت کا سوال پیدا ہوا تو میرے باپ نے سندھ کے حاکم کشلو خاں سے استدعا کی کہ بادشاہت قبول کرے ، کیا اس سے بڑھ کر ایثار اور ــــــــــــــــ

ایک بادشاہ گیا، دوسرا بادشاہ آیا، یہ سُن کر میرے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ ان درویشوں میں سے کسی شخص کی طرف حضرت اشارہ کر رہے ہیں کہ اسے بادشاہت ملے گی، اب اسے میری غلط فہمی سمجھ لیجئے کہ میں نے اس اشارے کو دلی کی بادشاہت پر محمول کیا، ممکن ہے کہیں اور کی بادشاہت کی طرف حضرت نے اشارہ کیا ہو، آدمی ہوں غلطی ہوسکتی ہے۔

الغ خاں حیرت اور سکتے کے عالم میں احمد ایاز کی گفتگو سُنتا رہا، ایسا معلوم ہو رہا تھا، اپنے دماغ پر زور دے کر وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا، پھر اس نے پوچھا:۔

اور وہ آنے والا بادشاہ کون تھا؟

احمد ایاز:۔ عجیب واقعہ ہوا، جب باہر گیا تو خانقاہ کے دروازہ پر ایک نوعمر شخص بیٹھا تھا، نہ کوئی بادشاہ تھا نہ وزیر، میں نے جاکر عرض کیا، وہاں کوئی بادشاہ نہیں، حضرت نے فرمایا، خانقاہ کے دروازے پر ایک بادشاہ بیٹھا ہے، جاؤ اسے لے آؤ، مجھے بڑی حیرت ہوئی، لیکن میں گیا، اور اس سے میں نے پوچھا کیوں بادشاہ سلامت کیا آپ ہی ہو گے

احمد ایاز :- جی ہاں ، پرسوں ہی کا واقعہ ہے !
الغ خاں :- وہ کون تھے ؟ کہاں سے آئے تھے ؟
احمد ایاز :- یہ میں نہیں جانتا ، رات کا وقت تھا ، حضرت کے حجرہ میں صرف ایک شمع جل رہی تھی ، میں ایک گوشہ میں مودّب اور دست بستہ بیٹھا تھا کہ چند درویش آئے ، بہر حال وہ اجنبی تھے ، اگر پہچاننے کی کوشش کرتا تو بھی نہ پہچان سکتا ،
الغ خاں :- (بیقراری کے ساتھ) پھر کیا ہوا ؟
احمد ایاز :- تھوڑی دیر وہ حضرت کے پاس بیٹھے ، حضرت اُن سے لطف وعنایت کے لہجے میں گفتگو کرتے رہے ، پھر ان میں سے ایک شخص اُٹھا اور اس نے کہا ، قدمبوسی کی تمنا لے کر آیا تھا ، یہ نعمت میں نے پالی ، اب اجازت چاہتا ہوں ،
الغ خاں :- تمہیں اچھی طرح یاد ہے ، یہ کہا تھا اُس نے ؟
احمد ایاز :- جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ، یہی الفاظ تھے ،
الغ خاں :- اچھا خیر ——— پھر ؟
احمد ایاز :- حضرت نے اس درویش کو جانے کی اجازت مرحمت فرمائی ، وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا گیا ، اس کے جانے کے بعد حضرت نے مجھ سے فرمایا :-

اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہیئے، حضرت نے تمہیں بادشاہت عطا فرمائی، اور تمہیں اپنے پاس طلب فرمایا، میں اسے لے کر حضرت کے پاس پہنچا، حضرت نے اُسے اپنے قریب بٹھا لیا، اور مجھ سے کہا جاؤ اس کے لئے کھانا لاؤ، میں لنگر خانے میں گیا، وہاں کھانا ختم ہو چکا تھا، میں نے آکر جواب دیا، کھانا ختم ہو چکا، آپ نے فرمایا، جو بچے کھچے ٹکڑے ہوں، وہ لے آؤ، میں گیا، اور چند ٹکڑے لاکر حضرت کے سامنے رکھ دیئے، حضرت نے ایک ٹکڑا اپنے ہاتھ میں لیا اور حسن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، لے یہ دکن کا تاج شاہی ہے[1] اُس نے وہ ٹکڑا کھا لیا اور رخصت ہو گیا،

یہ سُن کر الغ خاں پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا، اُس کے چہرے کا ایک رنگ آتا تھا، ایک جاتا تھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا، وہ کسی اندرونی کشمکش میں مبتلا ہے، کچھ کہنا چاہتا ہے، لیکن نہیں کہہ سکتا، کچھ پوچھنا چاہتا

[1] یہی وہ حسن ہے جو بعد میں واقعی دکن کا فرمانروا بنا، حسن بہمنی کے نام سے تاریخ کی کتابوں میں جس کے شاندار کارنامے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو چکے ہیں،

ہیں، وہ نوجوان مُسکرانے لگا۔ اس نے کہا، عجیب بات ہے، میں ایران کا رہنے والا ہوں، اس ملک میں ایک پردیسی کی حیثیت سے آیا ہوں، مُلازمت تلاش کی، مگر نہیں ملی۔ ایک نجومی کو ہاتھ دکھایا کہ مُلازمت ملے گی یا نہیں، اس نے کہا تمہارا نصیبا بڑا زور دار ہے، تمہیں تو کہیں بادشاہ ہونا ہے۔ میں ہاتھ جھٹک کر چلا آیا، میری جیب خالی تھی، میں نے سُنا تھا، حضرت کا لنگر خانہ عام ہے، جس کا جی چاہے جائے اور کھا آئے، لنگر خانے کے دروازے پر پہنچا تو غیرت نے پاؤں پکڑ لئے، خانقاہ کے دروازے پر آکر بیٹھ گیا مُمکن ہے حضرت اپنے رُوحانی کشف سے میرا حال زار معلوم کرلیں، اور میرے لئے کچھ بندوبست کردیں۔ اُنہوں نے تو کچھ نہ کہا۔ تم میرا مذاق اُڑانے آئے ہو، ہاں کھائی میں بھوکا ہوں لیکن لنگر خانے میں کھانا نہیں کھاؤں گا، میں نے اس سے کہا میں اپنی طرف سے نہیں آیا، مجھے حضرت نے بھیجا ہے، اور اُنہوں نے فرمایا ہے، ہماری خانقاہ کے دروازہ پر ایک بادشاہ بھوکا بیٹھا ہے، انہیں

حضرت نہ بادشاہ اور شہزادوں کے دربار میں جاتے ہیں اور نہ انہیں خانقاہ میں آنے کی اجازت دیتے ہیں، پھر آخر میں کیا کرتا؟ اپنے دل کی حسرت کس طرح پُوری کرتا؟ بھیس بدل کر گیا تاکہ کوئی مجھے پہچان نہ سکے۔ سوچتا ہوں حضرت نے یہ الفاظ میرے بارے میں کیسے فرمائے۔ کیا بادشاہت مجھے ملنے والی ہے؟

احمد ایاز:۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔

الغ خاں:۔ لیکن بظاہر اس کا کوئی امکان ہی نظر نہیں آتا۔۔۔ مجھے اپنے باپ سے محبّت ہے، بغاوت اور سرکشی کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا، میرے باپ کو مجھ سے محبت ہے، کتنے فخر کے ساتھ اس نے مجھے ولی عہدی کا منصب عطا کیا ہے، خدا کے فضل سے اس کی صحت بھی اچھی ہے، وہ کچھ ایسا بوڑھا بھی نہیں ہے، آخر میں کیا سمجھوں، میرے دماغ کی رگیں پھٹی جا رہی ہیں؟

احمد ایاز:۔ بالکل یہی کیفیت میری بھی ہے!

ہے، لیکن نہیں پوچھ سکتا، بڑی دیر تک کیفیت طاری رہی، پھر وہ احمد ایاز کے پاس آکر بیٹھ گیا اور اس کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

احمد ایاز تم جانتے ہو وہ درویش کون تھا؟ جو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

احمد ایاز:- نہیں، میں نے پہلے آپ کو بتا دیا کہ نہ میں نے اس کو پہچاننے کی کوشش کی نہ اندھیرے میں اسے پہچان سکتا تھا،

الغ خاں:- لیکن میں جانتا ہوں وہ کون تھا؟

احمد ایاز:- آپ جانتے ہیں وہ کون تھا تو بتائیے؟

الغ خاں:- وہ الغ خان تھا،

احمد ایاز:- (سراپا حیرت بن کر) وہ آپ تھے؟ لیکن کیوں؟

الغ خاں:- میں حضرت کا دل سے عقیدت مند ہوں، میں ان کے کشف و کرامت کا قائل ہوں، میری تمنا تھی کہ ان کی زیارت کروں، میں نے تم سے کئی مرتبہ کہا کہ لے چلو، لیکن تم نے ہر مرتبہ جواب دیا کہ

تصویر بنا بیٹھا ہے، الغ خاں اس کے سامنے جاکر چپ چاپ کھڑا ہوگیا،

سلطان غیاث الدین:۔ تمہیں معلوم ہے، قطب الدین خلجی کو قتل کرنے کے بعد خسرو شاہ نے سرکاری خزانے کا روپیہ انعام اور داد و دہش پر بے دریغ خرچ کیا؟

الغ خاں:۔ معلوم ہے اخوند عالم،

سلطان غیاث الدین:۔ تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد ہم نے سب سے پہلا حکم یہ نافذ کیا تھا کہ جن جن لوگوں کو انعام و اکرام کی صورت میں خسرو نے روپیہ بانٹا، وہ سب واپس کر دیا جائے،

الغ خاں:۔ غلام کو اس واقعہ کا اچھی طرح علم ہے،

سلطان غیاث الدین:۔ خزانۂ شاہی سے وہ فہرست دستیاب ہوگئی ہے، جس میں لوگوں کے نام اور ناموں کے سامنے انعام کی رقوم مندرج ہیں،

الغ خاں:۔ بجا ارشاد ہوا اخوند عالم،

سلطان غیاث الدین:۔ اس فہرست میں خواجہ نظام الدین کا نام بھی ہے، جنہیں لوگ سلطان المشائخ کہتے ہیں، محبوب الٰہی کہتے ہیں، جو لوگ لٹیروں

باب (۳۶)

زہر

تھوڑی دیر کے بعد احمد ایاز رخصت ہوگیا، اس کے جانے کے بعد چوبدار حاضر ہوا، اور اُس نے کہا

اخوند عالم آپ کو یاد فرماتے ہیں

باپ کی طلبی کا فرمان سُن کر الغ خاں اُٹھ کھڑا ہوا، اور محل شاہی کی طرف چلا، اسے حیرت تھی کہ سلطان نے ایسے ناوقت کیوں طلب کیا؟ کیا خاص بات پیش آگئی؟ یہی سوچتا ہوا وہ سلطان غیاث الدین تغلق کے پاس پہنچا، اور وہ یہ دیکھ تھرا گیا، کہ سلطان غیاث الدین تغلق قہر و جلال کی

وہ دامن جھاڑ کر اُٹھتے ہیں، تو ایک پائی بھی اُن کے پاس نہیں ہوتی، یہی اُن کا روز کا معمول ہے،

سلطان غیاث الدین :- یہ رقم اُنہیں واپس کرنا پڑے گی،

الغ خاں :- کیا اخوند عالم نے ان سے یہ رقم مانگی تھی ؟

سلطان غیاث الدین :- ہاں،

الغ خاں :- تو اُنہوں نے کیا جواب دیا ؟

سلطان غیاث الدین :- اُنہوں نے جواب دیا کہ نہ وہ رقم قطب الدین خلجی کی تھی نہ خسرو شاہ کی نہ غیاث الدین کی، خدا کی تھی اور خدا کے بندوں پر خرچ کر دی گئی۔

الغ خاں :- غلام ابھی عرض کر چکا ہے، وہ روپیہ اپنے پاس جمع نہیں کرتے، آتا ہے، خرچ کر لیتے ہیں، واقعی وہ خرچ کر چکے ہوں گے،

سلطان غیاث الدین :- یہ عذرِ لنگ ہے، اور ان تمام لوگوں سے جنہیں خسرو شاہ نے کوئی رقم دی تھی، ہم ایک ایک پائی وصول کر چکے ہیں، خواجہ نظام الدین کو بھی یہ رقم واپس کرنا پڑے گی، غیاث الدین کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا، ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے، وہ گانا اور قوالی سنتے ہیں، اور یہ چیزیں شریعت کے خلاف ہیں، غیاث الدین کے دار الحکومت میں ایسا

اور ڈاکوؤں سے نقد رقم کی صورت میں تحفے اور ہدیئے قبول کریں ، انھیں کم از کم ہم ولی اور صاف باطن نہیں سمجھ سکتے ،

الغ خاں :۔ لیکن غلام اس کی گواہی دیتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نے خسرو شاہ کے لئے کبھی کوئی کلمۂ خیر نہیں کہا بلکہ اگر وہ غلام کی اعانت کے لئے احمد ایاز کو نہ بھیجتے تو شاید خسرو شاہ اسے قتل کر ڈالتا اور وہ کسی طرح اپنے باپ اور سلطان کے حضور میں نہ پہنچ سکتا ،

سلطان غیاث الدین :۔ یہ کوئی بات نہیں ، اُنہوں نے پانچ لاکھ[1] تنکے خسرو شاہ سے وصول کئے ،

الغ خاں :۔ خسرو شاہ نے خود بھیجے ہوں گے ،

سلطان غیاث الدین :۔ اور یہ رقم خرچ بھی کر دی ، کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی بد دیانتی ہو سکتی ہے ؟

الغ خاں :۔ اخوند عالم ، سلطان المشائخ واقعی ایک مرد بزرگ ہیں ، انہیں دولت کی چاہ نہیں ، مال و زر کی پرواہ نہیں ، اُن کے پاس سونے چاندی کا انبار لگا رہتا ہے ، اور شام تک تقسیم ہوتا رہتا ہے ، جب وہ

---

[1] یہ ایک سکہ تھا جو موجودہ زمانے کی چونی کے برابر تھا ،

اپنے ساتھ لے کر فوراً روانہ ہو جاؤ !

الغ خاں :- ایسا ہی ہوگا اخوندِ عالم ،

الغ خاں باپ سے رُخصت ہو کر اپنے محل میں واپس آیا ، اور ملتان جانے کی تیاریاں کرنے لگا ، اس کے دل میں بار بار یہ خیال آرہا تھا کہ سلطان وقت اور سلطان المشائخ کی اس کشمکش کا انجام کیا ہوگا ؟

کوئی شخص نہیں رہ سکتا، جو اس طرح کی بدعت کا ارتکاب کرتا ہے، خیر ان باتوں کا فیصلہ پھر ہوتا رہے گا، ہم نے اس وقت ایک خاص کام کے لئے بلایا ہے،

الغ خاں :- ارشاد، اخوند عالم ارشاد،

سلطان غیاث الدین :- ملتان اور دیپال پور کے قیام میں مغلوں کے طوفان کو ہم نے سدِ سکندری بن کر روکا، لیکن یہ تاتاری اپنی شورش، اور یورش سے باز نہیں آتے، ہمیں معلوم ہوا ہے، وہ پھر ایک لشکرِ گراں لے کر ملتان کی طرف سے دلّی پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں،

الغ خاں :- غلام کو اجازت مرحمت ہو کہ وہ جائے اور انسانیت کے ان دشمنوں کو کچل کر رکھ دے،

سلطان غیاث الدین :- ہم نے تمہیں اسی لئے بلایا تھا، دلّی کی حکومت ابھی ہمارے ہاتھ میں آئی ہے، ان حالات میں ہمارا پایۂ تخت سے باہر جانا فی الحال مناسب نہیں ہے،

الغ خاں :- بجا ارشاد ہوا اخوند عالم،

سلطان غیاث الدین :- ہم چاہتے ہیں کل حسب ضرورت فوج

مریم گھبرا گئی۔ اس نے کہا:۔
کچھ بتاتے تو ہیں نہیں، خود بھی پریشان ہو رہے ہیں، اور ہمیں بھی پریشان کر رہے ہیں، کچھ کہئے تو۔

احمد ایاز نے کہا:۔
سلطان غیاث الدین تغلق کے ولیعہد الغ خاں نے اپنی تعمیرات کا مجھ کو منتظم اعلیٰ بنایا ہے، بہت بڑا عہدہ ہے، تنخواہ بھی بہت معقول ہے، اعزاز و حشم بھی توقع سے زیادہ ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت نے اجازت بھی دے دی ہے، کہ ملازمت قبول کر لو، لیکن اپنے دل کو ٹٹولتا ہوں تو کچھ گھبراہٹ سی اور وحشت محسوس کرنے لگتا ہوں، نہ جانے اس نئے تعلق کا انجام کیا ہو؟

مریم:۔ جب حضرت نے اجازت دے دی پھر آپ کا پریشان ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟

احمد ایاز:۔ حضرت نے اجازت اس لئے دی کہ انہیں میرے ظرف اور میری وفاداری پر اعتماد ہے۔

(۳۷)

باب

عزم جہاد!

احمد ایاز بہت مغموم اور مضمحل بیٹھا تھا، مریم اُسے افسردہ اور مضمحل دیکھ کر بیکل ہوگئی، اس نے کہا:-

خیر تو ہے، آج اتنے پریشان کیوں نظر آتے ہیں؟ ضرور کوئی خاص بات ہے؟

وہ کہنے لگا:-

ہاں مریم واقعی اس وقت کچھ پریشان سا ہوں، سمجھ میں نہیں آتا حالات کیا رُخ کرنے والے ہیں؟

آسمان کا فرق ہے، ان کا ظرف اتنا اونچا ہے
کہ وہ دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب نہیں ہو سکتے
اُن کی وفاداری چٹان کی طرح اٹل ہے سلطان المشائخ
کا دامن کبھی ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹ سکتا، میں ان
کی خاک پا کی برابری بھی نہیں کر سکتا،

مریم:- آدمی جیسا بننا چاہے خود بن سکتا ہے، کون کہہ سکتا تھا
تلنگانے کا وہ راجکمار جو مسلمانوں کے نام سے نفرت
کرتا تھا، احمد ایاز کا نام اختیار کرکے کھرا اور سچا
مسلمان بن جائے گا، اپنے اوپر اعتماد کیجئے؛ اعتماد
کرنا سیکھئے!

احمد ایاز:- تمہاری ان باتوں سے میرا حوصلہ بڑھ گیا،

مریم:- دنیا کے مزے ہم کافی لوٹ چکے ہیں، اللہ کا شکر ہے،
کوئی حسرت باقی نہیں، لیکن اگر خدا خود کوئی صورت پیدا
کردے تو اُسے قبول نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے،

احمد ایاز ابھی کوئی جواب نہ دینے پایا تھا کہ دروازے پر
دستک کی آواز آئی، وہ باہر نکلا تو ولی عہد کا چوبدار کھڑا تھا،
اس نے کہا:-

ولی عہد صاحب نے آپ کو ابھی اسی
وقت یاد فرمایا ہے،

مریم :۔ لیکن خود آپ کو اپنے ظرف اور اپنی وفاداری پر اعتماد نہیں ؟

احمد ایاز :۔ ہاں کچھ ایسا ہی اندیشہ ہوتا ہے ،

مریم :۔ یہ تو بڑی عجیب بات کہی آپ نے !

احمد ایاز :۔ بات یہ ہے کہ اب تک میری زندگی دوسرے انداز کی تھی ، اب ولی عہد کے دربار میں رسائی پائی ہے ، ولی عہد کا باپ یعنی سلطان غیاث الدین تغلق ، حضرت سے کچھ کھچا کھچا رہتا ہے ، اگر کہیں کوئی ایسا مرحلہ آگیا کہ یہ کشمکش زیادہ نمایاں ہوگئی ، تو ایسا تو نہ ہوگا کہ میں شاہی جاہ وحشم سے مرعوب ہو جاؤں ، اور سلطان المشائخ کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ جائے ؟

مریم :۔ آپ کی باتیں کچھ سمجھ میں نہیں آتیں ، آخر امیر خسرو بھی تو ہیں ، وہ ہر بادشاہ کے دربار میں اونچے سے اونچے منصب پر فائز رہے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ شاہی جاہ وحشم سے مرعوب ہو گئے ہوں اور سلطان المشائخ کا دامن اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہو !

احمد ایاز :۔ سچ کہتی ہو ، لیکن مجھ میں اور امیر خسرو میں زمین

الغ خاں :۔ واقعی اب میرا یہ عقیدہ ہوگیا ہے کہ حضرت کی نگاہ دل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتی ہے

احمد ایاز :۔ بات تو یہی ہے، لیکن یہ احساس آپ کو کیونکر ہوا؟

الغ خاں :۔ معلوم ہے اس وقت میں نے تمہیں کیوں بلایا،

احمد ایاز :۔ نہیں، میں نہیں جانتا،

الغ خاں :۔ لیکن حضرت سلطان المشائخ نے جان لیا، انھوں نے تمہیں وہ بات بتادی، جو میں اب تم سے کہنے والا ہوں،

احمد ایاز :۔ (متحیر ہوکر) یعنی، ——— ؟

الغ خاں :۔ تاتاری لشکر پھر ہندوستان کی طرف بڑھ رہا ہے، ملتان کے راستے وہ دہلی کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتا ہے سلطان عالم پناہ یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ دلی سے باہر نکلیں، انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ ایک فوج گراں لے کر ملتان کی طرف کوچ کردوں، اور تاتاریوں کا مقابلہ کردوں، کل صبح میں روانہ ہو جاؤں گا،

احمد ایاز :۔ کیسی عجیب بات ہے،

الغ خاں :۔ واقعی بہت عجیب، عقل کام نہیں کرتی، یہ اللہ والے لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں، لیکن زخدا جدا نہ باشند وہ باتیں جان لیتے ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

احمد ایاز وہیں سے اس کے ساتھ ہو لیا، ولی عہد کے پاس پہنچا، وہ اس کا منتظر تھا، تپاک اور گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کیا اور کہا:-

الغ خاں:- کہو تم نے کیا فیصلہ کیا، حضرت سلطان المشائخ سے تم نے دریافت کیا تھا؟

احمد ایاز:- جی ہاں انہوں نے اجازت دے دی،

الغ خاں:- (خوش ہوکر) حضرت نے اجازت دے کر میری عزت افزائی فرمائی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں کہ ان کا ایک مرید اور خادم میرے ساتھ رہ سکتا ہے، کتنا جی چاہتا ہے، کہ حضرت کی خدمت میں جاؤں اور اپنا سر اُن کے قدموں پر رکھ دوں لیکن افسوس سے

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم نکلے

حضرت ہم لوگوں کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اُن کے دربار میں بار پا سکیں۔

احمد ایاز:- میں نے حضرت سے اجازت طلب کی تو اُنھوں نے فرمایا الغ خاں اچھا آدمی ہے، وہ ایک مجاہد ہے۔ اس کی رفاقت تم میں بھی مجاہد کی شان پیدا کر دے گی، تم بھی مجاہد بن جاؤ گے،

اور خواہشیں وابستہ کر لیتا ہے، مکڑی کے جالے سے زیادہ کمزور ہیں، ایک معمولی سا حادثہ، ایک چھوٹا سا زخم اسے ختم کر سکتا ہے، لیکن یہی بے حقیقت زندگی اگر کسی اچھے اور نیک مقصد پر قربان کر دی جائے تو اس کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے، پھر یہ بے حقیقت نہیں رہتی، یہ روشن اور تابناک بن جاتی ہے، خوشا نصیب اس شخص کے جو زندگی کو، زندگی کے مقصد کو صحیح راستہ پر استعمال کرتا ہے، آؤ ہم تم دونوں بارگاہِ الٰہی میں دعا کریں، یا اللہ ہماری نیت کا کھوٹ دور کر دے، ہمارے عزم میں استقامت عطا فرما، اپنے راستے پر مرنے کا جذبہ اور جان دینے کا حوصلہ عطا فرما، ہماری زندگی گناہوں کی زندگی ہے، لیکن اب ہمارا جو قدم اٹھے وہ صرف تیرے لئے، تیری رضا جوئی کے لئے، اور تیرے دین کی سربلندی کے لئے اٹھے، ہم اگر زندہ رہیں تو اس لئے کہ اسلام کی خدمت کریں، اور اگر موت آئے تو اس حالت میں کہ اسلام کی خدمت کر رہے ہوں۔

یہ باتیں ایسے ہی لوگوں کو زیب دے سکتی ہیں - جنہوں
نے سب کچھ تج کر اپنے آپ کو خدا کے لئے وقف
کر دیا ہو۔

احمد ایاز :۔ بے شک آپ کا ایک ایک حرف سچ ہے ، واقعی
یہی بات ہے ،

الغ خاں :۔ لیکن یہ تو بتاؤ کیا تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے؛

احمد ایاز :۔ بسر و چشم ، جب سے اسلام قبول کیا ہے جہاد کی حسرت
دل میں لئے بیٹھا ہوں ، خدا کا شکر ہے اس حسرت
کے پورا ہونے کا وقت آگیا ، حضرت نے جو بشارت
دی تھی اُس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اس قدر جلد
عملی صورت اختیار کرے گی ، چلوں گا ، سر کے بل
چلوں گا ، اس سے بڑھ کر میرے لئے مسرت بخش
کوئی چیز نہیں ہو سکتی کہ اپنی گردن خدا کے راستے میں
کٹا دوں ، سچ تو یہ ہے کچھ بھی حق ادا نہ ہوگا ، ؎

جان دی ، دی ہوئی اُسی کی تھی ،
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا ،

الغ خاں :۔ جزاک اللہ ، تمہارے منہ سے جو الفاظ نکلے ہیں وہ
ایک سچے مسلمان کے الفاظ ہیں ، یہ زندگی جس کے
ساتھ انسان نہ جانے کتنی آرزوئیں اور تمنائیں جمع میں

الغ خاں یہ الفاظ کہہ رہا تھا ، اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ، آواز لڑکھڑا گئی تھی اور ہونٹ لرز رہے تھے ، اور بالکل یہی کیفیت احمد ایاز کی تھی ، خلوص نیت نے دونوں پر طمانیت کی عجب شان پیدا کر دی تھی ۔

باب (۳۸)

زمانی بیگم!

اسلام قبول کرنے کے بعد مریم کی زندگی میں بھی غیر معمولی تبدیلی آگئی تھی۔ نہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک ہندو خاندان کی صاحبزادی ہے۔ نہ یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک شاہی خاندان کی رُکن۔ صرف یہ احساس ہوتا تھا کہ ایک مسلمان عورت ہے جس نے اپنی زندگی خدا پرستی کے لئے وقف کردی ہے۔ فرصت کا سارا وقت وہ عبادت۔ تلاوتِ قرآن اور اورادو وظائف میں بسر کرتی تھی۔

دلی کے ایک رئیس کبیر شرف الدولہ کی بیوی زمانی بیگم آج اُس سے ملنے آئی تھیں یہ بڑے کھلے ڈھلے کی خاتون تھیں۔ مزاج بھی ذرا تیکھا تھا۔ طبیعت میں غرور اور نخوت کا مادہ ضرورت سے زیادہ تھا۔ دولت اور ثروت کی نمائش میں بہت زیادہ آگے بڑھی ہوئی تھیں۔ بہت خوبصورت تھیں لیکن جتنی تھیں اس سے کہیں زیادہ اپنے آپ کو سمجھتی تھیں۔ اپنے سے کم مایہ عورتوں سے میل جول رکھنا کسرِ شان خیال کرتی تھیں۔ شاہی محل میں بھی آمدورفت تھی۔ اور اس اعزاز نے دماغ آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ وزراء اور امراء کی بیگمات کی دعوتیں اکثر کیا کرتی تھیں۔ اور خود بھی بڑے شوق اور ذوق سے اُن کے ہاں مدعو ہوا کرتی تھیں۔ مریم کو انھوں

مریم نے حیرت سے زمانی بیگم کی طرف دیکھا اور کہا:۔
میرے غریب خانے پر آکر آپ نے دُکھ محسوس کیا اس کا مجھے بھی افسوس ہے۔ لیکن میرا حال دیکھ کر آپ کو صدمہ ہوا۔ یہ میں نہیں سمجھی۔

زمانی بیگم:۔ اپنا رُوپ دیکھو۔ اپنے گُن دیکھو۔ اپنا سبھاؤ دیکھو۔ اپنی شرافت اور عالی ظرفی دیکھو۔ اپنی شوہر پرستی اور انسانیت دیکھو۔ اور پھر تمہارا یہ حال ______ سچ کہتی ہوں۔ میری آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں۔

مریم:۔ (مسکرا کر) لیکن ہوا کیا۔ یہ بھی تو بتایئے۔ آپ میرے حال پر کڑھنے لگیں مجھے آپ کی باتوں پر حیرت ہوتی ہے۔

زمانی بیگم:۔ سچ کہتی ہوں اگر میرے شوہر کا میرے ساتھ یہ برتاؤ ہوتا تو میں زندگی بھر اس کا منہ نہ دیکھتی۔ اُسے منہ نہ لگاتی۔ طلاق لے لیتی۔

مریم:۔ (بے انتہا حیران ہو کر) آخر آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔ یہ تو بتایئے۔

زمانی بیگم:۔ بتاؤں کیا خود ہی ظاہر ہے۔ "صورت ببیں حالت مپرس" اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔

مریم:۔ آپ تو پہیلیاں بُجھا رہی ہیں۔ قسم لے لیجئے۔ جو ذرا بھی آپ کا مطلب سمجھ میں آیا ہو۔

زمانی بیگم:۔ بہن مطلب بالکل صاف ہے۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں۔ اس گھر میں آکر تمہارا روپ مٹی میں مل گیا۔ جوانی غارت ہو گئی۔ غضب خدا کا۔ یہ سن یہ حسن۔ یہ جوانی اور یہ زندگی۔ آسمان بھی نہیں پھٹ پڑتا۔

مریم:۔ (ذرا تیکھے تیور سے) یہ آپ کسے کہہ رہی ہیں۔ کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟

زمانی بیگم:۔ تمہارے سوا اور کسے کہوں گی!

مریم:۔ کیا دیکھا آپ نے مجھ میں؟

نے کئی دفعہ اپنے در دولت پر مدعو رکھا تھا۔ اور اُس کے بلاوے پر آج بھی اُس کے گھر تشریف لائی تھیں۔

زمانی بیگم کا خیال تھا احمد ایاز جیسے شخص کی حویلی ٹھاٹھ باٹھ میں قصر شاہی سے ٹکر لیتی ہوگی۔ اور مریم کا رکھ رکھاؤ بیگمات شاہی کے مقابلے کا ہوگا۔ لیکن یہاں پہنچ کر حیرت سے ان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ اُنہوں نے دیکھا اتنی بڑی حویلی میں نہ اس کے شایانِ شان ساز و سامان ہے۔ نہ غلاموں، لونڈیوں اور نوکروں چاکروں کی ریل پیل ہے۔ جس کمرے میں مریم رہتی تھی۔ وہاں پہنچ کر اُنہوں نے دیکھا کہ یہ کمرہ بھی سادگی کا مکمل نمونہ ہے۔ سفید جاجم کا ایک فرش بچھا ہے۔ ایک طرف چھپر کھٹ کی بجائے متوسط درجے کی مسہری پر ایک معمولی سا بستر بچھا ہے۔ فرش پر ایک معمولی حیثیت کا قالین ہے۔ اس پر ادھر ادھر گاؤ تکیے رکھے ہوئے ہیں۔ کونے میں ایک چوکی ہے جس پر جانماز بچھی ہے۔ اور جزدان میں لپٹا ہوا قرآن مجید رکھا ہوا ہے۔ مریم کے حضور میں نہ کنیزوں کا پرا ہے نہ غلاموں کی بھیڑ۔ اگر ضرورت ہوتی ہے تو وہ خود آواز دے کر کسی خادمہ کو بلا لیتی ہے اور اس سے اپنا کام کہہ دیتی ہے۔ خادمائیں اتنی سر چڑھی ہیں کہ آنکھ میں آنکھ ملا کر بات کرتی ہیں۔ انہیں یہ معلوم ہی نہیں۔ مالک کا رعب کیا ہوتا ہے۔ کھانے کا وقت آیا تو زمانی بیگم کی مایوسی کی حد نہ رہی۔ انہوں نے جب مریم کو اپنے ہاں مدعو کیا تھا تو دسترخوان پر تیس چالیس قسم کے کھانے تھے۔ اور آج جو کھانا ان کے سامنے آیا تھا۔ وہ اتنا معمولی تھا کہ ان کے لونڈی غلام بھی خوشی سے نہ کھاتے۔ بمشکل سے دو تین لقمے کھا کر اُنہوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور شکایت کے لہجے میں دوستانہ طور پر مریم سے کہا۔

مجھے بڑا دُکھ ہوا ہے۔ یہاں آکر۔ کاش میں یہاں نہ آتی اور تمہیں اس حال میں نہ دیکھتی۔

سے بھی زاید۔ اس خوش بختی کی زندگی پر میں تمہیں مبارکباد دیتی ہوں البتہ اپنے خدا سے یہ دعا ضرور کرتی ہوں۔ کہ بار الہا! میرے کسی دشمن کی لڑکی کو بھی یہ دن نہ دکھائیو۔ جو مریم بیگم دیکھ رہی ہیں۔

مریم :۔ آپ کے اس طنز پہ مجھے غصہ نہیں آیا۔ رحم آیا ہے۔

زمانی بیگم :۔ اوئی۔ رحم کیوں آیا۔ اس بندی پہ؟

مریم :۔ اس لئے۔ کہ تم سائے کو حقیقت سمجھ رہی ہو۔

زمانی بیگم :۔ اچھا! اب تمہارا مطلب سمجھ میں آیا۔ تمہارے نزدیک غربت کی زندگی اصل زندگی ہے۔ ہے نا؟

مریم :۔ ہاں۔ میرا مطلب یہی تھا۔

زمانی بیگم :۔ مطلب وطلب کچھ نہیں۔ صاف اور کھری بات یہ ہے کہ تم اس قیدی کی طرح ہو جو غلامی ہی کو زندگی سمجھنے لگتا ہے تم اس زندگی پر قانع ہو چکی ہو۔

مریم :۔ نہیں یہ بات نہیں ہے!

زمانی بیگم :۔ پھر کیا بات ہے۔ بتاؤ۔ ذرا ہم بھی سنیں۔

مریم :۔ آپ کو شاید نہیں معلوم میں ہندوستھی۔ منگانہ کی راجکماری تھی پھولوں کی سیج پر سوتی تھی۔ سونا اور چاندی ہیرے اور جواہر۔ زمرد اور نیلم میرے لئے وہی حیثیت رکھتے تھے۔ جو تمہارے لئے کنکر پتھر تھے۔ اطلس و کمخواب دیبا اور حریر میرا روز مرہ کا لباس تھا۔ میں نے یہاں کے رئیسوں اور دولت مندوں کے ہاں لونڈی اور غلاموں کی ریل پیل دیکھی ہے۔ لیکن تم آسانی سے اندازہ لگا سکتی ہو۔ کہ ایک شاہی محل میں ان کی کثرت کا کیا عالم ہوگا۔ یہاں کے وزیروں اور رئیسوں کے گھروں پر میں کھانا کھایا ہے۔ ان کے دستر خوان کی رنگا رنگی دیکھی ہے لیکن میری راجدھانی

زمانی بیگم :- بہن بُرا مانو یا بھلا۔ میں تو ڈنکے کی چوٹ یہ کہوں گی۔ کہ تمہارا شوہر۔ ظالم بھی ہے اور کنجوس بھی۔

مریم :- آپ اگر مہمان نہ ہوتیں تو اس غلط بات کا میں بڑی سختی سے جواب دیتی۔ میرے شوہر کے خلاف یہ الفاظ کہہ کر آپ نے میرے سینے پر گھونسہ مارا۔ وہ انسان نہیں۔ فرشتہ ہیں۔ اور آپ ان کے بارے میں ایسے ناپاک خیال رکھتی ہیں۔

زمانی بیگم :- ہائے غضب، تو کیا تم ان سے محبت بھی کرتی ہو۔

مریم :- محبت کیا چیز ہے۔ میں نہیں جانتی۔ لیکن اگر خدا کے علاوہ اگر کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو ضرور میں شوہر کی پرستش کرتی۔

زمانی بیگم :- (حیرت سے مریم کے سراپا پر نظر ڈال کر) تو اس زندگی سے تم خوش ہو۔

مریم :- صرف خوش نہیں نازاں ہوں۔ میری جیسی خوش قسمت عورتیں دنیا میں کم ہونگی۔ احمد کی بیوی بن کر میں نے وہ سب کچھ پا لیا۔ جس کی توقع ایک عورت کر سکتی ہے۔ بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ۔

زمانی بیگم :- یہ تو میں دیکھ رہی ہوں ـــــ سر سے پاؤں تک سونے میں پیلی ہو رہی ہو۔ لباس اتنا شاندار ہے کہ بیگمات شاہی بھی رشک کرتی ہوں گی۔ سازوسامان کی وہ افراط ہے کہ بادشاہ کے گھر میں بھی نہ ہو۔ لونڈیوں اور غلاموں کی کثرت ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ دسترخوان بچھتا ہے تو ایسے ایسے الوانِ نعمت سامنے آتے ہیں کہ قوتِ انتخاب عاجز آجاتی ہے۔ آدمی کیسے کھائے اور کیسے چھوڑے۔ سچ کہتی ہوں بہن واقعی تمہیں وہ سب کچھ حاصل ہے۔ جس کی ایک عورت توقع کر سکتی ہے۔ بلکہ اس

میں ہمارے نوکر بھی جس ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ وہ بات بہت سے رئیسوں کو بھی میسّر نہیں آسکتی۔ تمہاری طرح میں بھی اسی زندگی کو اصل اور سچّی زندگی سمجھتی تھی۔ سونا میرا دین تھا۔ چاندی میرا ایمان۔ غریبوں کو دیکھتی تھی تو حیرت ہوتی تھی کہ غریب کون ہے۔ اور پھر وہ حیرت نفرت سے بدل جاتی تھی۔ میرا ان کا کیا جوڑ۔ لیکن راجکمار ہیر دیو یعنی میرا شوہر احمد اس شہر میں موجودہ دنیا کے سب سے بڑے فقیر یعنی خواجہ نظام الدین اولیا کے آستانے پر پہنچا۔ پہلے فقیر ہوا۔ پھر مسلمان بن گیا۔ مجھے مسلمانوں سے نفرت تھی۔ اسلام سے کد تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ میں نے ہیر دیو کی ایک بات ناپسند کی لیکن اس کی محبت اپنے دل سے نہ نکال سکی۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے پاس چلی آئی۔ سوچا تھا کہ اس سے لڑوں گی۔ اور پھر اسے اپنے دھرم میں واپس لے آؤں گی لیکن اس مردِ درویش کے آستانے پر پہنچکر میں نے جو کچھ دیکھا۔ اس نے میری آنکھیں کھولدیں۔ میں نے ہیر دیو سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حجاب کا پردہ میری آنکھوں کے سامنے سے اُٹھ گیا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ ابتک جو کچھ میں سمجھتی تھی۔ وہ غلط تھا۔ اصلی زندگی دولت اور تونگری نہیں فقر اور سادگی ہے۔ اہلِ زکوٰۃ غریبوں سے نفرت اور بے مایہ لوگوں سے بیزاری نہیں۔ ان سے ہمدردی اور محبّت ہے۔ اصلی شان طرح طرح کے کھانے پکوانا نہیں، کم سے کم کھانا اور زیادہ سے زیادہ بربار کرنا نہیں ہے۔ بلکہ بھوکوں کی سیوا کرنا۔ بیماروں سے محبت کرنا۔ اپاہجوں کو سہارا دینا۔ غریبوں کا ساتھ دینا۔ زندگی کا روپ یہ نہیں ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں کی پلٹنیں موجود ہوں اور ان سے وہ سلوک کیا جائے جو جانوروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ انہیں اپنا بھائی سمجھا جائے۔ انسان مانا جائے۔ مساوات اور برابری کا سلوک کیا جائے۔

یہ زندگی۔ یہ اس کے ٹھاٹھ۔ یہ اس کا روپ۔ یہ اس کا سنگھار یہ چیزیں مٹ جانے والی ہیں۔ موت سے کوئی نہیں بچ سکتا اور موت کے ساتھ ہی سارا دبدبہ اور تن تنا ختم ہو جاتا ہے پھر بادشاہ اور فقیر میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔ نہ ختم ہونیوالی زندگی اور وہاں انسان اگر کچھ پیش کر سکتا ہے تو وہ صرف اپنے اعمال۔ وہاں اگر انسان کے کام کوئی چیز آسکتی ہے تو صرف اسکی نیکیاں۔ وہاں اگر اسکا کوئی ساتھ دے سکتا ہے تو فقط اس کی بھلائیاں۔ میں نے اور میرے کنجوس اور ظالم شوہر نے اس حقیقت کو سمجھ لیا اور یہ نئی زندگی اختیار کر لی۔ اس زندگی پر ہم کو فخر اور ناز ہے میرے شوہر کی بھی اتنی ہی آمدنی ہے جتنی تمہارے شوہر کی بلکہ شاید کچھ زیادہ میں اب بھی اسی شان اور ٹھاٹھ کی زندگی بسر کر سکتی ہوں جس کا نمونہ تم ہو۔ بلکہ میں لاکھوں کا جب بھی سوا لاکھ ٹکے کا۔ جب میں نے اس شہر میں قدم رکھا تو میرے پاس اتنے ہیرے اور جواہرات تھے کہ انہیں بیچ کر ایک بہت بڑی جاگیر خریدی جاسکتی تھی اور میں اسی آن بان سے زندگی بسر کر سکتی تھی جس طرح تلنگانہ کے راج گاؤں میں کرتی تھی لیکن میں نے اور میرے شوہر نے جو فیصلہ کر لیا تھا اس پر قائم رہے ہم اپنی آمدنی اپنے پیٹ پر۔ اپنے جسم پر کم خرچ کرتے ہیں اور جسم کی نمائش پر صرف نہیں کرتے۔ خدا کے بندوں پر صرف کرتے ہیں۔ وہ بندے جو بھوکے ہیں۔ ننگے ہیں۔ جن کے پاس لباس اور ستر چھپانے کو چیتھڑے بھی نہیں۔ تن ڈھانکنے کو کپڑا اور پیٹ بھرنے کو روٹی اور سچی بات یہ ہے یہ بھی ایک قسم کا کاروبار ہے۔ یہاں دیتے ہیں۔ وہاں سود در سود سمیت وصول کریں گے اور میرا خیال ہے کہ یہ سودا بڑا عمدہ ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ تمہارے لونڈی اور غلام ہاتھ باندھے۔ سر جھکائے ادب سے کھڑے رہتے ہیں۔ میں بھی یہی کیا کرتی تھی لیکن اسلام کے مساوات کے سبق نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں اپنے نوکروں کو اپنا جیسا انسان بلکہ اپنا بھائی اور بہن سمجھوں۔ اور تم نے دیکھ لیا۔ اس گھر میں ان کے ساتھ کیا برتاؤ ہوتا ہے۔ تمہارے گھر میں میں نے دیکھا تھا ناچ رنگ، رقص سرود نغمہ و موسیقی۔ کے چرچے اب تک تھے کبھی میں بھی ان چیزوں سے دل بہلایا کرتی تھی لیکن اب ان چیزوں کے مقابلہ میں غریب کی آہ مظلوم کی پکار، بیوہ کی فریاد، اور یتیم کا نالہ

باب (۳۹)

شورش اور یورش

الغ خاں بڑا بہادر جیالا، اور مہم جُو تھا، وہ اس ذوق و شوق سے میدانِ جنگ کی طرف بڑھ رہا تھا، جس طرح ایک شکاری والہانہ بیتابی کے ساتھ شکار گاہ کا رُخ کرتا ہے، احمد ایاز اس کے ساتھ تھا، وہ بھی شوقِ جہاد سے چور اور نشۂ شہادت سے مخمور رواں دواں ملتان کی طرف جا رہا تھا دونوں کے پیشِ نظر زندہ رہنے کی تمنا اتنی نہیں تھی، جتنی خدا کی راہ پر قربان ہو جانے کی، ہوسِ دنیا سے دل سیر ہو چکا تھا، ذکرِ الٰہی نے قلب میں سوز و گداز کی کیفیت پیدا کر دی تھی،

میرے لئے زیادہ کشش رکھتا ہے۔ ہم میاں بیوی اپنی ساری آمدنی انہی کاموں پر خرچ کرتے ہیں تمہارے ہاں خود قوال اور داستان گو مقررہ ہیں۔ تمہیں کہانیاں سناتے ہیں اور تم شوق سے سنتی ہو۔ کبھی میں بھی یہی زندگی بسر کرتی تھی۔ لیکن اب جو مزا قرآن کی تلاوت اور تسبیح و وظیفے میں آتا ہے وہ ان چیزوں میں نہیں آتا۔ بہن یہ اپنی اپنی پسند ہے۔ مجھے ایک راستہ اچھا لگا۔ میں نے اسے اختیار کر لیا۔ ایک راستے کو تم پسند کرتی ہو۔ اس پر چلنے لگیں۔ مجھے تم پر اور تمہیں مجھ پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ آنے والی زندگی بتادے گی۔ ہم میں سے کس کا راستہ صحیح تھا۔ اور کس کا غلط

مریم نے اپنی گفتگو ختم کر لی۔ اس کی آواز تھرا گئی تھی ہونٹ لرز گئے تھے اور پلکوں سے آنسو کے موتی جھلک رہے تھے۔ زمانی بیگم نے لپک کر اُسے گلے سے لگا لیا۔ اور پھکوں پھکوں رونے لگی۔ اور گریہ آلود آواز میں کہا۔ "بہن معاف کردو۔ میں اب تک گمراہی کی وادی میں بھٹک رہی تھی۔ تم نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میں نے صحیح راستہ پالیا۔

مریم نے زمانی بیگم کا سر اپنے کاندھے سے لگا لیا۔ اور محبت بھرے لہجے میں کہا "معافی مجھے مانگنی چاہئے۔ میں نے نہ جانے کیسی ٹیڑھی میڑھی باتیں آپ سے کہہ ڈالیں"

زمانی بیگم:۔ اچھا اب آپ مجھے زیادہ شرمندہ نہ کریں ——— انشاء اللہ اب میری تمہاری جب ملاقات ہوگی تو تم دیکھ لوگی۔ زمانی بدل گئی ہے۔ اس میں انقلاب آگیا ہے ———

:۔ یہ تو میں اب بھی دیکھ رہی ہوں

:۔ پھر تم محسوس کرو گی۔ زمانی تمہاری بہن ہے۔ صورت میں نہیں۔ اس لئے کہ صورت میں تمہارا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سیرت میں۔

مریم نے اسے شوخ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "بڑی شریر ہو۔" اور دونوں مسکرادیں۔

عقل رہنمائی نہیں کرتی ، انجام بخیر نظر نہیں آتا ۔ آپ کو معلوم ہے ، سُلطان قطب الدین خلجی کو حضرت سے کد تھی مگر اس کا انجام کیا ہوا ؟ خسرو خاں کو بھی حضرت کی ذاتِ گرامی سے ایک قسم کی کد تھی ، لیکن اس کا جو حشر ہوا وہ کسے نہیں معلوم ؟ اب سُلطان کو حضرت سے پرخاش ہوئی ہے ، اس کا نتیجہ کیا ہو گا ، یہ سوچ کر میں کانپ جاتا ہوں ،

الغ خاں :- سچ کہتے ہو احمد ایاز ، ——— اور سمجھ میں نہیں آتا ، اخوند عالم کو کس طرح یہ بتایا جائے کہ وہ غلط راستے پر جا رہے ہیں ، ایسی ہستی سے ٹکرانے کی کوشش کر رہے ہیں ، جس کا نتیجہ ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا ،

احمد ایاز :- بجا فرمایا آپ نے لیکن مُقدرات میں کوئی دخل نہیں دے سکتا ، مجھے تو تقدیر الٰہی کچھ ایسی ہی نظر آتی ہے ۔

الغ خاں :- (بے تاب ہو کر) یہ نہ کہو ، ان باتوں کے تصور سے میرا مضبوط دل لرزنے لگتا ہے ،

احمد ایاز :- اچھا خاموش ہوا جاتا ہوں ، آپ بھی آرام فرمایئے کافی رات گذر چکی ہے ، صبح نماز فجر سے فارغ ہو کر منزل کی طرف بڑھنا ہے ،

دونوں بڑھتے رہے ؛ راستے میں ایک پُرفضا مقام پر پڑاؤ کیا، عشاء کی نماز کے بعد دونوں سونے کے لئے لیٹے، لیکن نیند نہ آئی ، باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

الغ خاں :- انشاء اللہ کل ہم اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں گے اور دشمن سے ایسا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے کہ اس کے دانت کھٹے ہوجائیں گے ،

احمد ایاز :- انشاء اللہ ——— میں تو یہ چاہتا ہوں کہ یہ زندگی خدا کے راستے میں قربان ہو جائے ،

الغ خاں :- میری آرزو بھی یہی ہے ،

احمد ایاز :- یہ ایسی آرزو ہے کہ اس سے اختلاف کی جرأت تو میں نہیں کرسکتا ، لیکن شاید اس مرحلے پر یہ پوری نہ ہوسکے ،

الغ خاں :- (تیوری پر بل ڈال کر) یہ تم نے کیسے جانا ؟

احمد ایاز :- (مسکراکر) آپ کو بادشاہت کی نوید مل چکی ہے ، پہلے اسے تو عملی جامہ پہن لینے دیجئے ،

الغ خاں :- (سنجیدہ ہوکر) ہاں خوب یاد آیا ، سمجھ میں نہیں آتا ، خوندِ عالم (سلطان غیاث الدین تغلق) کو حضرت سلطان المشائخ سے کدسی کیوں ہوگئی ہے ؟

احمد ایاز :- میں بھی اس بات پر کئی مرتبہ غور کرچکا ہوں ، مگر

اور منصور ملتان کے قلعہ میں داخل ہوئے، اس کامیابی پر الغ خاں نے سب سے پہلے دوگانہ شکر ادا کیا، اس کے بعد احمد ایاز کی عیادت کو گیا، جو زخموں سے چور تھا، خون اب تک رِس رہا تھا، لیکن اس کے تیور میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، اسے اگر افسوس تھا تو صرف اس کا کہ زخمی کیوں ہوا، راہِ حق میں شہید کیوں نہ ہوگیا؟

الغ خاں کا ارادہ تھا کہ تاتاریوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد فوراً دلی واپس چلا جائے، سلطان غیاث الدین تغلق کی تاکید بھی یہی تھی۔ لیکن احمد ایاز بسترِ علالت پر دراز تھا، اور الغ خاں کو یہ گوارا نہ تھا کہ اسے ملتان چھوڑ کر دلی چلا جائے، اگرچہ احمد ایاز نے اصرار بھی کیا، کہ آپ تشریف لے جائیے، خوندِ عالم آپ کے منتظر ہوں گے، امورِ سلطنت میں آپ کی غیر موجودگی کے باعث رخنہ پڑ رہا ہوگا، میں صحت یاب ہوتے ہی حاضر ہوجاؤں گا، لیکن الغ خاں نے یہ بات نہ مانی، اس نے کہا، یہ نہیں ہوسکتا شاہی جراح نے مجھے اطمینان دلایا ہے، دس پندرہ روز میں تم انشاء اللہ صحت یاب ہوجاؤ گے، لیکن اگر خدانخواستہ دس پندرہ مہینے بھی لگ جاتے تو میں رکتا، اور ساتھ لے کر واپس جاتا، مجھے معلوم ہوا ہے، تم کو مریم سے کتنی محبت ہے، میں جانتا ہوں تم اس سے کتنی محبت کرتے ہو، میں تنہا دلی پہنچوں تو مریم اپنے دل

اس گفتگو کے بعد ولی عہد کے خیمہ میں سناٹا چھا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں بے خبر سو گئے ،

الغ خاں دوسرے روز اپنا لشکر لے کر آگے بڑھا ، ملتان کی سرحد پر پہنچنے کے بعد اس نے تاتاریوں کی ایک بہت بڑی فوج آمادہ جنگ پیکار دیکھی ، اگرچہ تھکا ہوا تھا ، احمد ایاز پر بھی خستگی اور ماندگی محسوس کر رہا تھا ، لیکن اسلام کے دشمنوں اور مسلمانوں کے قاتلوں کو دیکھ کر یہ لوگ قابو میں نہ رہے ؛ الغ خاں نے اللہ ہو اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگایا ؟ اور اپنے ساتھیوں سمیت دشمنوں کے سمندر میں کود پڑا۔ اور شناوری کے جوہر دکھانے لگا ، تاتاری انسان کی صورت میں درندے تھے ، جنگ ان کا کھیل تھا ، خونریزی ان کا مشغلہ تھا ، لوٹ مار ان کا پیشہ تھا ، سنگ دلی اور شقاوت ان کی فطرت تھی ، جی توڑ کر بے جگری کے ساتھ لڑے ، لیکن الغ خاں اور احمد ایاز کے سورماؤں کے مقابلہ میں نہ ٹھیر سکے ، گھمسان کا رن پڑا ، ہزاروں تاتاری ہلاک ہوئے ، الغ خاں کی فوج نے انہیں دبانا شروع کیا ، پہلے تو ہارتے ہوئے پیچھے ہٹے ، اور پھر پیٹھ پھیر کر جو بھاگے ہیں تو پیچھے مڑ کر نہ دیکھا ، بڑی دور تک الغ خاں اور اس کے سپاہیوں نے ان بدبختوں کا پیچھا کیا۔ جو آیا اُسے مارتے ہوئے بڑھتے رہے ، پھر یہ لوگ مظفر

بیٹے کے استقبال کو دلّی سے کئی میل آگے موجود بلا، یہ منظر بھی قابلِ دید تھا، باپ اور بیٹے کا جب آمنا سامنا ہوا تو دونوں بے تابی اور بے قراری کے ساتھ گھوڑے سے اُترے اور ایک دوسرے کی طرف بڑھے، الغ خاں نے جوشِ عقیدت اور محبّت سے باپ کے قدم لئے، باپ نے الفتِ پدری سے مجبور ہوکر اُسے گلے لگالیا، پیشانی کو بوسہ دیا اور بھرّائی ہوئی آواز میں کہا:-

بیٹے تمہاری بہادری سعادت مندی اور
شرافت پر ہمیں فخر ہے، ہماری دعا ہے
خدا ہر باپ کو ایسا ہی بیٹا دے ؎

سُلطان غیاث الدین تغلق کی آواز بھرّا گئی، اُس کی آنکھوں میں آنسو ڈب ڈبا رہے تھے۔ الغ خاں کی گردن جھکی ہوئی تھی، اور اس کے چہرے پر فخر و انبساط کی کیفیت طاری تھی۔

میں کیا کہے گی ؟ نہیں یہ نہیں ہوسکتا ۔ میں نہیں رہوں گا، اور ہم دونوں انشاء اللہ ساتھ ساتھ واپس چلیں گے، اور یہ اچھا بھی ہے، لشکر کا ہر سپاہی الغ خاں اور احمد ایاز نہیں، یہ لوگ بھی بے چارے تھک گئے ہیں، ذرا سستالیں گے، آرام کرلیں گے ۔"

احمد ایاز خاموش ہو رہا، الغ خاں بڑی دیر تک اس کے پاس بیٹھا، تسلی اور دل دہی کی باتیں کرتا رہا، پھر اپنے خیمہ میں واپس آگیا،

پندرہ دن پلک جھپکاتے گذر گئے ۔ اب احمد ایاز بالکل تندرست ہوچکا تھا، زخموں کے نشان باقی تھے، لیکن اب مرہم پٹی کی ضرورت سے وہ بے نیاز ہوچکا تھا، اور آج الغ خاں کے ساتھ دلی کی طرف اس کا کارواں بڑھ رہا تھا۔

غیاث الدین تغلق کو الغ خاں کی کامیابی فتح مندی اور آمد کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی، وہ بہت خوش تھا کہ اس کے نور نظر اور لخت جگر نے پہلی ہی مرتبہ اتنا بڑا اور بہت زبردست معرکہ سر کیا۔ وہ بڑا باوقار اور پر جلال شخص تھا، لیکن اس موقع پر وقار کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا، مہر پدر نے بے قابو کردیا اور جذبات سے مجبور ہوکر امراء دولت، وزرائے حکومت اور علماء و مشائخ کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ اپنے بہادر

سلطان المشائخ کی ذات گرامی سے اس کی عقیدت کو اور زیادہ مستحکم کر دیتا تھا، صبح شام ہر روز وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، اور اس رُوحانی مجلس میں بیٹھ کر قلب کا زنگ اور روح کی کدورت دور کیا کرتا تھا، حضرت کا التفات بھی اب تک اسی طرح قائم تھا، آستانے کے متوسلین میں اور حضرت کے معتقدین میں احمد ایاز ایک خصوصی امتیاز کا حامل تھا، وہ اپنے دنیاوی فرائض بڑی مستعدی اور تندہی سے انجام دیتا تھا، لیکن ان فرائض کو اس نے کبھی یہ موقع نہ دیا کہ اس کی عبادت و ریاضت اور حضرت سے عقیدت اور شیفتگی کے راستے میں آڑے آئیں، اب وہ ایک شاندار حویلی میں رہتا تھا۔ امیرانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کر رہا تھا، روپے کی ریل پیل تھی۔ جاہ و حشمت اس کے ہمرکاب پھرتی تھی، خادموں اور غلاموں کی فوج کی فوج موجود تھی جو اشارۂ چشم کے منتظر صف بستہ اور دست بستہ ہر وقت سامنے موجود رہتے تھے، ایک ناواقف اور اجنبی شخص یہی سمجھتا تھا کہ یہ ایک اُولوالعزم رئیس ہے جو ٹھاٹ کی زندگی بسر کرتا ہے، جس کے دسترخوان پر الوانِ نعمت موجود رہتے ہیں، جس کے دروازے پر محتاجوں غریبوں اور بھکاریوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے، جس کی نگاہِ التفات حاصل کرنے کے لئے وقت کے حکام اور اُمراء حاضر بارگاہ رہتے ہیں، لیکن

باب (۴۰)

فرمان

چند روز تک کوئی خاص بات رُو نما نہیں ہوئی۔ احمد ایاز مُنتظم تعمیرات کی حیثیت سے ولی عہد مملکت الغ خاں کی ڈیوڑھی پر کام کر رہا تھا، دونوں میں روز مُلاقات ہوتی تھی۔ الغ خاں کے اعتماد میں، اور احمد ایاز کی محبوبیت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا، خود سلطان غیاث الدّین تغلق بھی اس سے بہت خوش تھا اس کی بہادری و وفاداری کی قدر کرتا تھا اور اکثر خوشنودیٔ مزاج کا پروانہ عطا کیا کرتا تھا، اس دنیاوی سربلندی کے باوجود، احمد ایاز کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ترقی کا ہر زینہ

الغ خاں :۔ کاش میں بتا سکتا ۔

احمد ایاز :۔ اگر آپ مجھے اس قابل نہیں سمجھتے کہ مجھ پر اعتماد کریں، تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں

الغ خاں :۔ نہیں نہیں غلط فہمی ہوئی ، تم ہمارے دوست اور بھائی ہو ، دنیا میں ہم کسی پر اتنا اعتماد نہیں کرتے جتنا تم پر ۔ جس خلش نے بے تاب کر رکھا ہے ، اس کا اظہار اس دنیا میں اگر کسی سے کر سکتے ہیں تو وہ صرف تم ہو ، لیکن سمجھ میں نہیں آتا ، جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ کیوں کر کہہ دیں ، کن الفاظ سے کہہ دیں ،

احمد ایاز :۔ آخر ایسی وہ کیا بات ہے ؟ میرے آقا !

الغ خاں :۔ کچھ نہ پوچھو ،

احمد ایاز :۔ میں آپ کا یہ اضطراب نہیں دیکھ سکتا ، اگر میری جان بھی کام آ جائے تو میں اس سے دریغ نہیں کروں گا ، فرمائیے اور بے جھجک فرمائیے ، احمد ایاز کو انشاء اللہ ہر حالت میں آپ اپنا وفادار پائیں گے ۔

الغ خاں :۔ ہر حالت میں ؟

احمد ایاز :۔ جی ہاں ، بشرطیکہ وہ شریعت اور طریقت کے خلاف نہ ہو اور مجھے امید ہے کہ ایسا نہیں ہوگا ، اس لئے کہ خدا نے آپ کی ذات میں شریعت اور طریقت

جو لوگ اس کی روحانی سربلندیوں سے واقف تھے وہ جانتے تھے کہ یہ شاندار محل میں رہنے والا، سونے اور چاندی سے لدنے والا، دولت اور حشمت کا آقا، جاہ و جلال کا پیکر، رات کی تنہائیوں میں ایک عابد شب زندہ دار، دن کی مصروفیت میں ایک فرض شناس اور اَن تھک کام کرنے والا شخص نظر آتا تھا یہ رات کی تنہائی میں اپنے رب سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگتا تھا، دنیا کی سربلندی کے لئے نہیں، آخرت کی سرفرازی کے لئے اس کی جیبوں میں اشرفیاں بھری رہتیں، لیکن ان کا بہت کم حصہ وہ اپنی ذات پر صرف کرتا تھا، ان کا مصرف بیواؤں یتیموں محتاجوں، دردمندوں کی اعانت تھا؛ دربار میں بیٹھنے والے اس امیر کبیر کے متعلق کوئی یہ گمان بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ سلطان المشائخ کی خانقاہ میں عبادت و ریاضت کرنے والا مرد درویش ہے۔

ایک روز حسب معمول احمد ایاز ایغ خاں کی خدمت میں پہنچا تو اس نے دیکھا ایغ خاں کے چہرے پر ایک عجیب اضطراب و اضطراری کیفیت طاری ہے؛ یہ حالت دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور اس نے کہا :

احمد ایاز:- میں نے آپ کو اتنا پریشان اور دل گرفتہ کبھی نہیں دیکھا تھا، کیا میں اس کا سبب دریافت کرنے کی جرأت کرسکتا ہوں؟

لے کر بنگال کی طرف تشریف لے گئے ہیں،

احمد ایاز :- مجھے نہیں معلوم، لیکن کیوں تشریف لے گئے ہیں؟ ضرور کوئی خاص بات ہوگی؟

الغ خاں :- وہاں سے بغاوت کی خبر آئی تھی،

احمد ایاز :- تعجب ہے وہ تشریف لے گئے، حالانکہ یہ کام آپ سے بھی لیا جاسکتا تھا،

الغ خاں :- یقیناً یہ کام میں کرسکتا تھا، اور میں نے اصرار بھی کیا تھا کہ مجھے جانے دیجئے آپ تشریف رکھئے۔

احمد ایاز :- مگر اخوند عالم نے آپ کی یہ استدعا نہیں مانی؟

الغ خاں :- ہاں، ——— انہوں نے فرمایا، تم ابھی ملتان سے آئے ہو، اب ایک دوسری مہم پر میں تمہیں نہیں بھیجنا چاہتا، تمہیں سستانے اور آرام کرنے کی ضرورت ہے، بہت جلد اسے فرو کرکے واپس آجاؤں گا پھر ایک بادشاہ کی حیثیت سے مملکت کے مختلف مقامات پر مجھے جاتے رہنا چاہئے تاکہ رعایا کے احوال و مقامات کا بچشم خود مطالعہ کروں، سرکشوں کی سرکوبی کروں، میں خاموش ہوگیا، اخوند عالم کے سامنے زیادہ گفتگو کرنا بے ادبی بھی تو ہے،

احمد ایاز :- بجا ارشاد فرمایا، ——— لیکن اس میں

دونوں کو جمع کر دیا ہے ، آپ نماز پڑھتے ہیں ، روزہ رکھتے ہیں ، اوامر و نواہی پر عمل کرتے ہیں ، حسنات پر مائل ہیں ، سیئات سے گریز کرتے ہیں ، دوسری طرف آپ کے اوقات اوراد و وظائف میں بسر ہوتے ہیں ، سلطان المشائخ کی ذات گرامی سے آپ عقیدت رکھتے ہیں ۔ بھلا آپ کیوں ایسی بات کہنے لگے جو شریعت اور طریقت کے خلاف ہو ۔

الغ خاں :۔ لیکن اگر میرے منہ سے ایسے الفاظ نکلیں تو ؟

احمد ایاز :۔ تو میں باور نہیں کروں گا ، میں سمجھوں گا میرے کان مجھے دھوکہ دے رہے ہیں ،

الغ خاں : احمد ایاز میری حالت کچھ عجیب سی ہو رہی ہے ، سخت ذہنی اور روحانی کشمکش میں مبتلا ہوں ، جی چاہتا ہے کہ کپڑے پھاڑ کر صحرا میں نکل جاؤں ، خودکشی کروں یہ زندگی اب ایک بوجھ معلوم ہونے لگی ہے ۔

احمد ایاز :۔ لیکن اس کا کوئی سبب بھی تو ہوگا میرے آقا ؟

الغ خاں :۔ ہاں ہے ، سن سکو گے تم ؟

احمد ایاز :۔ ضرور سنوں گا ، فرمائیے ؟

الغ خاں :۔ کیا کہوں نہ خاموش رہ سکتا ہوں نہ کہہ سکتا ہوں تمہیں شائد معلوم نہیں ، آج صبح اخوند عالم ایک لشکر گراں

انھوں نے خسرو خاں سے پانچ لاکھ تنکے قبول کر لئے اور جب میں نے یہ رقم واپس مانگی تو واپس کرنے سے انکار کیا، یہ میری توہین ہے اور میں کسی طرح بھی اپنی رعایا کے ایک فرد کے ہاتھوں اپنی توہین برداشت نہیں کرسکتا، میں ان کے خلاف ہلکے سے ہلکا اقدام جو کرسکتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ وہ دلی چھوڑ دیں، بدایوں یا کسی اور شہر میں چلے جائیں، میں اُن سے کوئی تعرض نہیں کروں گا، لیکن یہ قطعاً برداشت نہیں کرسکتا کہ وہ دلی میں رہیں'

ـــــ سن لیا تم نے، مجھے یہ حکم ملا ہے'

احمد ایاز :- بہت عجیب، نامنصفانہ اور افسوسناک حکم ہے یہ!

الغ خاں :- ہاں یہی بات ہے، لیکن بتاؤ میں کیا کروں؟

احمد ایاز :- آپ کی حیثیت ایلچی کی ہے، سلطان المشائخ کے دربار میں حاضر ہوکر سلطان غیاث الدین تغلق کا پیغام پہنچا دیجئے،

الغ خاں :- یہ میں کرچکا ہوں،

احمد ایاز :- آپ حضرت کی خدمت میں تشریف لے گئے تھے؟

الغ خاں :- ہاں بادشاہ سلامت کو رخصت کرنے کے بعد میں سیدھا حضرت کے آستانے پر پہنچا، اور میں

تو کوئی بات اضطراب و پریشانی کی نہیں ہے، آپ
پریشان کیوں ہیں، یہ اب تک نہ معلوم ہو سکا،

الغ خاں :- ہاں بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن میرے دوست تمہیں نہیں معلوم وہ جاتے وقت مجھے کیا حکم دے گئے ہیں؟ کاش انہوں نے مجھے قتل کر دیا ہوتا اور ایسی بات نہ فرمائی ہوتی،

احمد ایاز :- جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ انہوں نے کیا حکم دیا ہے اور کیا فرمایا ہے، میں خاموش رہنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں،

الغ خاں :- انھوں نے مجھ سے فرمایا: سلطان المشائخ تک میرا یہ حکم پہنچا دو، قبل اس کے کہ میں بنگال سے واپس آؤں وہ دلی چھوڑ دیں، ورنہ اس کے اثرات و نتائج بہت تلخ ہوں گے۔ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں، ان کی طرف رجوع عام روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے، اور یہ چیزیں میری بادشاہت کے لئے ایک مستقل خطرہ ہے، وہ سماع کی مجلسیں منعقد کرتے ہیں، قوالی سنتے ہیں، یہ چیزیں احکام شریعت کے منافی ہیں، اور میں اپنے دار الحکومت میں ہرگز ایسی بات کی اجازت نہیں دے سکتا

نے سلطان کا پیام سلطان المشائخ کو پہنچا دیا،
احمد ایاز :۔ پھر انہوں نے کیا جواب دیا؟
الغ خاں :۔ یہ سن کر انہوں نے تبسم فرمایا اور کہا،
"ہنوز دلی دور است"
میں یہ الفاظ سن کر کانپ گیا، جب سے آیا ہوں کسی پہلو قرار نہیں، اسی فکر میں ہوں کہ اس کشمکش کا انجام کیا ہوگا؟ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ حالات نازک تر صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں، اور میں ایک بے بس تماشائی کی طرح دیکھ رہا ہوں، کچھ نہیں کر سکتا، ایک طرف باپ ہے، دوسری طرف سلطان المشائخ ۔

کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

اور یہ کہتے کہتے الغ خاں کی آنکھیں پُر نم ہو گئیں، گریہ گلوگیر ہو گیا، اور وہ کوشش کے باوجود کچھ نہ کہہ سکا،

باب (۱۸)

اتنی بڑی تبدیلی؟

بعض دفعہ اچانک اور غیر متوقع طور پر کوئی ایسی بات رونما ہوجاتی ہے۔ جو انسان کی کایا پلٹ دیتی ہے۔ زمانی بیگم ایک اونچے خاندان کی خاتون تھیں۔ اُن میں وہ تمام عیب شدّت کے ساتھ موجود تھے۔ جو اس طبقے کے لوگوں میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ غرور، نخوت، جھوٹ، غیبت، نمائش۔ تصنّع، فضول خرچی، رکاکت غریبوں کے ساتھ حقارت کا برتاؤ، نوکروں پر ظلم، لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ۔ یہ تھی فضا جس میں زمانی بیگم نے آنکھیں کھولیں۔ پروان چڑھی اور سانس لی۔ ان کی نظر میں وہی عزت کا مستحق تھا۔ جو دولت مند ہو۔ اور ہر غریب صرف اس لئے تھا کہ اس کے ٹھوکر لگائی جائے۔ اُسے ذلیل کیا جائے اور اسے اپنے سامنے دم مارنے کی اجازت نہ دی جائے۔

پہلی مرتبہ اُنھوں نے مریم کو اپنے دولت خانے پر جب دعوت دی تھی۔ تو یہ سوچ کر کہ ایک بہت بڑے اور با حیثیت آدمی کی بیوی

زمانی بیگم ہے۔ جن کی نگاہ تلوار کا اور آواز توپ کا کام کرتی تھی۔ یا تو بات بات پر گالیاں تھیں۔ جلی کٹی باتیں تھیں۔ زجر و توبیخ تھی۔ مار پیٹ تھی اور یا اُن کی ہمدرد اور غم گسار بن گئی تھیں۔ وہی زمانی بیگم جو کبھی اُن سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھیں۔ اور جب کرتی تھیں تو منہ سے آواز کے ساتھ ساتھ شعلے اور انگارے برستے تھے۔ اب ان کا یہ حال تھا کہ اُن کے منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ شفقت۔ محبت۔ رحم۔ مروت ان چیزوں کو زمانی بیگم کی حویلی میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ اور اب وہی زمانی بیگم تھیں، جو اپنے نوکروں اور غلاموں کے ساتھ مہر و محبت کا برتاؤ کرنے لگیں۔ کسی سے تلخ کلامی سے نہ پیش آتی۔ بلکہ اس طرح گفتگو کرتی۔ جیسے ایک انسان ایک انسان سے کرتا ہے۔

اس انقلاب پر سارے گھر کو حیرت تھی۔ ہر شخص متحیر تھا۔

"یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا"

ایک روز رات کے کھانے کے بعد جب زمانی بیگم بستر استراحت پر آرام فرما تھی۔ اور حسب معمول دو لونڈیاں اُن کے پاؤں دبا رہی تھیں۔ گھڑیال نے گھنٹہ بجایا۔ زمانی بیگم نے پوچھا۔

کیوں ری صنوبر کے بجے ہیں

وہ بولی:۔ سرکار میں جانوں دس بجے ہیں۔

کو بلا رہی تھیں۔ لیکن جب مریم آئی تو انھیں سکتہ سا ہوگیا۔ وہ اس کا گمان بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اتنے بڑے آدمی کی بیوی اتنی "غریب" ہو سکتی تھی۔ سادہ لباس، زیور ندارد، اس کوتاہی کی کمی مریم نے اخلاق اور شیریں کلامی سے کرنی چاہی۔ لیکن زمانی بیگم کا دل اتنا کھٹا ہو گیا تھا۔ کہ ذرا نہ پسیجا۔ اگر مریم ان کی مہمان نہ ہوتیں تو شاید وہ اسی وقت وہ ایک ہاتھوں لیتیں اور ایسا پول کھولتیں کہ دن میں تارے نظر آنے لگتے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے کہ مہمان کے ساتھ ایسا برتاؤ مناسب نہ تھا۔ لیکن دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ "دشمن" کے گھر جا کر اس کی وہ خبر لیں گی۔ اور ایسا مزاج درست کریں گی کہ زندگی بھر یاد کرے۔

یہی سوچ کر زمانی بیگم ادیداکر مریم کے ہاں تقریباً ناخواندہ مہمان بن کر پہنچیں۔ وہاں جا کر انھوں نے لڑائی بھی شروع کر دی۔ مگر قسمت یاور نہ تھی۔ بُری طرح ہاری۔ اور ایسی شکست کھائی۔ کہ اپنا سارا سرمایہ فخر و ناز وہاں چھوڑ کر چلی آئیں۔

گھر پہنچنے کے بعد زمانی بیگم نے اَن ہونی باتیں شروع کر دیں۔ نماز پابندی سے پڑھنے لگیں۔ تلاوت قرآن کیا مجال جو کسی دن ناغہ ہو جائے۔ تسبیح سے بھی اُن کی انگلیاں آشنا ہو گئیں۔ مصلّے پر بیٹھ کر وظیفہ پڑھنا بھی انھیں آگیا۔ غلاموں اور لونڈیوں اور نوکروں کے ساتھ اُن کا برتاؤ بھی یکسر بدل گیا۔ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ

رہی تھی۔ صنوبر اور چنبیلی کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ کہ اتنے وقت ان کے آنے کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟

صنوبر نے کہا۔ کیوں بی گلبدن تمہاری یہ ہمّت کہ سرکار سے زبان لڑاتی ہو۔ انہیں جواب دیتی ہو۔ اُن سے حجت کرتی ہو۔ کیوں؟

گلبدن نے شرمندہ ہو کر جواب دیا۔ سرکار سے زبان کون لڑا سکتا ہے۔ آج نہ جانے میری مت کیوں ماری گئی تھی۔ کہ واقعی میں ان سے حجت کر بیٹھی۔

چنبیلی :- تو پھر اب سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

صنوبر :- ہاں بھائی ہم نے تو بہت سفارش کی لیکن سرکار بہت خفا ہیں۔

گلبدن :- (پریشان ہو کر)

واقعی بہت خفا ہیں؟

چنبیلی :- تو کیا اتنی رات ہم تم سے مذاق کرنے آئے ہیں۔

صنوبر :- ہمیں جھوٹا سمجھتی ہو؟

گلبدن :- نہیں جھوٹا نہیں سمجھتی۔

چنبیلی :- تو پھر سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔

صنوبر :- ہاں، اُٹھو کھڑی ہو جلدی سے۔ وقت کم ہے۔

گلبدن :- (سراسیمہ ہو کر) کیا سزا ملے گی مجھے؟

چنبیلی :- سرکار نے یاقوت خواجہ سرا کو حکم دیا تھا کہ پانی میں بھگو کر کوڑا لے آئے۔

زمانی بیگم نے پاؤں کھینچ لئے۔ اور کہا
کافی رات آگئی۔ جاؤ، تم بھی آرام کرو جاکر

صنوبر کو یقین نہ آیا کہ اُس نے جو کچھ سُنا تھا وہ سچ تھا۔ وہ تو رات رات بھر بیگم صاحبہ کے پاؤں دباتی رہتی تھی۔ پھر بھی اُس کے پلّے انعام اکرام کی بجائے لاتیں ہی آتی تھیں۔ اُس نے کہا۔

سرکار ابھی تو دس بجے ہیں۔ پہلے آپ سو لیجئے پھر میں سو رہوں گی جاکر
زمانی بیگم نے تیوری چڑھا کر کہا۔

پھر تم نے مجھے سرکار کہا۔ کے مرتبہ کہہ چکی ہوں یہ بات مجھے پسند نہیں۔

صنوبر نے گردن جھکالی اور اپنی رفیقۂ کار چنبیلی کو ساتھ لے کر اپنی کوٹھری کی طرف روانہ ہوگئی۔ کہ اُس کے کانوں کے پردے سے زمانی بیگم کی آواز ٹکرائی۔ وہ فوراً دوڑی دوڑی اپنی مالکہ کے پاس گئی زمانی بیگم نے پانچ روپے اس کے ہاتھ پر رکھے اور کہا۔

یہ گلبدن کو دیدینا اور اس سے کہہ دینا۔ بہت ضبط کرتی ہوں لیکن اتنے دنوں کی عادت ایک دم چھوٹ بھی کیسے سکتی ہے غصّہ آہی جاتا ہے۔ وہ کسی بات پر حجّت کرنی لگی۔ میں نے اسے بُرا بھلا کہہ دیا تھا۔ اب دل مسل رہا ہے۔ کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ ٹال دیتی تو کیا بگڑ جاتا۔ یہ روپے دے کر اسے سمجھا دینا۔ کہ حجّت نہ کیا کرے۔

صنوبر نے وہ روپے لے لئے اور چنبیلی کو لے کر سیدھی گلبدن کی کوٹھری میں پہنچی۔ وہ اپنا کھٹا ہوا دوپٹہ اطمینان سے بُنتی سی

صنوبر :- کہاں چلیں بی گلبدن ، کچھ ہوش میں تو ہو ؟

گلبدن :- تم ہی تو کہہ رہی ہو - سرکار نے بُلایا ہے -

چنبیلی :- بُلایا نہیں ہے - سوغات بھیجی ہے -

گلبدن :- آخر آج آپ دونوں میرے پیچھے کیوں پڑ گئیں - اگر میں نے گستاخی کی ہے - تو سرکار سے - تمہارا تو کچھ نہیں بگاڑا -

چنبیلی :- ہے ہے ، بڑی معصوم ، بڑی نیک ، بڑی پارسا کیا کہنا ہے - گلبدن راج کماری کا -

صنوبر :- واقعی اتنا تو نہیں اِتراؤ -

گلبدن :- اچھا میں اب کچھ نہیں کہتی - جو کچھ تمہاری زبان پر آئے کہہ دو -

صنوبر :- نہ بابا ہم میں یہ حوصلہ کہاں کہ کچھ کہیں کہ جب تم نے سرکار کو ایک کی دس سُنا دیں - پھر ہمیں تو ایک کی ہزار سُناؤ گی -

چنبیلی :- چل صنو ، چل - اس کے تیور کہہ رہے ہیں ، ہم میں سے کسی کو یہ مار بیٹھے گی -

صنوبر :- ہاں چنبیلی چلو - یہاں ٹھیرنا خطرے سے خالی نہیں -

چنبیلی :- لیکن ان کی وہ سوغات تو انہیں دے دو -

صنوبر نے نیفے میں سے چمکتے ہوئے چاندی کے پانچ روپے نکالے - اور گلبدن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا - " یہ لو سرکار

صنوبر :۔ اس سے آپ کی تواضع ہوگی۔ تشریف لے چلیئے۔

گلبدن :۔ بہن میرا مذاق نہ اُڑاؤ۔ آج جو سزا مجھے مل رہی ہے۔ کل تمہیں بھی مل سکتی ہے۔

چنبیلی :۔ ہمیں کیوں ملے گی؟ ہماری زبان کچھ قابو سے باہر تو نہیں۔

صنوبر :۔ اور تماشا دیکھو۔ غلطی خود کی۔ اور طعنہ ہمیں دے رہی ہیں قربان جایئے اس ادا کے۔

چنبیلی :۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو جبکہ سرکار نے بلایا ہے۔

صنوبر :۔ اگر دیر ہوگئی۔ تو یاقوت کوڑا لے کر یہیں آ جائے گا اور پھر وہ پٹائی ہوگی کہ توبہ ہی بھلی۔

چنبیلی :۔ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب چاہے جائیں یا نہ جائیں چل صنوبر ایسا نہ ہو کہ یاقوت یہاں آکر کوڑا جھاڑنے لگے اور ایک آدھ ہاتھ اپنے بھی لگ جائے۔

گلبدن :۔ نہیں اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ میں جاتی ہوں حضور نے کہا ہے۔ کوئی دوسرا میری وجہ سے کیوں لپیٹ میں آئے

یہ کہہ کر گلبدن نے دوپٹہ اوڑھا۔ اور کھڑی ہوگئی۔
چنبیلی نے صنوبر کی طرف دیکھ کر کہا۔ ارے یہ تو واقعی میں چلی
روکو اسے۔

اس بات پر غصہ تھا کہ مجھے بخار کیوں آیا۔ میرے ہاتھ کیوں گرم ہیں۔ اور میں مسلسل دن رات بغیر آرام کئے ان کی خدمت کیوں نہیں کر سکتی۔ آج وہی سرکار ہیں۔ جنہوں نے دس کا گھنٹہ سنتے ہی مجھے آرام کے لئے بھیج دیا۔

گلبدن :۔ ہاں سچ کہتی ہو۔ مجھ ہی کو دیکھ لو۔ اگر آج سے پہلے کسی بات پر میں نے حجت کی ہوتی تو واقعی میرا جبڑا ادھڑ گیا ہوتا۔ لیکن آج پانچ روپے انعام کے لئے۔

چنبیلی :۔ بات یہ ہے کہ جو خدا سے ڈرتا ہے۔ وہ اس کے بندوں پر رحم کرتا ہے۔ جو خدا سے نہیں ڈرتا۔ وہ اس کے بندوں پر ظلم کرتا ہے۔ ہماری سرکار پہلے خدا سے نہیں ڈرتی تھیں۔ اس لئے ہم پر ہزاروں ظلم ہو گئے تھے۔ اب ان کے دل میں خدا کا ڈر سما گیا ہے۔ وہ ہم پر ترس کھاتی ہیں۔ ہم سے رحم کا برتاؤ کرتی ہیں۔

گلبدن :۔ آپ دعا کریں۔ خدا انھیں تندرست رکھے۔ ان کا سہاگ قائم رہے۔ انھیں عمر نوح عطا کرے۔

چنبیلی :۔ آمین۔

صنوبر :۔ آمین یارب العالمین۔

نے تمہیں انعام بھیجا ہے۔

گلبدن:۔ (یقین نہ کرتے ہوئے) تم اپنی باتوں سے باز نہ آؤ گی۔

صنوبر:۔ اللہ قسم سچ۔ واقعی سرکار نے یہ پانچ روپے تمہیں بھیجے ہیں۔

گلبدن:۔ لیکن آخر کیوں؟ تنخواہ تو میں لے چکی۔

چنبیلی:۔ وہ کہہ رہی تھیں۔ گلبدن بڑی قیمتی ہوگئی ہے۔ میں نے آج اسے برا بھلا کہہ دیا۔ دل کڑھ رہا ہے میرا۔ جاؤ، اُسے یہ روپے دیدو، اور سمجھا دو۔ کہ ایسا نہ کیا کرے۔ یہ کہہ کر صنوبر نے روپے اسے دیئے۔ پھر کہا۔ دیکھا تم نے ہماری سرکار اب کیا سے کیا ہوگئیں۔ پہلا جیسا مزاج ہوتا تو واقعی یا توت کے کوڑے تمہاری کھال اڑا چکے ہوتے۔ خدا کا شکر کرو کہ اب سرکار کی طبیعت بدل گئی۔

چنبیلی:۔ وہ بہت اچھی ہوگئیں۔ نماز پڑھتی ہیں۔ تلاوت کرتی ہیں۔ اور وظیفے پڑھتی ہیں۔ اور ہم لوگوں کے ساتھ اب محبت کا برتاؤ کرنے لگی ہیں۔

صنوبر:۔ میں اُن کے پاؤں دبا رہی تھی۔ اتنے میں دس کا گھنٹہ بجا۔ انھوں نے پاؤں سمیٹ لئے اور کہا جاؤ سو رہو جا کر۔ حالانکہ تم جانتی ہو۔ دن دن بھر اور رات رات بھر میں پاؤں دبایا کرتی تھی۔ اور سرکار کو ذرا ترس نہ آتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ ایک دفعہ مجھے بخار آگیا تھا میرے چلتے ہوئے ہاتھ جب ان کی پنڈلی سے لگے تو انہوں نے ایک لات میرے سینے پر ماری اور میں دھڑ سے زمین پر گر پڑی۔ انھیں

رہتا۔ مزا اسی شعر میں آتا ہے۔ جو بے موقع ہو ——— لیکن
تمہارے سر میں درد کب سے ہے ؟

مریم :- یوں تو کئی دن سے ہلکا ہلکا درد ہو رہا ہے۔ لیکن آج بہت زیادہ
ہے ——— پھر کسی دن آجائیں گے۔ تمہارا گھر غیر کا تو گھر ہے
نہیں۔ اپنا ہے۔ جب چاہیں گے چلے آئیں گے۔

زمانی بیگم :- ہاں یہ تو ٹھیک ہے لیکن آج کی بات ہی کچھ اور تھی۔

مریم :- وہ کیا خاص بات تھی ؟

زمانی بیگم :- اب کیا بتائیں۔ بات ختم ہو گئی۔ موقع ہاتھ سے نکل گیا۔

مریم :- کچھ تو کہو۔

زمانی بیگم :- ہمارے پڑوس میں ایک سیدانی رہتی ہے۔ بڑی نیک۔ بڑی
شریف۔ بڑی پارسا۔ لیکن بے حد غریب۔

مریم :- خدا انپار رحم کرے۔ اب کے تمہارے ہاں آئی تو اس سے ضرور ملونگی۔

زمانی بیگم :- جب تک تمہارے ہاتھ پر بیعت کر کے از سر نو میں نے
اسلام قبول نہیں کیا تھا ——— ———

مریم :- توبہ کرو۔ زمانی بہن کیسی باتیں کرتی ہو۔ تم خاندانی مسلمان ہو۔
ہم نو مسلم۔ تمہاری بات ہی اور ہے۔

زمانی بیگم۔ یہ تو کہو ؎

منزلِ عشق دور دراز است ولے
طے شود جادہ صد سالہ بہ آئے گا ہے

باب (۴۲)

خلوص کی برکت

مریم سر پہ پٹی باندھے بیٹھی تھی۔ زمانی بیگم اُس کے پاس رونق افروز ہوئی اور بلبل کی طرح چہک رہی تھی۔ اُنہوں نے کہا

جا ہیئے بھی۔ ہم آپ سے خفا ہیں۔ اتنی لجو سے ہم نے آپ کو بلایا۔ مگر آپ نہیں آئیں۔ کیا مہندی لگی تھی آپ کے پاؤں میں؟ ؎

ایک نظر دیکھنے سے ٹوٹ نہ جاتے تیرے ہاتھ
لیلیٰ! اتنا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری

مریم بے ساختہ ہنسنے لگی۔ اور اس نے کہا۔ دیکھو تو میرے سر پہ پٹی بندھی ہوئی ہے۔ اتنا شدید درد ہو رہا ہے۔ کہ معلوم ہوتا ہے کہ پھٹ جائے گا۔ ورنہ تو بلاتی اور میں نہ آتی ——— (ہنستے ہوئے)
لیکن یہ شعر جو تم نے پڑھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا موقع کیا ہے۔
زمانی بیگم :۔ شعر اگر سمجھ کر پڑھا جائے۔ تو اس میں کوئی لطف باقی نہیں

میں نماز، تلاوت، وظیفہ ہر چیز میں جھک ہو گئی بچپن میں پڑھا تھا سب بھول گئی تھی۔

مریم:- ہاں ایسا ہوتا ہے۔ یہ چیزیں کی مشق سے یاد رہتی ہیں۔

زمانی بیگم:- میں نے انہیں اس محنت کا صلہ دینا چاہا۔ لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔

مریم:- اس میں کیا حرج تھا۔ انکار کیوں کیا؟

زمانی بیگم:- کہنے لگی۔ یہ اللہ کا کام ہے۔ اس کا معاوضہ اگر لوں گی۔ تو اسی سے۔ کسی بندے سے نہیں۔

مریم:- ماشاءاللہ، ماشاءاللہ، مسلمان کی یہی شان ہے۔

زمانی بیگم:- حالانکہ حالت یہ تھی۔ کہ گھر میں دو دو فاقے ہو جاتے ہیں۔ مگر کیا مجال ہے کہ جو یہ اللہ کی بندی کسی کی شرمندہ احسان ہو جائے۔

مریم:- ایمان اسی کا نام ہے۔

زمانی بیگم:- بے چاری کے کوئی آل اولاد نہیں۔ شوہر مدت ہوئی۔ داغ مفارقت دے چکے ہیں۔ گھر میں کوئی پونجی نہیں نہ زیور اس بڑھاپے میں سلائی کر کر کے گزر کرتی ہے

مریم:- تم نے بڑا اشتیاق پیدا کر دیا ہے۔ اُن سے ملنے کا۔

زمانی بیگم:- خدا انہیں خیریت کے ساتھ واپس لائے تو ضرور ملاؤں گی۔

مریم:- تو کیا وہ کہیں چلی گئیں؟

تمہارے خلوص نے آناً فاناً وہ منزل طے کر لی۔ جو بہت سے
لوگ برسوں کی ریاضت اور مشقت کے بعد بھی طے نہیں کر پاتے
میں جھوٹ نہیں کہتی۔ گو میں خاندانی مسلمان ہوں لیکن ایسا محسوس
کرتی ہوں۔ اسلام کو میں نے اس دن جانا اور پہچانا۔ جب تم نے
وہ دل ہلا دینے والی تقریر کی تھی۔ جس کا ایک ایک لفظ مجھے یاد
ہے۔ اور زندگی بھر یاد رہے گا۔

مریم :- یہ تمہاری انسانیت اور اہلیت کا ثبوت ہے۔ اگر تم میں صلاحیت
نہ ہوتی تو دس ہزار تقریریں بھی بیکار رہتیں ——————
لیکن ہاں تم کیا کہہ رہی ہو اس سیدانی کے متعلق ؟

زمانی بیگم :- میں یہ کہہ رہی تھی۔ جب تک صحیح معنی میں مسلمان نہ تھی۔ اُن
کے ساتھ میرا برتاؤ وہی تھا۔ جو ہمارے طبقے کا۔ غریب لوگوں کے
ساتھ عام طور پر یہ ہوتا ہے لیکن یہاں سے جب گئی تو نئے سرے
سے مسلمان ہو کر گئی۔ خیال آیا نماز پڑھوں۔ قرآن کی تلاوت کروں
لیکن کبھی پڑھی ہوتی تو پڑھتی۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ گھر والوں پر اپنی
جہالت ظاہر کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

:- پھر کیا کیا تم نے ؟

:- میں نے اپنی کنیز صنوبر سے انھیں بلوایا۔ اور ان سے استدعا کی
وہ مجھے دینیات سکھائے۔ وہ راضی ہو گئی۔ ایسی محنت اور توجہ
سے انہوں نے میری بھولی بسری باتیں یاد کرائیں کہ چند ہی روز

مریم :۔ واہ کیا کردار ہے۔
زمانی بیگم :۔ ایسے ہی لوگوں پر دنیا قائم ہے۔
مریم :۔ ہاں سچ کہتی ہو۔
زمانی بیگم :۔ آخر بڑی منت سماجت کے بعد قرض حسنہ لینے پر آمادہ ہوگئیں۔ میں نے انھیں دو ہزار روپے دے دیئے۔
مریم :۔ بہت اچھا کیا۔ بہت سستی جنت خرید لی تم نے۔ اب یہ روپیہ ان سے کبھی واپس نہ لو۔ اور اگر لینا تو ان کی بجائے مجھ سے۔
زمانی بیگم :۔ واہ۔ میں کیوں روپیہ واپس لینے لگی۔ اور تم سے وصول کرنے کی بھی خوب کہی۔ خود تو وہاں بڑے بڑے محل بنائے بیٹھی ہو۔ اور میں ذرا سی کٹیا بنالوں، تو رشک کرنے لگتی ہو۔
مریم :۔ ارے تم تو خفا ہوگئیں ——— تو پھر گئیں وہ بڑی بی جج کو۔
زمانی بیگم :۔ ہاں انھیں کو رخصت کرکے آرہی ہوں۔ اسی لئے تو تمہیں بلایا تھا۔ کہ تم بھی انھیں دیکھ لو۔ اُن سے مل لو۔
مریم :۔ اپنی بدنصیبی پر مجھے بڑا افسوس ہے۔ اگر یہ معلوم ہوتا۔ کہ اس لئے بلا رہی ہو۔ تو سر کے بل آتی۔ مر بھی رہی ہوتی۔ تو بھی آتی۔ تم نے کہلا کیوں نہ دیا۔ کہ اس لئے بُلا رہی ہوں۔ میں تو یہی سمجھی۔ کہ بُلا کر ایک بڑا سا دسترخوان میرے سامنے بچھا

زمانی بیگم:- ہاں۔ انہیں حج کا بڑا شوق تھا۔ شوق نہیں عشق۔ مدینے
کا نام آیا اور ان کے آنسو جاری ہو گئے۔ اسی حج کے لئے
اپنے سلائی کی آمدنی سے نہ جانے کتنے دنوں کے بعد پائی
پائی پائی۔ پیسہ پیسہ۔ روپیہ روپیہ کرکے اُنھوں نے دو ہزار
روپے جمع کئے تھے۔ اور اپنے ایک عزیز کے ہاں جمع کرا دیئے
آج صبح حاجیوں کا جو قافلہ گیا ہے۔ اُس کے ساتھ جانے کا
اُنھوں نے ارادہ کر لیا۔ اونے پونے وہ ٹوٹا پھوٹا مکان بیچ
ڈالا اور وہ جمع کیا ہوا روپیہ لینے اپنے عزیز کے ہاں پہونچی۔ وہ
صاف مُکر گیا۔

مریم:- یعنی اس نے روپیہ دینے سے انکار کر دیا۔

زمانی بیگم:- ہاں کہنے لگا۔ بڑی بی تم سٹھیا گئیں۔ بھاگ جاؤ ورنہ
وہ شامت آئے گی کہ زندگی بھر یاد کرو گی۔ بے چاری روتی
پیٹتی چلی آئی —

مریم:- بڑا بُرا ہوا۔ تم نے مجھ سے کہلا دیا ہوتا۔ میں دے دیتی۔

زمانی بیگم:- پوری داستان تو سُن لو ——— میں نے
ان سے کہا۔ رونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ روپیہ میں دیتی
ہوں۔ چلئے آیئے۔ وہ کہنے لگی۔ میں سید ہوں خیرات
لے نہیں سکتی۔ غریب ہوں۔ قرض ادا نہیں کر سکتی۔
کیسے لے لوں۔

(۴۳)

باب

بسترِ علالت

بات جب منہ سے نکلتی ہے تو پرائی ہو جاتی ہے، شُدہ شُدہ یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی، کہ ایک درویش بوریا نشین اور ایک سلطانِ وقت میں ٹکر شروع ہو گئی، دیکھئے کیا ہوتا ہے مسجدوں اور مدرسوں میں، دکانوں اور دفتروں میں، بس اسی ایک چیز کا چرچا تھا، ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی، ہر شخص دم بخود تھا کہ دیکھا چاہئے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے، ایک طرف حضرت کے عقیدت مند تھے، جو تشویش و اضطراب میں مُبتلا تھے، دوسری طرف سیم و زر کے وہ پجاری تھے جن

دوگی۔ اور اس پر اتنے سارے کھانے ڈھیر کردوگی۔ کہ ایک لقمہ بھی میں لے کھایا کہ اور زیادہ بیمار پڑ جاؤں گی۔ اس روحانی دعوت کا اگر مجھے شبہ بھی ہوتا۔ تو بھلا میں کوئی عذر کر سکتی تھی۔ سچ کہتی ہوں۔ اپنی اس محرومی کا بڑا افسوس ہے۔ اور تمہیں اس سعادت مندی پر دل سے مبارکباد دیتی ہوں۔ میری نظر میں تم نے اپنا مقام بہت اونچا کرلیا۔ اور میں تو ایک گنہگار بندی ہوں۔ میں کیا اور میری نذر کیا۔ یہ کام کرکے تم نے خدا کی خوشنودی حاصل کی۔

زمانی بیگم :- جاتے وقت انھوں نے ایسے دل سے دعائیں دیں۔ کہ مجھے یقین ہے کہ ضرور وہ قبول ہوں گی۔ اور میرا سیاہ اعمال نامہ سفید ہوجائے گا۔ میں وہ روپیہ تمہارے ہاتھ سے دلانا چاہتی تھی تاکہ برکت اور بڑھ جائے۔ ——————

:- خلوص میں جو برکت ہے وہ کسی چیز میں نہیں۔

شکایت آمیز لہجہ میں کہا،

امیر خسرو :- احمد ایاز تم تو ہمیں بھولتے جا رہے ہو،

احمد ایاز :- کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے، میں آپ کا خادم ہوں، آپ کی محبت اور شفقت کا میرے دل پر گہرا نقش ہے، آپ کے مجھ پر احسانات ہیں، آپ کی وجہ سے مجھے حضرت کی خدمت میں تقرب حاصل ہوا، آپ ہی نے مجھے تصوف کی حقیقت اور ماہیت سے آشنا کیا۔ آپ ہی کے باعث میں نے اسلام کو جانا اور پہچانا، بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ آپ کو فراموش کر دوں، آپ کو فراموش کر دوں اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے آپ کو بھول جاؤں،

امیر خسرو :- تم ولی عہد کے منتظم تعمیرات ہو، ایک بڑی اور نئی ذمہ داری پر فائز کئے گئے ہو، کہو کام ٹھیک چل رہا ہے؟

احمد ایاز :- جی ہاں، خدا کا شکر ہے؟

امیر خسرو :- ولی عہد کا برتاؤ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟

احمد ایاز :- بہت اچھا بلکہ اگر یہ کہوں کہ ایک عزیز کی طرح مجھے مانتے اور چاہتے ہیں تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا،

امیر خسرو :- آدمی معقول معلوم ہوتا ہے، اس کی پیشانی روشن

کے نزدیک حق صرف قوت و طاقت کا نام ہے، جس کے ہاتھ میں تلوار ہے وہ حق پر ہے، اور جو ہٹتا ہے وہ ناحق پر ہے، اضطراب اور ہلچل کے یہ آثار صرف دوسرے لوگوں تک محدود تھے، جہاں تک حضرت کی ذات گرامی کا تعلق تھا وہاں وہی سکون اور اطمینان کار فرما تھا، جو ایک اہل اللہ کا طرۂ امتیاز ہو سکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کی طرف سے جلاوطنی کا حکم صادر ہی نہیں ہوا، اسی طرح لنگر کا اہتمام ہو رہا تھا، اسی طرح درویش، مساکین اور مسافر آتے تھے اور ان کی خاطر تواضع ہوتی تھی، اسی طرح عبادت و ریاضت اور وظائف کی گرم بازاری تھی، کسی معمول میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا، احمد ایاز ہر روز آستانہ پر حاضر ہوتا تھا، گھنٹوں اور پہروں بیٹھتا تھا حضرت کی تعلیم و تلقین سے بہرہ ور ہوتا تھا، امیر خسرو سے ملاقاتیں ہوتی تھیں، دوسرے خدام بارگاہ سے باتیں ہوتی تھیں، لیکن غیاث الدین تغلق کے اس فرمان پر کسی کو بھی اس نے متوجہ نہیں پایا، گویا سب اسے انہونی بات سمجھ رہے تھے، کئی مرتبہ جی چاہا کہ اس بارے میں حضرت سے دریافت کرے لیکن ہمت نہ ہوئی، پھر سوچا امیر خسرو سے کچھ معلومات حاصل کرے، یہ سوچ کر وہ ان کے پاس پہنچا، امیر خسرو اس سے بہت محبت اور عنایت کے ساتھ ملتے تھے۔ انہوں نے

اس گفتگو کے بعد احمد ایاز تھوڑی دیر اور بیٹھا پھر وہ گھر پہنچا، مریم کی طبیعت کئی دن سے خراب تھی۔ اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔ چند روز کی بیماری نے بے چاری کو بہت نحیف و لاغر کر دیا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ ضبط نہ کر سکا آنکھوں میں آنسو آگئے،

احمد ایاز :- اب کیسی طبیعت ہے مریم؟

مریم :- خدا کا شکر ہے اچھی ہوں،

احمد ایاز :- حکیم صاحب کہہ رہے تھے، دس پندرہ روز میں بالکل اچھی ہو جاؤ گی،

مریم :- ہر نیا حکیم یہی کہتا ہے، لیکن مرض بڑھتا جا رہا ہے، مجھے اپنی صحت کی کوئی پرواہ نہیں۔ میری تمنا یہ ہے کہ آپ اچھے رہیں۔ عورت کی اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ شوہر کے سامنے اس دنیا سے رخصت ہو،

احمد ایاز :- یہ تم کیسی باتیں کرنے لگیں، میں رونے لگوں گا

مریم :- پھر،

میں محسوس کرتی ہوں کہ میرے چل چلاؤ کا وقت آگیا، حکیم صاحب بڑے اچھے حکیم ہیں، وہ بیماری کا علاج کر سکتے ہیں، لیکن موت کا نہیں، انہیں خود بھی

ہے، عُروج و اقبال ہمیشہ اس کے ہم نشین رہیں گے ،

احمد ایاز :- جی ہاں ، قیافہ تو یہی کہتا ہے ، آثار بھی ایسے ہی ہیں ، ہمارے حضرت کی ذات گرامی سے بے انتہا عقیدت ہے ، اس لئے آج کل پریشان بھی بہت ہیں ،

امیر خسرو :- یعنی حضرت سے عقیدت مندی ولی عہد کے لئے پریشانی کی موجب بن گئی ؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو ؟ عجیب بات ہے ،

احمد ایاز :- کیا عرض کروں ؟ لیکن آپ سے کہتا ہی پڑے گا ، سلطان غیاث الدین تغلق بنگال جاتے وقت ایک ایسا حکم دے گئے ہیں ، جس نے ان کے دل کی دنیا زیر و زبر کر دی ہے ؟

امیر خسرو :- ہاں یاد آیا ، لیکن حضرت نے اس کا جواب بھی تو دے دیا تھا ،

احمد ایاز :- اسی لئے وہ اور زیادہ پریشان ہیں ،

امیر خسرو :- پریشانی کی کوئی بات نہیں ،

مدعی لاکھ بُرا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

مشیّت ایزدی سے ٹکرانے والا ہمیشہ منہ کے بل گرے گا -

نکل جاتی ہیں، جو ایک مسلمان کی شان کے خلاف ہیں،

احمد ایاز:۔ میں توبہ کرتا ہوں، واقعی مجھے یہ باتیں نہ کہنی چاہئے تھیں، لیکن مریم تم نہیں جانتیں، تم سے کتنی محبت کرتا ہوں، تمہیں دیکھ لیتا ہوں تو دل کا مرجھایا ہوا کنول کھل جاتا ہے، کتنا ہی غم ہو، کتنی ہی پریشانی ہو، کیسی ہی مصیبت ہو، کسی قسم کی فکر ہو، تمہارے پاس پہنچا اور سب کچھ بھول گیا،

مریم:۔ ہاں جانتی ہوں، اور مجھے اپنی اس خوش بختی پر فخر ہے،

احمد ایاز:۔ غلط کہتی ہو مریم، اگر جانتی ہوتیں تو آج ایسی دل دوز باتیں نہ کرتیں، اس بے دردی سے میرے دل پر زخم اور چرکے نہ لگاتیں، تم نے بڑا دکھ پہنچایا ہے، آج!

مریم:۔ جان کر تو میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی، جو آپ کے لئے تکلیف دہ ہو، اور اگر کوئی ایسی بات منہ سے نکل گئی ہو تو معاف کیجئے!

احمد ایاز:۔ ابھی تم اپنے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں؟ اپنی زندگی کے بارے میں کیسی کیسی مایوس کن باتیں تم نے کیں؟ تم سمجھتی ہو، یہ ایک معمولی سی خبر تھی، جسے میں نے سُن لیا اور بھول گیا،

مریم:۔ ایسی بات تو نہیں، اس حقیقت کا مجھے احساس ہے

ایک روز مرنا پڑے گا۔ اور طبابت کا یہ کمال ذرا
بھی کام نہ آئے گا، سب کے ساتھ ہمیشہ سے یہی
ہوتا آیا ہے،

احمد ایاز:۔ سچ کہتی ہو، لیکن خدا کے لئے ایسی مایوس کن باتیں نہ
کرو، اگر تم نے اس طرح کی گفتگو جاری رکھی تو میرے
صبر و ضبط کا دامن چھوٹ جائے گا، میں سر پھوڑ لونگا،

مریم:۔ آپ مرد ہیں، حوصلہ سے کام لیجئے، میری زندگی میں
آپ سر پھوڑنے کو تیار ہیں، اگر میں مر گئی تو کیا کریں گے؟

احمد ایاز:۔ میں بھی تمہارے ساتھ مر جاؤں گا، تمہارے بغیر میں
زندگی کا تصور ہی نہیں کر سکتا، وہ زندگی کس کام کی جس
میں تم نہ ہو؟

مریم:۔ ایسا نہ کہئے، آپ کو زندہ رہنا ہے، اسلام کی خدمت
کرنا ہے

احمد ایاز:۔ ہاں یہ سب کرنا چاہتا ہوں، لیکن اگر مریم کا سہارا
چھن گیا تو کچھ نہیں کر سکوں گا،

مریم:۔ آج آپ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں، مریم کا سہارا
بھی کوئی چیز ہے۔ اصل سہارا صرف خدا کا ہے، اتنے
روز سے حضرت کی صحبت میں اپنا وقت آپ گزار رہے
ہیں، مگر اب بھی کبھی کبھی آپ کے منہ سے ایسی باتیں

خوبصورت اور طرحدار خادم اور خادمائیں موجود ہیں
میں نے ایک خادمہ سے کہا وہ آپ کو بُلا لائے
وہ ہنسنے لگی ۔ میں نے بگڑ کر پوچھا ، میرے حکم کی
تعمیل کرنے کی بجائے تو ہنس کیوں رہی ہے ۔ وہ
کہنے لگی ، آپ جنّت میں ہیں ، یہ جنّت کا وہ مقام
ہے ، جو آپ کے لئے تجویز ہوا ہے ، یہاں رہئے
خوشی اور مسرت کی زندگی بسر کیجئے ، یہاں صرف
وہی آسکتا ہے ، جو دنیا سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتا
ہے ، احمد ایاز کو بُلا رہی ہیں ، وہ ابھی زندہ ہیں،
ابھی زندہ رہیں گے ، انھیں ابھی بہت سے کام کرنا
ہیں ، لیکن ایک دن وہ بھی یہاں آجائیں گے ،
جب ہی آپ کی ان سے ملاقات ہوسکتی ہے ، یہ
کہہ کر وہ مسکراتی ہوئی غائب ہوگئی ، میری آنکھ
کھل گئی ، صبح کا وقت تھا ، فجر کی اذان ہو رہی
تھی ، ایسے وقت کے خواب جھوٹے نہیں ہوتے
میں نے سمجھ لیا ، مجھے آپ سے پہلے جانا پڑے
گا ، اور میں نے اپنے آپ کو اس کے لئے آمادہ
کر لیا ہے ، مجھے پہلے جانے دیجئے ، میں آپ
کا انتظار کروں گی ،

کہ ان باتوں سے آپ متاثر ہوں گے۔ آپ کو صدمہ ہوگا،

احمد ایاز:- اور یہ جاننے کے باوجود تم نے میرے دل کو صدمہ پہنچایا ہے،

مریم :- یہ صدمہ اگر یکایک پہنچتا تو زیادہ تکلیف ہوتی، آنے والے وقت کے لئے میں آپ کو تیار کر رہی تھی، غلط نہیں کہتی، اپنی حالت سے میں خوب واقف ہوں، میں اب کسی طرح نہیں بچ سکتی، اور موت کی میرے دل میں ذرا بھی دہشت نہیں، میں بہت خوشی سے مروں گی، مرنے سے پہلے میں نے وہ سب کچھ پالیا جس کی مجھے حسرت تھی، آرزو تھی، آپ مجھے مل گئے، اسلام کی نعمت مجھے مل گئی، حضرت سلطان المشائخ کی شفقت میں نے پالی، اب اس کے بعد اور کیا چاہیے؟ اب اگر کچھ چاہوں تو وہ طلب نہیں ہوس ہوگی۔

احمد ایاز:- سمجھ میں نہیں آتا تمہیں اپنی موت کا اتنا یقین کیوں ہے،

مریم :- رات میں نے ایک خواب دیکھا تھا، میں نے دیکھا تھا میں ایک محل میں ہوں جس کے چاروں طرف باغات ہیں، محل میں دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں،

کیجئے اور حوصلہ سے کام لیجئے ، آپ کی یہ حالت دیکھ کر میرے دل کی حالت غیر ہوئی جاتی ہے ، دیکھئے میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے ہیں ، بدن میں سنسنی سی محسوس ہو رہی ہے دل زور زور سے دھڑک رہا ہے ، چکّر آ رہے ہیں ، مجھے کچھ بھی اچھی طرح نظر نہیں آتا، میں بے ہوش ہو رہی ہوں ،

اور یہ کہتے کہتے واقعی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی ، احمد ایاز نے اسے سنبھالا ، بستر پر لٹایا ، اور حکیم صاحب کی طرف دوڑا ، اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی ، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دیوانگی کی کیفیت طاری ہے ، آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں ، بال پریشان تھے ، پاؤں رکھتا کہیں تھا ، پڑتے کہیں تھے ، اور مریم اپنے بستر پر دنیا اور مافیہا سے بے خبر بے حس و حرکت پڑی تھی -

---

احمد ایاز :- (بھرّائی ہوئی آواز میں) خواب و خیال کی باتوں پہ یقین کر رہی ہو؟

مریم :- میرا دل گواہی دیتا ہے، یہ سچا خواب ہے!

احمد ایاز :- اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم ابھی زندہ رہوگی بہت دن زندہ رہوگی،

مریم :- اگر آپ کی بات سچی ہوئی تو اچھا ہے، بہت اچھا ہے، میں زندہ رہوں گی، مجھے زندگی سے کوئی بیر نہیں، جب تک جیوں گی آپ کی خدمت کرتی رہوں گی۔ لیکن اگر میری بات صحیح ثابت ہو تو آپ کو بھی اُس کے لئے آمادہ اور تیار رہنا چاہئے،

احمد ایاز نے کوئی جواب نہیں دیا، اس نے مریم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا اور ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ مریم بے تاب ہوکر اُٹھ بیٹھی، اور اُس نے بہت کمزور اور نحیف آواز میں کہا :-

اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں وقت سے
پہلے دنیا سے رخصت ہوجاؤں تو
بے شک آنسو بہائیے اور روئیے
لیکن اگر آپ کی خواہش یہ ہے کہ
میں وقت سے پہلے نہ مروں تو صبر

دل حضرت کی علالت اور نقاہت دیکھ کر ڈوبنے لگتا تھا، تیسری طرف مریم کی بیماری طول کھینچتی جارہی تھی، اب وہ اتنی کمزور ہوچکی تھی کہ دو منٹ بات کرتی تھی اور پانچ منٹ ہانپتی تھی، جس کی چاہت میں اس نے اپنی زندگی گذار دی تھی، اُسے یوں گھلتے دیکھ رہا تھا، اور کچھ نہ کرسکتا تھا. الغ خاں نے شاہی طبیب کو مریم کے معالجہ پر مقرر کردیا تھا اور وہ بڑی محنت اور توجہ سے علاج بھی کرتا رہا، لیکن حالت یہ تھی کہ

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

نسخے بدلے جاتے تھے، دوائیں تبدیل ہوتی تھیں مقویات کا اضافہ ہوتا تھا، مگر سب بے اثر، چوتھی طرف ولی عہد مملکت الغ خاں اس کے لئے دردِ سر کا موجب بنا ہوا تھا' وہ ہر ملاقات پر اس کے سامنے اپنا دُکھڑا رونے بیٹھ جاتا' ایک طرف وہ سلطان المشائخ کا عقیدتمند تھا دوسری طرف اپنے باپ سے غیر معمولی طور سے محبت رکھتا تھا، اس عقیدت اور محبّت نے اسے ایک ایسے دوراہے پر کھڑا کردیا تھا کہ اس کی قوّتِ فیصلہ عاجز تھی کدھر جائے، اور کیا کرے؟ کبھی جی چاہتا کہ ولی عہدی سے دست بردار ہوکر خانقاہ کے متوسّلین میں شامل ہوجائے. کبھی باپ کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی، اس کی شفقّت و محبّت یاد آنے لگتی، وہ اپنے

باب (۴۴)

دہشت

احمد ایاز کے یہ دن بڑی پریشانی میں گذر رہے تھے، ایک طرف سلطان غیاث الدین تغلق کی آمد آمد کا شہرہ تھا، جیسے جیسے اس کے آنے کے دن قریب ہوتے جاتے تھے، ویسے ویسے احمد ایاز کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی، وہ بار بار سوچتا تھا بادشاہ کے آنے کے بعد خانقاہ اور قصر شاہی میں ضرور تصادم ہوگا، اور یہ سوچ کر وہ دل ہی دل میں کانپ جاتا تھا' دوسری طرف خود حضرت سلطان المشائخ کا مزاج بھی کچھ ناساز تھا' اگرچہ اب تک بظاہر تشویش کی کوئی بات نہ تھی، لیکن اس کا

محسوس کرنے لگا تھا، بھوک غائب تھی، نیند اُڑ گئی تھی، چہرے پر وحشت سی برسنے لگی تھی، کپڑے میلے ہیں تو میلے ہیں، بال پریشان ہیں، کسی چیز کا ہوش نہیں، کسی بات کا دھیان نہیں،

ایک روز اس کی یہ حالت دیکھ کر مریم نے نڈھال آواز میں کہا:-

مریم :- آپ کا کیا حال ہوگیا ہے؟ جیسے ہفتوں کے بیمار؟

احمد ایاز :- (ٹھنڈی سانس لے کر) کچھ نہیں مریم، اچھا ہوں،

مریم :- اس بات پر کیسے یقین کروں، کیا میں آپ کو دیکھتی نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے دشمن مدت سے بیمار چلے آرہے ہیں؟ مجھ میں تو اتنی سکت نہیں کہ بستر سے اٹھ سکوں، نہ جانے کھانا بھی وقت پر ملتا ہے یا نہیں،

یہ کہتے کہتے مریم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور وہ رونے لگی، سسکیوں کی آواز سُن کر احمد ایاز نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا، اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اور محبت سے دباتے ہوئے کہا:-

اوپر ملامت کرنے لگتا کہ ایسی دل دکھانے والی باتیں کیوں سوچتا ہے ، اس ذہنی کشمکش کے موقع پر ایک احمد ایاز ہی تھا جس سے صلاح و مشورہ کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا تھا ۔ احمد ایاز اپنے اضطراب خیال اور پریشانی طبع کے باعث خود ہی خستہ اور درماندہ تھا ، وہ الغ خاں کی کیا مدد کر سکتا تھا پھر ان سب باتوں سے قطع نظر اس کی سرکاری ذمہ داریاں تھیں منتظم تعمیرات کی حیثیت سے دن دن بھر مصروف رہنا پڑتا تھا ، فرض شناسی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ، صبح سے شام تک پوری مستعدی اور محنت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا رہتا تھا ، اور ان فرائض کے ادا کرنے کے بعد الغ خاں کے پاس بیٹھتا تو وحشت ہونے لگتی ، خانقاہ جاتا تو حضرت کی ناسازئی طبع کے باعث اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا ہو جاتا ، گھر پہنچتا تو مریم کا حال زار دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آجاتے ، غرض دفتر ، محل ، خانقاہ اور گھر کہیں بھی اسے آرام و سکون میسر نہ تھا ، جہاں جاتا ایک نئی پریشانی استقبال کو موجود ملتی ، اس کی یہ حالت تھی کہ

کہاں بیٹھیے اور کہاں جائیے
بہلتا نہیں دل جہاں جائیے !

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اب وہ خود اپنے کو بیمار و نزار

میں کیوں کر خوش رہ سکتا ہوں، میری زندگی کا پھول مرجھایا ہوا نظر آئے، اور میں خوش رہوں' یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

مریم ابھی کوئی جواب نہیں دے پائی تھی، دروازے پر دستک ہوئی، معلوم ہوا ولی عہد کا چوبدار آیا ہے، اور فوراً طلب فرمایا ہے، احمد ایاز نے کہا:-

چند منٹ بھی اطمینان سے بیٹھنے کے
تمہارے پاس نہیں ملتے، اب ولی عہد
صاحب نے یاد فرمایا ہے، نہ جانے
کون سی بات یاد آئی، ابھی ابھی تو اُن
کے پاس سے آیا تھا۔

مریم نے کہا:-

آپ بہت چڑچڑے ہوگئے ہیں،
اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے، جایئے
ہو آیئے، کوئی ضروری بات ہوگی، ورنہ
وہ خواہ مخواہ کیوں یاد کرتے'

احمد ایاز نے جانے کے لئے تیار ہوتے ہوئے کہا،

این ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر

مریم کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا، اور احمد ایاز نے تیوریوں

یہ تمہاری محبت ہے، جو تم مجھے بیمار و
ناتواں محسوس کر رہی ہو، میں اچھا ہوں کسی
طرح کی شکایت نہیں، بھوک بھی خوب لگتی
ہے، کھانا بھی اچھی طرح کھاتا ہوں، انتظام
میں بھی کوئی فرق نہیں، ہر چیز وقت پر مہیا
ہو جاتی ہے۔ ان ملازمین کی تربیت تم نے
کی ہے، اور بہت اچھی کی ہے،

مریم :- آپ تو باتوں میں ٹالنے کی کوشش کر رہے ہیں، چہرہ
تو دیکھئے اپنا کتنا اُترا ہوا ہے،

احمد ایاز :- نہیں بالکل نہیں تم خواہ مخواہ پریشان ہو کر اپنے آپ
کو ہلکان کرتی ہو، تمہیں نہ باتیں زیادہ کرنی چاہئیں
نہ زیادہ سوچنا چاہئے، فکر و پریشانی تو تمہارے لئے
زہر ہے، وعدہ کرو اب اس طرح کی باتیں نہیں
کروں گی؛

مریم :- اگر آپ کو خوش خُرم دیکھوں گی تو ضرور خوش رہوں
گی، اور کسی طرح کی فکر و پریشانی پاس نہیں
پھٹکنے دوں گی،

احمد ایاز :- بھئی تم نے تو پریشان کر دیا ہے، ذرا غور تو کرو
جب تک تم توانا اور تندرست نہیں ہو جاتیں،

تکلیف پہنچتی ہے، آیندہ احتیاط کروں گا،

احمد ایاز:۔ نہیں میرا یہ مقصد نہیں تھا؛ میں نے تو صرف اپنی پریشانی کا اظہار کیا تھا، اور یہ پریشانیاں دم کے ساتھ ہیں، ان سے مفر نہیں، میں آپ کا خادم ہوں، جب طلب فرمائیں گے، سر کے بل آؤں گا،

الغ خاں:۔ نہیں خادم نہیں، عزیز، میں تمہیں اپنا عزیز سمجھتا ہوں

احمد ایاز:۔ بندہ نوازی ہے آپ کی،

الغ خاں:۔ جانتے ہو میں نے تمہیں اس وقت کیوں بلایا ہے؟

احمد ایاز:۔ نہیں میں نہیں جانتا،

الغ خاں:۔ بادشاہ سلامت بنگال سے کامیاب و کامران واپس آ رہے ہیں!

احمد ایاز:۔ یہ تو مجھے معلوم ہے،

الغ خاں:۔ کاش مجھے بھی اتنا ہی معلوم ہوتا تو کتنا مطمئن ہوتا۔

احمد ایاز:۔ آخر ہوا کیا؟

الغ خاں:۔ بنگال سے روانہ ہوتے وقت اور دلی سے ایک منزل پہلے اُنہوں نے مجھے خط لکھا، قبل اس کے کہ ہم دار الحکومت پہنچیں سُلطان المشائخ دلی

پر بل ڈالے قصر شاہی کی طرف روانہ ہوگیا،

راستہ بھر احمد ایاز ولی عہد کو دل ہی دل میں برا بھلا کہتا رہا، وہاں پہنچا تو ولی عہد صاحب اس کے انتظار میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے، انہوں نے اسے دیکھتے ہی بے قراری اور اضطراب کے ساتھ کہا

الغ خاں :- بہت دیر کردی تم نے آنے میں!

احمد ایاز :- جیسے ہی اطلاع ملی فوراً حاضر ہوا، مریم کی حالت بہت نازک ہوتی جا رہی ہے، ایک پل کے لئے بھی اس کے پاس سے ہٹنے کو جی نہیں چاہتا، لیکن ایک پل بھی اس کے پاس اطمینان سے بیٹھنے کا وقت نہیں ملتا،

الغ خاں :- سچ کہتے ہو میرے بھائی، تمہاری اس پریشانی پر دل بہت کڑھتا ہے، بہت شرمندہ ہوں کہ جب چاہتا ہوں، وقت نا وقت تمہیں طلب کرلیتا ہوں، لیکن یہ تو غور کرو تمہارے سوا اور ہے کون؟ جس سے دل کی کہانی بیان کرسکوں؟ صرف ایک تم ہو، جس سے جو چاہتا ہوں کہہ سکتا ہوں جو خلوص اور وفاداری کے ساتھ مجھے صحیح مشورہ دیتا ہے،

معاف کرنا احمد ایاز میری وجہ سے تمہیں بہت

سے اس کی کُٹیا نہیں چھینی جا سکتی ۔

الغ خاں :۔ پھر اب کیا ہوگا ؟

احمد ایاز :۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں ، وہی ہوگا جو خدا کی مرضی ہوگی ، نہ آپ کچھ کر سکتے ہیں نہ میں ،

الغ خاں :۔ (ایک ٹھنڈی سانس لے کر) ہاں میں بھی اس نتیجہ پر پہنچا ہوں ، تمہیں معلوم ہوگا کہ بادشاہ وقت جب کبھی کسی مُہم سے واپس آتا ہے ، تو شہر میں داخلہ سے پیشتر اس کے شایان شان استقبال کیا جاتا ہے ،

احمد ایاز :۔ جی ہاں یہ بہت پرانی رسم ہے ، اور ضروری بھی ،

الغ خاں :۔ پھر اس کا انتظام ہونا چاہئے ۔

احمد ایاز :۔ میں خود تو آج کل بہت پریشان ہوں ، ایک قدم گھر میں ایک خانقاہ میں ، لیکن میں نے اپنے نائب کو ہدایت کر دی ہے ، کہ وہ شہر سے باہر ایک بارہ دری تیار کر دے ، جہاں پناہ رونق افروز ہو رہے ہیں اُن کی خدمت میں نذریں اور تحائف پیش کئے جائیں گے اور اس کے بعد شہر میں تشریف لے آئیں گے ۔ اگر آپ کو فرصت ہو تو میری یہ درخواست ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے چلئے ، اور بچشم خود ملاحظہ فرما لیجئے کہ انتظامات درست ہیں یا نہیں ؟

سے رُخصت ہو چکے ہوں ، میں نے یہ بات حضرت
کے گوش گذار کی ، اُن کا صرف ایک جواب تھا :۔
"ہنُوز دلّی دور است"

اب وہ دلّی کے قریب پہنچ چکے ہیں ، کل صبح وہ
آجائیں گے ، آج پھر اُن کا خط آیا ہے اور اُنہوں
نے نہایت تاکید کے ساتھ فرمایا ہے کہ میرے حکم کی
تعمیل ہوئی یا نہیں ، اگر ہو چکی ہے تو خیر اور اگر
نہیں ہوئی تو ہم یہ آخری موقع دیتے ہیں کہ وہ جلد
از جلد دلّی سے باہر کہیں اور اپنا نشیمن بنائیں ، جیسے
ہی یہ حکم ملا ، میں پھر حضرت کی خدمت میں حاضر
ہوا ، اور نہایت لجاجت کے ساتھ عرض کیا کہ اگر
کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ جہاں پناہ کی مرضی
بھی پوری ہو جائے ، اور سلطان المشائخ کی سبکی بھی
نہ ہو ، تو بہت اچھا ہے ، چنانچہ میں نے عرض کیا
کہ دلّی سے چالیس میل کے فاصلہ پر میری ذاتی
جاگیر ہے ، آپ وہاں تشریف لے جائیں ، یوں دلّی
کے اندر قیام بھی رہے گا اور بادشاہ سے دُوری
بھی ہو جائے گی ، لیکن حضرت نے یہ بات نہ مانی ۔

احمد ایاز :۔ بادشاہ سے اس کا محل چھڑایا جا سکتا ہے ، درویش

باب (۴۵)

ہنوز دلّی دور است

دوسرے روز صبح صبح الغ خاں خدم و حشم کے ساتھ بادشاہ کے استقبال کے لئے دلّی سے باہر گیا، بادشاہ اپنے لشکر سمیت واپس آچکا تھا، اور زربفت کے خیمہ میں مقیم تھا، الغ خاں سب کو باہر چھوڑ کر باپ کے دیدار اور قدم بوسی کے لئے اندر پہنچا، وہ ایک زر کار اور زر نگار مسند پر متمکن تھا، پاس اس کا چھوٹا لڑکا محمود بیٹھا تھا، بادشاہ خاموش تھا، اور اس کے چہرے سے ہیبت آشکار تھی، اس نے جیسے ہی الغ خاں کو دیکھا، اُٹھ کھڑا ہوا اور معانقہ کیا اس کی پیشانی کو بوسہ

الغ خاں :- ہاں ہم ابھی چلتے ہیں ،

الغ خاں احمد ایاز کے ساتھ اس مقام پر پہنچا ، جہاں بارہ دری تیار کی گئی تھی ۔ اِدھر اُدھر گھوم پھر کر اس نے اچھی طرح آرائش و زیبائش کا معائنہ کیا ۔ اور بالکل مطمئن ہو کر واپس آگیا ،

دشمنوں کی سرکوبی کر رہے تھے، سرکشوں کو پامال
کر رہے تھے، باغیوں کے جسم وجان کا رشتہ منقطع
کر رہے تھے، کامیابی اور کامرانی ہمارے قدم
چوم رہی تھی، فتح ونصرت ہمارے ساتھ رہتی
تھی، خوش طالعی اور فیروز مندی ہمارے جلو میں
تھی، لیکن ایک بات تھی جو کانٹے کی طرح دل میں
کھٹکا کرتی تھی، وہ تھی الغ خاں کی یاد، اس یاد
نے ہم پر خواب وخور حرام کر دیا تھا، دنیا کی ہر لذت
بے مزا کر دی تھی، عیش ونشاط کے معنی ہم نے
فراموش کر دیئے تھے، ہم چاہتے تھے جلد از جلد
دلی پہنچیں اور اپنے لخت جگر کو سینے سے لگائیں،
اپنے نورِ نظر کی پیشانی کو بوسہ دیں، اسے خوش
دیکھیں اور خود بھی نشاط ومسرت کے طوفان میں کھو
جائیں، لیکن ہم دیکھ رہے ہیں الغ خاں ہمارے سامنے
ہے، اس کا چہرہ اُترا ہوا ہے، اس کی آنکھیں
گڑھے میں دھنسی ہیں، اس کی رعنائی وزیبائی
مُرجھا چلی ہے، کاش یہ دیکھنے سے پہلے ہم اس
دنیا سے رُخصت ہو گئے ہوتے، بیٹے غم اور فکر
پریشانی اور رنجوری، افسردگی اور اضطراب

دیا، اور اپنے قریب بُلاتے ہوئے کہا:۔

سلطان غیاث الدین تغلق۔ تم آ گئے؛ ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے

الغ خاں :۔ غلام کو جیسے ہی یہ اطلاع ملی کہ کوکبۂ ہمایوں آ گیا ہے، فوراً حاضر ہو گیا،

سلطان غیاث الدین تغلق۔ بہت اچھا کیا، تمہارے دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی تھیں ——— ایسا معلوم ہوتا ہے، تمہاری کچھ طبیعت خراب ہے؟

الغ خاں :۔ غلام بالکل تندرست اور توانا ہے،

سلطان غیاث الدین تغلق۔ کسی فکر نے پریشان کر رکھا ہے تمہیں؟

الغ خاں :۔ جس کا باپ اور بادشاہ سراپا محبت و شفقت ہو پریشانی اس کے پاس کہیں پھٹک سکتی ہے؟

سلطان غیاث الدین تغلق۔ نہیں کوئی بات ضرور ہے، ہم نے تمہیں کبھی اتنا پریشان اور دل گرفتہ نہیں دیکھا تھا، جتنا آج دیکھ رہے ہیں، ہم صرف بادشاہ نہیں ایک باپ بھی ہیں، ہمارے سینہ میں بھی وہی دل دھڑکتا ہے جو ہر باپ کے دل میں اپنی اولاد کے لئے دھڑکتا ہے دُنیا کے سامنے ہماری حیثیت ایک فاتح اور ایک کشور کُشا کی ہے، لیکن گھر میں اہل و عیال کے لئے ہمارے پاس صرف محبت ہے، ہم بنگال میں تھے،

کیفیت دیکھ کر ہمارے دل پر کیا گذر رہی ہے، کیسی چھریاں چل رہی ہیں،

یہ کہتے کہتے دنیا کے ایک بہت بڑے بادشاہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے گرنے لگے، الغ خاں نے بڑھ کر باپ کے قدموں پر سر رکھ دیا، وہ خود بھی رونے لگا، اس نے کہا:-

اخوند عالم مجھے کوئی فکر نہیں، میں کسی سے محبت نہیں کرتا، دولت و ثروت آپ کے طفیل میرے گھر کی لونڈی ہے، اس دنیا میں کوئی مجھ سے بڑھ کر خوش قسمت ہو نہیں سکتا، جو مہر پدر سے اس درجہ بہرہ ور ہو، البتہ ایک بات کی فکر ضرور ہے،

سلطان غیاث الدین تغلق بتاؤ وہ کون سی بات ہے؟

الغ خاں :- جب بھی اخوند عالم کا پیام مجھ تک پہنچا بجائے کسی پیامبر کو بھیجنے کے میں خود سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے اُن سے عرض کیا کہ وہ دلی چھوڑ دیں،

سلطان غیاث الدین تغلق- شاباش تمہیں یہی کرنا چاہئے تھا،

یہ چیزیں اپنے باپ کے لئے چھوڑ دو، ان چیزوں
میں تمہارا کوئی حصّہ نہیں، تم صرف اس لئے
ہو کہ خوش رہو، ہماری زندگی کا مقصد صرف یہ ہے
کہ تمہیں خوش دیکھیں، بتاؤ تم کیا چاہتے ہو، اگر
تمہیں روپے کی ضرورت ہے تو خزانۂ شاہی کی
کنجیاں موجود ہیں، جاؤ سب کچھ لے لو، جھاڑو پھیر
دو خزانے میں، لیکن اس کے بعد جب آؤ تو مسکراتے
ہوئے آؤ، اگر تمہیں کسی سے پرخاش ہے تو ہم سے
صاف صاف کہہ دو، اگر وہ اپنے وقت کا رستم
و اسفندیار ہے تو بھی ہم اسے للکاریں گے اور
اس کی گردن لاکر تمہارے سامنے پیش کریں گے
اگر تم کسی سے محبّت کرتے ہو تو ہم سے نہ چھپاؤ
بتا دو کس سے تمہاری آنکھیں لڑی ہیں، وہ اگر
ہندوستان کی ساری سلطنت دینے کے بعد ملے گی
تو ہم اسے تمہارے لئے حاصل کر کے رہیں گے، ہم
اس کے پاس بادشاہ ذی جاہ کی حیثیت سے
نہیں، بلکہ بھکاری کی حیثیت سے جائیں گے اور
اپنے محبوب بیٹے کے لئے اس کی خوشی کا سودا
کر لیں گے، الغ خاں تم نہیں جانتے تمہاری یہ

وہ ایک درویش گوشہ نشین ہیں، سیاسیات میں حصہ نہیں لیتے، بادشاہوں سے راہ و رسم نہیں رکھتے امراء و رؤساء سے ملاقات نہیں کرتے، خدا کی عبادت کرتے ہیں، ریاضت کرتے ہیں، مجاہدہ کرتے ہیں، فاقہ کرتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں، فقر کی زندگی بسر کرتے ہیں، انہیں اگر ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو کوئی حرج ہے؟

سلطان غیاث الدین:- یہ رموز مملکت ہیں، جب تک یہ تخت تمہارے قبضہ میں نہیں آتا تم ان رموز کو نہیں سمجھ سکتے، تم نے تصویر کا صرف ایک رُخ دیکھا ہے، دوسرا رُخ ہم تمہیں دکھاتے ہیں، خلقت ان کے نام پر جان دیتی ہے، ان کی مقبولیت اور مراجعت کا یہ عالم ہے کہ ایک شہنشاہ ہفت کشور بھی اس باب میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا، آج وہ ایک درویش گوشہ نشین ہیں، کل وہ ایک بہت بڑی طاقت بن کر میدان میں آسکتے ہیں، کیا ہمیں اس کا تدارک نہیں کرنا چاہئے، اور جانِ پدر یہ بھی سوچو کہ ہم طریقت کو شریعت پر حکمرانی کرتے نہیں دیکھ سکتے وہ سماع کی مجلس منعقد کرتے ہیں، قوالی سنتے ہیں

ہم خوش ہوئے تمہاری مستعدی سے لیکن اُنہوں نے ہمارے حکم کی تعمیل کی ؟

الغ خاں :- (ڈرتے ڈرتے) نہیں،

سلطان غیاث الدین :- (پُر جلال آواز میں) کیا کہا، ہمارے فرمان کی تعمیل سے انکار کر دیا گیا ؟ ہماری بات ٹھکرا دی گئی ؟ ہم سے سرکشی کا مظاہرہ کیا گیا ؟

الغ خاں :- بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے،

سلطان غیاث الدین :- (بہت زیادہ برہم ہو کر) کیا جواب دیا انہوں نے ؟ لفظ بہ لفظ بتاؤ،

الغ خاں :- جب بھی میں نے اُن تک آپ کا پیام پہنچایا، ہر مرتبہ انہوں نے ایک ہی بات کہی :

"ہنوز دلّی دور است"

سلطان غیاث الدین :- ہم سمجھے ہیں چیلنج دیا جا رہا ہے، ہم نے ان سے کہا تھا کہ وہ دلّی خالی کر دیں، اور وہ ہم سے فرما رہے ہیں کہ ہم دلّی میں قدم نہیں رکھ سکتے، ہم اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں،

الغ خاں :- اخوند عالم،

سلطان غیاث الدین :- کہو، کیا کہنا چاہتے ہو ؟

الغ خاں :- نہایت ادب کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں

کونسا خلل پڑ جائے گا، اس طرزِ عمل کے معنی یہ
ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بادشاہ سے بھی زیادہ
اہمیت دیتے ہیں، تخت حکومت حاصل کرنے
کے بعد تم انہیں واپس بلا لینا۔ لیکن ہم ایک میان
میں دو تلوار کے قائل نہیں، انہیں دلی چھوڑ نی
پڑے گی، آج ہی دلی پہنچنے کے بعد ہمارا پہلا کام یہ
ہو گا کہ انہیں بزورِ قوت جلا وطن کر دیں، ہم نے
چاہا تھا کہ گھی سیدھی انگلیوں سے نکل آئے، اب
مجبور ہو کر ٹیڑھی انگلیوں سے کام لینا پڑے گا۔
یہ کہہ کر غیاث الدین کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا:۔
تمہاری طرف سے اور امرائے دربار
کی طرف سے جو تحفے اور نذریں ہماری
خدمت میں پیش کی جائیں گی، جلد از جلد
ہم انھیں قبول کر کے دلی میں داخل
ہوں گے، صرف امراء اور رؤسا ر
کی نظریں اگر ہوتیں تو ہم انکار کر دیتے
لیکن الغ خاں کے تحائف قبول کرنے
سے انکار نہیں کر سکتے، آؤ چلو اعلان
کر دو، کہ بارہ دری میں دربار خاص

گانا سُنتے ہیں، یہ باتیں شریعت کے خلاف ہیں،
ہمارے حدودِ مملکت میں کھلم کھلا ان بدعتوں کی
اجازت نہیں مل سکتی، اور ذرا اس بات پر بھی غور
کرو، دلّی ہمارا دارالحکومت ہے یہاں ہماری
سپاہ ہے، لشکر ہے، فوج ہے، اور ان سب
کا ایک معقول طبقہ خانقاہ نظامیہ میں آتا جاتا
رہتا ہے، بہت سے لوگ مرید ہو چکے ہیں بہت
سے لوگ عقیدت رکھتے ہیں، اگر ہم یہاں انہیں
رہنے کی اجازت دیں تو گویا ہم اس کی اجازت
بھی دیتے ہیں کہ ہمارے مُلازموں اور جاں نثاروں
کی وفاداری مُنقسم ہو جائے، شاید تم نہیں جانتے
وفاداری کی تقسیم کتنی خطرناک چیز ہے، اور ایک
نازک مرحلے پر یہ کتنی ہلاکت انگیز ثابت ہو سکتی ہے،
اور بیٹے یہ بھی تو سوچو اگر وہ واقعی ایسے ہی ہیں جیسا
تم کہتے ہو تو دلّی سے باہر جانے پر انہیں اعتراض
کیوں ہے؟ دلّی ہمارا دارالحکومت ہے ہم یہاں
رہنے پر مجبور ہیں، بغیر اس کے ملک کا نظم و نظام
قائم نہیں رہ سکتا، لیکن اگر وہ دلّی چھوڑ کر کسی اور
شہر میں جا بسیں تو اُن کے نظامِ عبادت میں

آن کی آن میں ۲۴ سدھے ہوئے ہاتھی بارہ دری کے اندر وقار اور تمکنت کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے حاضر ہوئے ۔ الغ خاں اس تحفہ سے بہت محظوظ و مسرور ہوا ،

تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ نے الغ خاں کو حکم دیا :-

جاؤ دوسرے امرائے دربار سے کہو وہ
اپنے تحائف ہماری خدمت میں پیش کریں '

الغ خاں بارہ دری سے باہر نکلا اس کے جانے کے بعد مہاوتوں نے ہاتھیوں کو پھر ایا اور واپس لے چلے ، یہ بارہ دری بہت جلدی میں تعمیر کی گئی تھی ، اور چوبی تھی ، اتنا بڑا بوجھ نہ برداشت کر سکی ، چنانچہ جیسے ہی ہاتھیوں نے ایک ساتھ جانے کے لئے منہ پھیرا ، بارہ دری کی چوبی عمارت ہلی اور ایک لمحہ میں گر پڑی ،

یہ حادثہ اتنا آناً فاناً ہوا کہ چند منٹ تک تو کسی کو اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ یہ کیا ہوا ، پھر ہوش آیا تو لوگ مدد کے لئے دوڑے ، الغ خاں سب سے آگے تھا ، کئی ہاتھی زخمی ہو گئے ، کچھ نکل گئے ، بڑی مشکل سے ملبہ ہٹایا گیا -
سلطان غیاث الدین اپنے چھوٹے بیٹے محمود پر اس طرح جھکا ہوا تھا ، جیسے وہ یہ چاہتا تھا کہ بارہ دری کو اپنی پیٹھ پر روک کر

منعقد ہو رہا ہے، لوگ اپنی اپنی نذریں
اور تحفے لے کر حاضر ہوں،

فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی، سلطان غیاث الدین تغلق اپنے نو عمر بیٹے محمود کے ساتھ بارہ دری میں جا کر بیٹھ گیا، منصب کے لحاظ سے سب سے پہلے ولی عہد کے تحائف پیش ہونا چاہئے تھے، چنانچہ مختلف قسم کی گراں مایہ چیزیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کی گئیں، وہ مسکرا مسکرا کر انھیں قبول کرتے رہے، جب سارے تحفے قبول کر چکے تو انہوں نے ولی عہد سے کہا:-

"تمہارے تحفے ہم نے قبول کر لئے، اب ہم اپنی طرف سے تمہیں ایک تحفہ دینا چاہتے ہیں، تمہیں ہاتھیوں کا بہت شوق ہے، بنگال سے دو درجن ہاتھی ہم تمہارے لئے لائے ہیں، یقیناً اس تحفہ کو دیکھ کر تم خوش ہو گے،

ولی عہد نے ادب سے گردن جھکا لی،

سلطان غیاث الدین نے سپہ دار کو حکم دیا،

بنگال سے جو ہاتھی ساتھ آئے ہیں، انہیں پیش کیا جائے،

شوکت کے ساتھ دلّی میں اس کے داخلہ کی تاریخ مقرر تھی، بے شک وہ داخل ہوا، لیکن چار کے کاندھوں پر، اس لئے نہیں کہ قصر شاہی واپس جائے، اور جاہ وجلال کی زندگی بسر کرے بلکہ اس لئے کہ قبر کے تنگ و تاریک گوشہ میں ہمیشگی کی نیند سو جائے، یہاں نہ کوئی ملازم ہوگا نہ غلام، نہ راحت و آرام کے اسباب میسّر ہوں گے۔ نہ دربار کا خدم و حشم میسّر آئے گا، یہ بالکل الگ دنیا ہے نرالی، انوکھی، عبرت انگیز۔

غیاث الدین قبر میں اُتار دیا گیا، الغ خاں محمد تغلق کے نام سے سریر آرائے حکومت ہوا۔

ہمیشہ رہے نام اللہ کا

محمود کو چشم زخم سے محفوظ رکھے، لیکن خدا کی مشیت پوری ہو چکی تھی، نہ غیاث الدین بچا نہ محمود، دونوں بے کسی اور بے بسی کے عالم میں اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، یہ اتنا ہولناک منظر تھا کہ الغ خاں اس کی تاب نہ لا سکا، وہ چکرا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا،

دوسرے لوگوں نے اسے اٹھایا، اور ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔

آناً فاناً یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی، آج سے بہت دن پہلے،

"ہنوز دلی دور است"

کی آواز ایک خانقاہ سے بلند ہوئی تھی، کچھ لوگوں نے اس پر یقین کیا تھا، کچھ لوگوں نے اسے مجذوب کی بڑ سمجھا تھا، لیکن آج ہر شخص یہ محسوس کر رہا تھا کہ دنیاوی جاہ و جلال روحانی جمال و کمال کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا، غیاث الدین کے پاس کیا کچھ نہ تھا، دولت، لشکر، اقتدار، اختیار، تلوار، سب کچھ اور ایک ویران خانقاہ میں جو مرد خدا بیٹھا تھا، اس کے پاس نہ اسلحہ تھے، نہ اقتدار و اختیار رکھتا، نہ شوکت و طاقت تھی، مگر جو اس نے کہا وہ ہو کر رہا غیاث الدین جیتے جی دلی میں داخل نہ ہو سکا۔ آج بڑے اہتمام و شان و

بیزاری اور مسلم دشمنی کی فضا میں پروان چڑھا، چھوت چھات ذات پات اور تنگ نظری جس کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی لیکن یہ خدا کی دین تھی، کہ اس نے اپنے ایک گمراہ بندے کو سیدھا راستہ دکھایا، اور وہ خود بھی دُھن کا اتنا پکا اور ارادہ کا اتنا اٹل تھا کہ منزل تک پہنچنے کے لئے جب آگے بڑھا تو کسی خطرے کو خاطر میں نہ لایا، دنیا میں سب سے زیادہ لاجونتی کو چاہتا تھا، اسے چھوڑ دیا، "ملنگانے کے جس محل میں وہ پیدا ہوا تھا، جس کے در و دیوار سے نجانے کتنی یادیں وابستہ تھیں، وہاں سے نکل آیا، ایک نئے شہر میں پہنچا، ایک نئی سوسائٹی میں داخل ہوا، ایک نیا مذہب قبول کرلیا، جب میں اور اب میں کتنا زمین آسمان کا فرق تھا، جب وہ اَن گنت بتوں کو پوجتا تھا، اب صرف ایک خدا کا پرستار ہے، جب نجانے کتنے دیوتاؤں اور دیویوں کے آگے سجدے کرتا تھا، اب وہ رحمت اللعالمین کا چاکر ہے، جب وہ ہر سنت اور سادھو کو دیکھ کر یہ سمجھتا تھا کہ یہ خدا کا بیٹا ہے، اور اب سلطان المشائخ کی بارگاہ میں پہنچ کر اسے یہ یقین ہوگیا کہ سب خدا کے بندے ہیں، جب سیم و زر اور دولت و ثروت کو وہ دنیا کی سب سے بڑی معراج سمجھتا تھا، اور اب جلالِ خسروی، شکوہِ قیصری، دبدبہ شاہی اور مال و زر کی اس کی

باب (۴۶)

مریم

غیاث الدین تغلق کے انتقال نے حالات یکسر بدل دیئے غیاث الدین کا حضرت سلطان المشائخ سے جتنا معاندانہ برتاؤ تھا ، محمد تغلق کا رویہ اتنا ہی عقیدت مندانہ تھا ، محمد تغلق نے تختِ حکومت پر بیٹھنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کہ احمد ایاز کو اس کی وفاداری ، قابلیت اور صلاحیت کے صلہ میں خواجہ جہاں کا خطاب دیا ، اور اپنا وزیرِاعظم بنالیا متحدہ ہندوستان کی وزارتِ عظمٰی پر آج وہ شخص فائز تھا جس نے ایک ہندو گھرانے میں آنکھیں کھولیں اور اسلام

بھی ایسا ہی ، وہ بہت جلد بامِ عُروج پر پہنچا ، اور سب کو اپنے پیچھے چھوڑ گیا ، اس نے جو کچھ حاصل کیا اپنے بل پر کسی دوسرے کے سہارے پر نہیں ! ،

وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز ہونے کے بعد احمد ایاز نے ایسے عدل و انصاف اور راست بازی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دینا شروع کئے کہ جو لوگ شروع میں مخالف اور دشمن تھے ، وہ بھی کلمہ پڑھنے لگے ، وہ دشمنوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتا تھا ، دوستوں کو عُروج اور کامرانی کے زینے پر چڑھا دیتا تھا ، محتاجوں اور درد مندوں کے کام آتا تھا ، غریب کو امیر سے اس کا حق دلاتا تھا ، اور امیر کو یہ حق نہ دیتا تھا کہ وہ کسی غریب پر دست درازی کر سکے ، جن بے سہارا لوگوں کی آوازیں قصرِ شاہی اور ایوانِ عدالت سے ٹکرا کر مایوس و ناکام واپس آجاتی تھیں ، احمد ایاز ان کی فریاد سُنتا تھا ، دادرسی کرتا تھا ، اُن کے زخم پر مرہم رکھتا تھا ، ان کی حاجتیں اور ضرورتیں پوری کرتا تھا ، ہر مہینے اسے بہت بڑی تنخواہ ملتی تھی ، جو خزانے سے چھکڑوں میں لد کر ایوانِ وزارت تک آتی تھی ، لیکن آتے ہی تقسیم ہو جاتی تھی ، نجانے کتنی بیوائیں ، کتنے یتیم ، کتنے بیمار ، کتنے آشفتہ حال اور بے روزگار لوگ احمد ایاز کی

نظر میں کوئی حقیقت نہ تھی، دلّی کی سرزمین پر جب اس نے قدم رکھا تھا، تو وہ ایک مٹے ہوئے خاندان کی یادگار تھا، جسے ہر وقت احساسِ کمتری گھیرے رہتا تھا، جو ہر آن اپنی خودی کو ٹوٹتے اپنی خود داری کو مجروح ہوتے اور اپنے آپ کو ذلیل ہوتے دیکھا کرتا تھا اور کچھ نہ کرسکتا تھا، اب وہ ایک بہت بڑی مملکت کا وزیرِ اعظم تھا، تلنگانہ جیسی بیسیوں ریاستیں اس کے رحم وکرم پر اپنی زندگی بسر کر رہی تھیں، دلّی کے علما و مشائخ اس کا احترام کرتے تھے، ساری مملکت میں بادشاہ جمجاہ کے بعد اگر کسی کا سکّہ چلتا تھا، تو وہ احمد ایاز تھا ——— ایک نومسلم،

احمد ایاز کے اس عُروج پر بہتوں کو رشک ہوا، کچھ لوگ آتشِ حسد میں جلنے لگے، لیکن ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی، جو یہ محسوس کرتے تھے کہ حق بہ حقدار رسید۔

حقیقت یہ ہے کہ ولی عہد کے متوسّلین میں شامل ہونے کے بعد اُس نے اپنی ذہانت اور ذکاوت، تدبر و فراست، دور اندیشی اور عاقبت بینی، شجاعت و دلیری، نظم انتظام اور اخلاص و دیانت کا ایسا ثبوت دیا تھا کہ لوگ بجا طور پر یہ توقع کرنے لگے تھے، احمد ایاز حیرت انگیز ترقی کرے گا ایسی ترقی کرے گا کہ ایک مثال قائم کردے گا، اور ہوا

کی محنت شاقہ کے بعد اپنے دفتر اور بادشاہ کے دربار سے رخصت ہونے کے بعد جب وہ خانقاہ جاتا تھا تو معلوم ہوتا تھا وہ یاس وحسرت کا پیکر ہے، حضرت سُلطان المشائخ کی علالت نازک سے نازک تر صورت اختیار کرتی جارہی تھی، غذا تقریباً بند ہوگئی تھی، کمزوری اور نقاہت نے غلبہ پالیا تھا، بس اللہ سے لَو لگی ہوئی تھی، اس حالت میں بھی عبادت وریاضت کا سلسلہ جاری تھا، روزے اب بھی رکھے جاتے تھے، نفلیں اب بھی پڑھی جاتیں، اوراد ووظائف کا سلسلہ اب بھی جاری تھا، اور یہاں سے رخصت ہوکر جب وہ اپنی شاندار حویلی میں قدم رکھتا تو مریم کو دیکھ کر سینے پر گھونسا سا لگتا تھا، وہ مریم جو حسن و جمال میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی، آج ہڈیوں کا ایک مجموعہ رہ گئی تھی، آنکھیں حلقہ میں دھنس گئی تھیں، رعنائی وزیبائی رخصت ہوچکی تھی، جن ہونٹوں پر ہمیشہ تبسّم کھیلتا رہتا تھا، وہ مسکرانا بھول چکے تھے، جن آنکھوں میں زندگی کی تڑپ اور امنگ مچلتی رہتی، اب وہ بے نور نظر آرہی تھیں، جس قد کو دیکھ کر دیکھنے والوں کو سرو شمشاد یاد آجاتے تھے، آج بیمار و نزار بستر علالت پر دراز تھا اس میں اتنی سکت بھی نہ تھی کہ مکھی کو اُڑا سکے، اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ بات کرسکے، اتنا یارا بھی نہ تھا کہ آنکھ بھرکر

ڈیوڑھی پر پلتے تھے، اسی نے بہت سی بیواؤں کے درماہے مقرر کر رکھے تھے، بہت سی یتیم لڑکیوں کی شادی کے مصارف اپنی جیب سے برداشت کئے تھے، ہر گھر سے احمد ایاز کے لئے دعا کی آوازیں بلند ہوتی تھیں، وہ اب حکومتِ ہندوستان کا وزیر اعظم ہی نہ تھا، بلکہ لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کر رہا تھا،

لیکن عروج و احتشام کے باوجود کیا واقعی احمد ایاز خوش تھا؟ مسرور تھا؟ زندگی کو درخورِ اعتنا سمجھ رہا تھا؟ عیش و طرب میں اپنا وقت صرف کرتا تھا؟ نہیں یہ کچھ نہیں تھا، بادشاہت کے بعد سب سے بڑا منصب اس کے قبضے میں تھا وہ اپنی ہر تمنا اور ہر آرزو پوری کر سکتا تھا، لیکن اس کے دل کی کلی مرجھا چکی تھی، مرجھاتی جا رہی تھی، وہ خوش ہونا چاہتا تھا، لیکن غم اسے اپنے گھیرے میں لے لیتا تھا، وہ ہنسنا چاہتا تھا، لیکن آنسو خود بخود ٹپکنے لگتے تھے، وہ دنیا کے عیش و نعم میں حصہ لینا چاہتا تھا، لیکن ایسا نہ کر سکتا تھا، وہ اپنے فرائض پوری محنت، دیانت، مستعدی، اور جوش و خروش کے ساتھ انجام دیتا تھا، کرسیٔ وزارت پر پہنچنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے اسے کارِ وزارت کے علاوہ کسی اور چیز سے، کسی اور کام سے دلچسپی ہی نہیں، لیکن دن بھر

تمہارا کیا حال بنا دیا، ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے گلاب کا پھول سوکھ گیا، ایک ایک رگ دکھائی دے رہی ہے، ایک ایک ہڈی گن لی جا سکتی ہے،

مریم :- بیماری انسان کی ایسی ہی گت بنا دیتی ہے،

احمد ایاز :- لیکن مریم یہ کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ تم بیمار ہو اور میں اچھا ہوں، میں بھی کیوں بیمار نہیں پڑ جاتا ؟

مریم :- خدا نہ کرے آپ کے دشمن بیمار ہوں !

احمد ایاز :- تمہاری بیماری نے میری خوشی چھین لی ہے، جب تک تم بھلی چنگی نہ ہو جاؤ، مجھے زندگی میں کوئی لطف نہیں آسکتا، لعنت ہے ایسی زندگی پر، میں تو نفرت کرنے لگا ہوں اس سے !!

مریم :- پھر ایسی باتیں کرنے لگے، جو آپ کی شان کے خلاف ہیں، جو ایک مسلمان کے منہ سے نہیں نکلنی چاہئیں،

احمد ایاز :- میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کہی مریم!

مریم :- اور اس سے بڑھ کر کیا کہیں گے آپ ——
لَو خدا سے لگانا چاہئے : بھروسہ خدا پر کرنا چاہئے
مستقل تعلق خاطر صرف اسی سے پیدا کیا جا سکتا ہے
آنی جانی اور فانی چیزوں کو اتنا اہم نہ سمجھئے کہ
وہ زندگی کا جز بن جائیں، باقی رہنے والی ذات

کسی چیز کو دیکھ سکے، جس نے گلاب کے پھول کو مرجھاتے نہ دیکھا ہو، وہ مریم کو دیکھ لے، جس نے حسن و جمال کو خاک میں ملتے نہ دیکھا ہو، مریم کا ایک نظارہ اُسے یہ منظر دکھا سکتا تھا، احمد ایاز یہ حالت دیکھتا اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتا، مریم اسے دیکھتی تھی، اور مسکرانے کی کوشش کرنے لگتی، بڑی باہمت خاتون تھی، استقلال اور ہمت کے ساتھ بیماری کا مقابلہ کر رہی تھی، لیکن کب تک، ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، اب ایسا معلوم ہوتا تھا، بیماری سے لڑتے لڑتے وہ تھک گئی ہے، حوصلہ جواب دے چکا ہے، استقامت رُخصت ہو چکی ہے، احمد ایاز کو دیکھ کر اس نے اشارہ سے، پاس بُلایا، وہ آیا اور اُس کے قریب بیٹھ گیا اس نے ایک نظر اس کے سراپا پر ڈالی، اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا :-

مریم :- میری وجہ سے آپ نے بہت دُکھ جھیلے، اب یہ پریشانیاں ختم ہو جائیں گی،

احمد ایاز :- میں اس سے زیادہ دُکھ جھیل سکتا ہوں اگر تم اچھی ہو جاؤ،

مریم :- اب میں کبھی بیمار نہ پڑوں گی،

احمد ایاز :- خدا کرے ایسا ہی ہو، دیکھو تو اس بیماری نے

روٹھی ہوئی ہے، میں اگر مسکراؤں تو یہ سمجھو کہ رو رہا ہوں،

مریم :- آپ تو ہر پھر کر میری ہی حالت پر آجاتے ہیں۔

احمد ایاز :- اور اس کے سوا میرے پاس کون سی باتیں ہیں یہی ایک بات ہے، جو منہ سے نکلتی ہے دماغ میں گھومتی ہے، اور دل سے ٹکراتی رہتی ہے۔

مریم :- آپ سے کہہ تو چکی بہت جلد اچھی ہو جاؤں گی اور پھر کبھی بیمار نہ پڑوں گی،

احمد ایاز :- خدا وہ دن جلد لائے، جس روز تمہارا غسل صحت ہو، دنیا اس روز دیکھے گی، کہ احمد ایاز عالم نشاط میں کیا کچھ کرسکتا ہے،

مریم :- پھر حد سے آگے بڑھنے لگے، کیا کریں گے آپ اس روز ؟

احمد ایاز :- یہ نہ پوچھو مریم، اس روز دنیا مجھے رقص کرتی دکھائی دے گی، اور میں خود بھی دفورِ مسرت سے بے قابو ہوکر رقص کرنے لگوں گا، خزانہ کا منہ کھول دوں گا، اپنی ساری دولت لٹا دوں گا اس خوشی میں جو شخص جو کچھ مانگے گا، اسے دُوں گا،

مریم :- یہ تو اب بھی ہر روز آپ کرتے رہتے ہیں، نجانے

صرف خدا کی ہے ،

احمدایاز :۔ جب میرے منہ سے کوئی بات نکلتی ہے تم ٹوک دیتی ہو،

مریم :۔ ایسی بات آپ کے منہ سے نکلتی ہی کیوں ہے ؟

احمدایاز :۔ خدا کی قسم اگر میں اتنا ہی بیمار پڑتا جتنی تم ہو تو بھی مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی ، جتنی تمہیں اس حالت میں دیکھ کر ہوتی ہے ،

مریم :۔ جانتی ہوں ، آپ سچ کہہ رہے ہیں ،

احمدایاز :۔ میرے دل کا راز میرے سوا کوئی نہیں جانتا دنیا یہ سمجھتی ہے کہ مجھ سے زیادہ خوش کوئی نہیں ،

مریم :۔ اور اس میں شک بھی کیا ہے ؟ بے شک آپ خوش قسمت ہیں ،

احمدایاز :۔ لوگوں کا خیال ہے ، وزارت عُظمیٰ کا منصب حاصل کر کے میں ترقی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ گیا ہوں ،

مریم :۔ یہ بھی سچ ہے ، خدا مبارک کرے ،

:۔ لیکن کوئی نہیں جو میرا دل چیر کر دیکھ سکے ، میرے غم اور صدمہ کا اندازہ کر سکے ، میری خوشی تم ہو ، تم اگر بستر علالت پر دراز ہو تو میری خوشی بھی مجھ سے

مریم :- آپ نے مجھے باتوں میں ایسا لگا لیا کہ میں حضرت کے بارے میں کچھ دریافت نہ کرسکی، یہ تو بتایئے حضرت کا مزاج کیسا ہے،

احمد ایاز :- کیا کہوں؟ کچھ نہیں کہہ سکتا،

مریم :- (پریشان ہوکر) آخر کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے؟

احمد ایاز :- روز بروز حالت نازک سے نازک تر ہوتی جارہی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ملّتِ اسلامیہ اپنے اس محبوب اور قیمتی اثاثہ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجائے گی،

مریم :- ایسا نہ کہئے، ان کا وجود ملک اور قوم کے لئے بہت ضروری ہے،

احمد ایاز :- ہاں لیکن خدا کی مشیت ——— مشیت الٰہی کے آگے کون دم مار سکتا ہے،

مریم :- یہ تو سچ ہے، مشیّتِ ایزدی ہی سب کچھ ہے، لیکن اگر خدا ناخواستہ کچھ ایسا ویسا ہوا تو کیا ہوگا میں یہ سوچ رہی ہوں، اور میرا دل زور زور سے دھڑک رہا ہے، خدا خیر کرے،

احمد ایاز :- آمین ——— ثم آمین،

مریم :- دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کر) بارالٰہی! میری زندگی

کتنے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجتیں آپ
کے دربار سے پوری ہوتی رہتی ہیں، یہ تو آپ کی
فطرت ہے، ہر روز اس کا مظاہرہ ہوتا ہے،
ہر روز اسی کا مظاہرہ ہوتا رہے گا، کسی کے
اچھے یا بیمار ہونے سے اس کا کیا تعلق؟

احمد ایاز:۔ اوہ مریم، ——— پھر آخر میں اپنی خوشی
کا کس طرح اظہار کروں؟

مریم:۔ یہ آپ مجھ سے پوچھتے ہیں؟ خوشی کا اظہار صرف
خدا کو یاد کر کے کیا جا سکتا ہے،

احمد ایاز:۔ سچ کہتی ہو، سب سے بڑھ کر خوشی یہ ہے کہ خدا
کسی حالت میں فراموش نہ ہو،

مریم:۔ یہی میں آپ کے منہ سے سننا چاہتی تھی، پھر کہئے
ایک مرتبہ ذرا،

احمد ایاز:۔ کون سی بات چاہتی ہو کہ پھر سے کہوں؟

مریم:۔ سب سے بڑی خوشی یہ ہے کہ خدا کسی حالت میں
فراموش نہ ہو، ——— یہی تمام باتوں کا حاصل
یہی اور صرف یہی ہے،!

احمد ایاز:۔ ہاں یہی میرا عقیدہ ہے، اور یہ عقیدہ حضرت
سلطان المشائخ کے فیض صحبت سے حاصل ہوا ہے،

سے آگے گزر چکا تھا، اس پر بے ہوشی کے مسلسل دورے پڑ رہے تھے، کبھی تھوڑی دیر کے لئے آنکھ کھل جاتی تھی، کچھ کہنا چاہتا اور پھر اس پر غفلت طاری ہو جاتی، ایک طرف مریم کی تجہیز و تکفین کی تیاریاں تھیں، اور دوسری طرف حکیم صاحب احمد ایاز کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے!

جتنی ساعت تک باقی ہے، وہ حضرت کو نذر
کرتی ہوں، میری یہ آخری التجا قبول کر، تاکہ
زندگی بھی سوارت ہو اور موت بھی قابلِ رشک
بن جائے،

احمد ایاز :- (پریشان ہوکر) مریم، مریم، یہ کیا کہہ رہی ہو
تمہیں کیا ہوگیا ہے ؟

مریم :- (بہت کمزور آواز میں) اعتراض نہ کیجئے، آمین
کہئے،

اور یہ کہتے کہتے مریم پر چند لمحوں کے لئے تشنج کی سی
کیفیت طاری ہوئی، پھر اُس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
آنکھیں بند کرلیں،

مریم مرچکی تھی،
اس کی آخری تمنا پوری ہوچکی تھی،
اس کی زندگی سوارت ہوئی، اور اس نے
قابلِ رشک موت حاصل کرلی،

احمد ایاز یہ منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا، اس
نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے مریم کی لاش پر ایک نظر ڈالی
اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا؛ لوگوں
نے اسے تسکین دینے کی کوشش کی لیکن وہ اس منزل

اس غم میں وہ بیمار پڑ گیا۔ اس کی حالت کبھی اتنی نازک ہو جاتی کہ حکیم اور طبیب زندگی سے مایوس ہو جاتے اور کبھی وہ سنبھل جاتا، زندگی کی آس پھر پیدا ہو جاتی، محمد تغلق بار بار اس کی خیریت دریافت کرتا، کبھی بے تاب ہوکر خود اس کے گھر پہنچتا، اس کی دل دہی کرتا، تسلی اور تشفی کی باتیں کرتا، جیسے کوئی چیز تلاش کر رہا ہو، کسی کا انتظار کر رہا ہو، کوئی بھولی ہوئی بات یاد کر رہا ہو، اور اس کے بعد پھر وہ گردن ڈال دیتا، پھر غفلت اس پر طاری ہو جاتی، محمد تغلق اس کی یہ حالت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لاتا، وہ اس کی دوا اور علاج پر پانی کی طرح روپیہ خرچ کر رہا تھا، اس نے دُور دُور سے شہرت یافتہ اور نامور طبیبوں کو بلایا تھا اور وہ سب پوری تندہی اور جانفشانی کے ساتھ علاج میں لگے ہوئے تھے، آخر ایک عرصہ کی تگ و دو اور دوا دوش کے بعد احمد ایاز کی حالت رُوبہ صحت ہوئی، اگرچہ ابھی وہ کمزور تھا لیکن خطرہ مل چکا تھا مرض پر طبیعت غالب آگئی تھی، بادشاہ کبھی کبھی اس کے پاس عیادت کے لئے جایا کرتا تھا، گھنٹوں اور پہروں بیٹھتا تھا، اور اس کا دل بہلانے کی کوشش کیا کرتا، آج اسے چاق و چوبند دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے

(۴۷)

باب

زندگی کا مقصد

اس حادثہ سے احمد ایاز ابھی پورے طور پر پنپ نہیں پایا تھا کہ چند روز بعد حضرت سلطان المشائخ نے سفر آخرت اختیار فرمایا، یہ خبر خرمنِ ہوش و حواس پر بجلی بن کر گری، وہ مریم کا غم بھول گیا، اپنے آپ کو فراموش کر بیٹھا، دربار کا آنا جانا اس نے ترک کردیا، وزارت عظمیٰ کے فرائض نذر تغافل ہونے لگے اب اس کی حالت یہ تھی کہ ؎

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی،

نعمت ہے، اپنی ساری مملکت میں ہم کسی
کی اپنے دل میں اتنی جگہ نہیں پاتے، جتنی
تمہاری، اگر ہم یہ کہیں کہ اپنے خاندان میں
کسی سے ہم اتنی محبّت نہیں کرتے جتنی تم
سے تو اسے مُبالغہ نہ سمجھنا، یہ اظہارِ حقیقت
ہے، بیانِ واقعہ ہے، صاف اور سچّی
بات۔!

احمد ایاز :۔ اخوند عالم کی ذرّہ نوازی، نجانے کتنے ذرّوں
کو آفتاب بنا چکی ہے، اس التفات اور کرم
فرمائی کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں؟

سلطان محمد تغلق :۔ شکر و سپاس کی کوئی ضرورت نہیں تمہارے
کارنامے، تمہاری کارگزاریاں تمہارا خلوص
تمہاری دیانت، تمہاری شرافت، یہ سب
ایسی چیزیں ہیں، جو کبھی فراموش نہیں ہو سکتیں
ہمیں فخر ہے کہ تم ہمارے وزیرِ اعظم ہو،
ہمیں مسرّت ہے کہ تمہیں اس جان لیوا مرض
سے نجات ملی، اب تم پھر ساری توانیاں
اپنے ملک، اپنی قوم اور مذہب پر صرف
کرو،

مسکراتے ہوئے کہا :-

محمد تغلق :- احمد ایاز اب تم اچھے ہو، خطرہ ٹل گیا، حکیم صاحب فرماتے تھے، چند روز میں انشاء اللہ بالکل توانا اور تندرست ہو جاؤ گے،

احمد ایاز :- بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، اخوند عالم،

سلطان محمد تغلق :- تمہاری اس بیماری نے ہمیں بہت پریشان کیا، تم بستر علالت پر دراز تھے، اور ہمارے شب و روز صرف اس فکر میں بسر ہوتے تھے کہ خدا تمہیں جلد از جلد اچھا کرے، جیسے جیسے بیماری بڑھتی جاتی تھی، ہمارا دل ڈوبتا جاتا تھا، اور آج تمہیں رو بہ صحت دیکھ کر ہم کہہ نہیں سکتے، الفاظ نہیں ملتے کہ بتا سکیں ہمیں کتنی مسرت ہوئی،

احمد ایاز :- بندہ نوازی ہے اخوند عالم کی،

سلطان محمد تغلق :- تم سے ہم محبت کرتے ہیں، تو تم پر کوئی احسان نہیں کرتے، تم اس قابل ہو کہ محبت کی جائے، تم سچے انسان، سچے دوست اور سچے مسلمان ہو، خود غرضی اور نفس پرستی کی اس دنیا میں تمہارا وجود ایک گراں مایہ

ہو جیسے موت کبھی نہیں آئے گی، یعنی دنیاوی
فرائض ایسی یکسوئی اور یک جہتی کے ساتھ انجام
دیئے جائیں کہ موت کا خیال بھی خلل انداز نہ ہوسکے
تم سمجھے، ہم کیا کہہ رہے ہیں؟

احمد ایاز :۔ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں اخوند عالم!

محمد تغلق :۔ تم ابھی نوجوان ہو، تمہیں ابھی بہت سے کارنامے
انجام دینا ہیں، مستقبل اپنا دامن پھیلائے تمہارا
انتظار کر رہا ہے، تمہیں اپنے ملک کی خدمت
کرنی ہے، قوم کی خدمت کرنی ہے۔
تم بہت کچھ کر چکے، لیکن ابھی بہت کچھ
کرنا باقی ہے،

احمد ایاز :۔ لیکن اسے کیا کروں اخوند عالم
جانتا ہوں ثواب، طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی،

محمد تغلق :۔ (مسکرا کر) طبیعت پر قابو رکھو، جو لوگ طبیعت کے
غلام بن جاتے ہیں، وہ کچھ نہیں کر سکتے جو لوگ
طبیعت کو غلام بنا لیتے ہیں، وہی کچھ کر کے
دکھاتے ہیں،

احمد ایاز :۔ مریم کی وفات نے نشاطِ قلب کی دولت چھین

احمد ایاز :- کاش ایسا ہو سکتا،
محمد تغلق :- یہ تم نے کیا کہا؟ ——— تم کیا کہنا چاہتے ہو؟
احمد ایاز :- اخوند عالم نے اس ناچیز غلام سے بہت سی توقعات وابستہ کرلی ہیں، لیکن غلام جانتا ہے، کہ اس کی ہمّت جواب دے چکی، اس کے ولولے سرد ہو چکے، اس کا حوصلہ پامال ہو چکا،
محمد تغلق :- کیوں؟ ——— وجہ؟ سبب؟
احمد ایاز :- (آہ سرد بھر کر) تھی وہ اک شخص کے تصوّر سے
اب وہ رعنائی خیال کہاں؟
محمد تغلق :- ہم تمہارے غم کو محسوس کرتے ہیں، واقعی بڑے حوصلے کے ساتھ تم نے اتنے بڑے غم کو سہا لیکن میرے عزیز حوصلہ قائم رکھو، اس دنیا میں جو آیا ہے، اُسے ایک روز مرنا ہے ؎
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
حدیث شریف میں مُسلمان کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جب کارِ عبادت پیش ہو تو ایسا معلوم ہو جیسے زندگی کی آخری گھڑی سر پر کھڑی ہے، یعنی اس کے انجام دینے میں کسی طرح کی تاخیر روا نہ رکھی جائے، اور کار دنیا سامنے ہو تو یہ معلوم

احمد ایاز:- غلام کی اتنی جرأت نہیں۔

محمد تغلق:- اگر واقعی یہی بات ہے تو پھر مایوسی کی یہ باتیں چھوڑ دو۔ حوصلہ اور اُمنگ سے کام لو، ایوانِ وزارت تمھارا انتظار کر رہا ہے۔ جاؤ اور اپنے فرائض انجام دو۔ اس لیے نہیں کہ اپنی جیبیں سونے اور چاندی سے بھر لینا چاہتے ہو۔ اگر یہ بات ہوتی تو ہم تمھیں اب تک معزول کر چکے ہوتے۔ ہم تمھیں ایوانِ وزارت کی طرف اس لیے واپس کر رہے ہیں کہ ہم جانتے ہیں تم ایمان دار ہو، دیانتدار ہو۔ فرض شناس ہو۔ کارگزار ہو۔ تمھاری ذات سے بہتوں کی زندگی اور بہتوں کی قسمت وابستہ ہے۔ ذرا غور تو کرو اگر تم انصاف کرتے ہو تو مستحق کو اس کا حق مل جاتا ہے تم رحم سے کام لیتے ہو تو غریب اور ضرورت مند اپنی حاجتیں پوری کر لیتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے۔ بہت سے یتیم۔ بہت سی بیوائیں۔ بہت سے نادار تمھاری داد و دہش پر پل رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں انصاف کے مقابلہ میں تم نے کبھی کسی کے ساتھ رعایت نہیں کی۔ یہ حقیقت بھی ہم سے پوشیدہ نہیں کہ تم نے ظالم کی سرکوبی کی اور مظلوم کی حمایت کرتے ہو۔ شاید تمھارا یہ خیال ہے ہم قصرِ شاہی میں بیٹھے داد عیش دیتے رہتے ہیں۔ مملکت کے حالات سے بے پروا اور بے خبر ہیں۔

احمد ایاز:- غلام اتنا گستاخ اور بدتہذیب نہیں۔ ایسی غلط بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وہ جانتا ہے۔ شہنشاہ عالم پناہ رعایا کا کتنا خیال

لی ، حضرت کے سفرِ آخرت نے اُمنگوں اور
حوصلوں کا خاتمہ کر دیا ، سمجھ میں نہیں آتا میں
کیوں زندہ ہوں ؟

محمد تغلق :۔ اس لئے کہ قدرت تمہیں زندہ رکھنا چاہتی ہے ، یاد رکھو ایک چیونٹی سے لے کر ایک ہاتھی تک ہر ہستی پر قدرت کا یہ قانون عمل کرتا ہے ، زندہ وہی رہتا ہے جس کی ضرورت ہوتی ہے ، جسے ابھی کچھ کرنا ہوتا ہے ، جو اپنا کام کر چکتا ہے وہ واپس بلا لیا جاتا ہے ، پھر وہ ایک لمحہ بھی نہیں ٹھیر سکتا جس روز اپنا کام ختم کر لو گے ، وہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا ، اور جب تک وہ کام باقی ہے ، لاکھ مرنے کی کوشش کرو مگر زندہ رہو گے ، زہر تمہارے لئے تریاق بن جائے گا ، موت تمہارے لئے زندگی کی پیامبر بن جائے گی ، ڈوبنے جاؤ گے تو دریا پایاب ہو جائے گا ، سر پھوڑو گے تو خون نہیں نکلے گا ، چوٹ نہیں آئے گی ، درد تک نہیں محسوس کرو گے ، انسان اشرف المخلوقات ہے ، وہ سب سے لڑ سکتا ہے ، خدا سے نہیں لڑ سکتا کیا تم قدرت کے فیصلہ سے ٹکرانا چاہتے ہو ؟

محمد تغلق:۔ جزاک اللہ، عاقل اور دانا وہی ہے۔ جو حق کو قبول کرکے سچی باتیں سُنے اور ان پر غور کرے۔ ہم تمھیں مبارک باد دیتے ہیں کہ تم نے حق کو قبول کیا سچی باتیں سُنیں۔ ان پر غور کیا اور عمل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

احمد ایاز:۔ یہ سب اخوند عالم کی ہدایت اور رہنمائی کا نتیجہ ہے۔

محمد تغلق:۔ ہم تمھارے شکر گزار ہیں کہ تم نے ہمارے جذبہ کو سمجھا۔ یاد رکھو دنیا میں ہر شخص اس لئے آیا ہے کہ کچھ کرے۔ اس شخص سے بڑھ کر بدبخت کون ہو سکتا ہے جسے کارنامے انجام دینے کا موقع ملے اور وہ اس موقع کو ضائع کردے۔

احمد ایاز:۔ بے شک۔ بجا ارشاد ہوا۔

محمد تغلق:۔ ہمیں امید ہے کہ تم نے جو وعدہ اس وقت کیا ہے اُس پر قائم رہوگے۔

احمد ایاز:۔ انشاء اللہ ضرور ——— یہ وعدہ میں نے خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے۔

محمد تغلق:۔ اگر یہ بات ہے تو سنجیدگی کے ساتھ ہم سے ایک وعدہ اور کرو۔

احمد ایاز:۔ ——— ارشاد!

محمد تغلق:۔ یہ کہ اب کبھی تم ماضی کے دھندلکے میں اپنے آپ کو گم کرنے کی کوشش نہ کروگے۔ ہمیشہ حال اور مستقبل کی روشنی میں منزلِ مقصود کی طرف بڑھتے رہوگے۔

احمد ایاز:۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

محمد تغلق:۔ ہم تم سے ایک وعدہ اور لینا چاہتے ہیں۔ احمد ایاز۔

احمد ایاز:۔ اخوند عالم ارشاد فرمائیے۔

محمد تغلق:۔ یہ کہ تم زندہ رہنے کی کوشش کروگے۔ اپنے لئے نہیں اپنے ابنائے جنس کے لئے، تم نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں گزارا ہے۔

کرتے ہیں۔ اس کے دُکھ درد سے کتنے متاثر ہیں۔ اس کے فلاح وعافیت کے لئے وقف اضطراب رہتے ہیں۔

محمد تغلق:۔ ہاں اور ہم اپنی مملکت کے ایک ایک واقعہ سے باخبر رہتے ہیں۔ ہم تمھیں اس وقت یہاں بیٹھ کر بتا سکتے ہیں۔ فلاں گھر میں کیا پکا ہے۔ اور فلاں شخص کیا کر رہا ہے۔ سازشوں کے اڈّے کون کون سے ہیں۔ اور بغاوت وسرکشی کے جراثیم کہاں پرورش پا رہے ہیں۔ ایک ایک بات اور ایک ایک حرکت کی ہمیں خبر ہے۔

احمد ایاز:۔ اخوند عالم کا ایک ایک حرف حق اور صداقت کی مُنہ بولتی تصویر ہے۔

محمد تغلق:۔ ہم تمھاری تعریف اس لئے کر رہے ہیں کہ تمھارے وہ کارنامے جو شاید خود تمھیں بھی یاد نہ ہوں ہمارے حافظہ میں محفوظ ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ تم ماضی کو فراموش کر دو۔ حال کو دیکھو اور مستقبل پر نظر رکھو۔ اگر تم نے پچھلی باتوں کو یاد کر کے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا تو یہ خود کشی ہوگی تمھیں بارگاہِ الٰہی میں اپنی اس غلط کاری کا جواب دینا پڑے گا تم سے پوچھا جائے گا۔ تجھے مُلک وملّت کی خدمت کا موقع دیا گیا۔ لیکن تو نے اس موقع کو ضائع کر دیا۔ غلاموں آشفتہ روزگاروں کی حمایت تجھ سے وابستہ کی گئی اور تو انھیں ٹھکرا کر اپنی جان کا دُرپے ہوگیا۔ تجھے نیکی کرنے کا موقع دیا گیا لیکن وہ قیمتی موقع تو نے ضائع کر دیا۔ بتاؤ احمد ایاز، اس سوال کا جواب ہے تمھارے پاس۔ ان الزامات کے جواب میں کیا کہہ سکو گے تم؟

احمد ایاز:۔ میری آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اخوند عالم، میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا۔ اپنے فرائض پوری محنت اور مستعدی کے ساتھ انجام دوں گا۔ واقعی میں غلط راستہ پر جا رہا تھا۔ اخوند عالم نے میری رہنمائی کی۔ اب جس راستے پر راہ روی کر رہا ہوں وہ سیدھا اور سچا راستہ ہے۔

احمد ایاز:۔ بے شک، کیا شک ہے اس میں۔

محمد تغلق:۔ تمھیں حضرت سے اتنی محبت ہے کہ ان کا غم فراق نہ سہہ سکے، اپنی جان پر کھیل گئے۔ لیکن میرے عزیز اظہار محبت کا یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ کیا سچی محبت کے معنی یہ نہیں کہ اپنی باقی ماندہ زندگی اس مقصد کے لئے وقف کر دو۔ جو حضرت کا مقصد تھا۔

احمد ایاز:۔ بے شک میں ایسا ہی کروں گا۔

محمد تغلق:۔ ہمیں یقین ہے تم دل سے کہہ رہے ہو۔ یہ تمھارا وعدہ ہے نا؟

احمد ایاز:۔ جی ہاں! یہ غلام کا وعدہ ہے۔

محمد تغلق:۔ ہم اس وعدہ پر اعتماد کرلیں؟

احمد ایاز:۔ ضرور کیجئے۔ غلام اپنے آقا سے کبھی غلط بیانی نہیں کر سکتا جھوٹ نہیں بول سکتا۔

محمد تغلق:۔ اپنے آپ کو بار بار غلام کیوں کہتے ہو۔ ہم تمھیں اپنا عزیز سمجھتے ہیں۔ ہم تمھارے قریب آنا چاہتے ہیں۔ اور تم ہم سے دور ہٹتے جاتے ہو؟

احمد ایاز:۔ ایاز قدر خود بشناس،

محمد تغلق:۔ ہم اس جذبہ کی قدر کرتے ہیں۔ انشاء اللہ اب کی چہار شنبہ کو تمھارا غسل صحت بہت دھوم دھام سے منایا جائے گا۔ اور اس روز ہم تمھیں ایک بہت گراں مایہ تحفہ دیں گے۔

احمد ایاز:۔ میرے پاس جو کچھ ہے وہ آپ ہی کا دیا ہوا ہے۔

احمد ایاز: — اور زندگی کے وہی چند روز حاصلِ حیات ہیں۔

محمد تغلق: — ہم جانتے ہیں تم خوش قسمت ہو کہ ایک عرصۂ دراز تک اس نعمت سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ ہمیں بھی اپنی قسمت پر ناز ہے کہ ایک آدھ بار چند لمحوں کے لئے اس قدسی صفات ہستی کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا اور ان چند گھڑیوں کو ہم بھی اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔

احمد ایاز: — اخوند عالم جو کچھ فرما رہے ہیں۔ وہ بالکل صحیح ہے۔

محمد تغلق: — ہاں تو ہم یہ کہہ رہے تھے تم نے اپنی زندگی کا بڑا حصّہ حضرت سلطان المشائخ کی صحبت میں گزارا ذرا یہ تو بتاؤ۔ خود حضرت کی زندگی کا مقصد کیا تھا؟

احمد ایاز: — حضرت کی زندگی کا مقصد؟

محمد تغلق: — ہاں ہم یہی پوچھ رہے تھے۔

احمد ایاز: — میں اخوند عالم کا مقصد نہیں سمجھا؟

محمد تغلق: — بہت سیدھا سا سوال ہے۔ ذرا غور تو کرو۔ حضرت سلطان المشائخ کی زندگی کس مقصد کے لئے وقف تھی۔ دماغ پر ذرا سا زور دو گے تو معلوم ہوگا۔ خدمتِ خلق۔ صرف خدمتِ خلق۔

احمد ایاز: — کوئی شبہ نہیں۔ حضرت کی زندگی کا یقیناً یہی ایک مقصد تھا۔

محمد تغلق: — حضرت جب تک زندہ رہے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دُکھ کے ماروں، بے کسوں، پریشان حالوں، دردمندوں کی خدمت میں گزارا۔

باب (۴۷)

تحفہ

سلطان محمد تغلق اپنے محل میں واپس گئے۔ اور وہاں جاتے ہی احمد ایاز کے غسلِ صحت کی تیاریاں دھوم دھام سے کرنے لگے۔ احمد ایاز کی خبرِ صحت سُن کر شہر کا ہر باشندہ خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ جس روز یہ تقریب منائی گئی۔ سارا شہر اُمنڈ آیا۔ آنے والوں میں اُمراء ورؤساء بھی تھے۔ علماء و مشائخ بھی۔ اور بہت بڑی تعداد میں عوام بھی۔

بادشاہ نے یہ تقریب اتنی دھوم دھام اور تزک و احتشام کے ساتھ منائی کہ اپنی تخت نشینی کا جشن بھی اتنے شاندار طریقہ پر نہ منایا ہوگا۔ تقریب

محمد تغلق :۔ وہ تحفہ ہم دیں گے۔ اور شاید تم محسوس کروگے کہ وہ تحفہ دے کر گویا ہم تمھیں اپنا سب کچھ دے دیں گے۔

احمد ایاز :۔ نوازش ہے اخوندِ عالم کی۔

محمد تغلق :۔ اچھا آرام کرو۔ ہم چاہتے ہیں تمھارے غسلِ صحت کی تقریب شاہی محل میں منائی جائے۔ اور اس تقریب کے سارے انتظامات ہماری نگرانی میں انجام پائیں گے۔

شدتِ تاثر کی بنا پر احمد ایاز کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس نے ممنون نگاہوں سے اپنے شہنشاہ کو دیکھا اور خاموش ہوگیا۔

جب اختتام کے قریب پہنچی۔ تو بادشاہ، احمد ایاز کا ہاتھ پکڑ کر اپنے خاص کمرہ میں لے گیا۔ وہاں علماء، مشائخ، امراء و روٗساء میں سے چیدہ چیدہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

محمد تغلق نے قاضی شہر کی طرف اشارہ کیا، وہ سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ نے کہا۔

احمد ایاز آج تک صرف ہمارا وزیر اعظم تھا، اور آج سے وہ ہمارے خاندان کا رُکن بھی ہو گا۔ قاضی صاحب نکاح پڑھائیے۔ ہم اپنی لڑکی اُس کے عقد میں دیتے ہیں۔

یہ سُن کر سب لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔ بادشاہِ وقت نے اپنی دامادی کے لئے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا تھا۔ جو نومسلم تھا، لیکن کس میں مجال تھی کہ دم مارتا ــــ اور احمد ایاز کا تو یہ عالم تھا کہ وہ اُس سرفرازی پر شکر و سپاس کا ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکال سکا۔ وہ خاموش تھا، اور اس کی یہ خاموشی بتا رہی تھی کہ مسرّت کا طوفان انسان کو گونگا کر دیتا ہے۔